سیرۃ النبیؐ کے مضامین

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نظر بر حال ما   نظر بر حال ما

یا رسول اللہ نظر بر حالِ ما   یا حبیب اللہ بشنو حالِ ما

غرقِ دریائے غم و کلفت شدیم   گیر دست و سہل کن اشکالِ ما

دیکھیے آقا ہمارے حال کو   یا حبیب اللہ سُنیے حال کو

بحرِ غم میں غرق ہیں آ دستگیر   کیجیے آساں ہمارے اشکال کو

میلاد النبی

صلی اللہ علیہ وسلم

کیمیائے سعادت

بے مثال تقریروں کا مجموعہ

محمد عباس نظامی

(Mouhammad abbas .N)

مضامین

abbas

25 : 3 : 98

مدینے دا تاجدار

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی = چاشت دی قسم اے۔ اور رات دی جد اوہ پردہ پائے
چاشت اشارہ اے نورِ جمال دی طرف اور شب کِنایا اے آپ دے گیسوئے مبارک دی طرف

ے وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا۔ لکۂ ابرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہے اس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام۔

منہ مبارک :- قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ = اسیں ویکھ رہے آں بار بار تہاڈا
آسمان دی طرف منہ کرنا =

ے چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

آنکھ مبارک :- مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی = شبِ معراج اکھ دیدارِ الٰہی توں کسی طرف
پھری نہ حد توں ودھی۔

ے کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی۔ آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا۔ اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

دہن مبارک :- وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ او اوہ کوئی بات اپنی مرضی
سے نہیں آکھدے۔ اوہ تے ہی مگر وحی جیہڑی اوہناں دی طرف بھیجی جاندی اے

ے وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا۔ چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام۔

زبان مبارک :- لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ :- تسی یاد کرنے دی جلدی وچ
قرآن دے نال اپنی زبان نوں حرکت نہ دیو۔

ے وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں۔ اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام۔

گفتگو مبارک :- وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ = مینوں رسول دا

اس ہین دی قسم کہ اے میرے رب ایہہ لوگ ایمان نہیں لاوندے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

اے محبوب تُسی فرما دیو کہ اوہ اللہ اِک وحدہٗ لاشریک اے۔

اس کی باتوں کی لذت پہ بے حد درود — اس کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود — اس کی دِلکش خطابت پہ لاکھوں سلام

گردن مبارک:- وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ : اور اپنا ہتھ اپنی گردن دے نال بندھیا ہویا نہ رکھو۔

جس میں نہریں ہیں شِیر و شکر کی رواں — اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام۔

جس کے آگے کھنچی گردنیں جھک گئیں — اس خُدا دادِ شوکت پہ لاکھوں سلام

سینہ مبارک:- اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ :- کیا اساں نے تہاڈا سینہ کشادہ نہ کیتا۔

رفعِ ذکرِ جلالت پہ ارفع درود — شرحِ صدرِ صدارت پہ لاکھوں سلام۔

پشت مبارک:- وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِىْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ : اور تہاڈے توں اوہ تہاڈا بوجھ اتار لیا۔ جس نے تہاڈی پٹھ توڑی سی۔

رُوئے آئینۂ علم پُشتِ حضور — پُشتیِ قصرِ اُمت پہ لاکھوں سلام۔

حجرِ اسود کعبۂ جان و دل — یعنی مُہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام

دِل مبارک:- قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

اے محبوب تُسی فرما دیو۔ جیہڑا کوئی جبریل دا دُشمن ہووے۔ تے اس جبریل نے تے تہاڈے دل تے اللہ دے حکم توں ایہہ قرآن اتاریا۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ

اے محبوب تہاڈی جان دی قسم بے شک اوہ اپنے نشے دے اندر بھٹک رہے نیں۔

دِل سمجھ سے وراء ہے مگر یوں کہوں — غُنچۂ رازِ وحدت پہ لاکھوں سلام

کُل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غِذا — اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ مبارک :- وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۔ اور اس توں پہلے تسی کوئی کتاب نہ پڑھدے سی۔ اور نہ اپنے ہتھ نال کجھ لکھدے سی۔ ایویں ہوندا تو باطل والے ضرور شک لیاوندے۔

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا اس موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام۔

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام۔

عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام۔

بازو مبارک :- وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اور مسلماناں نوں اپنے رحمت دے پراں وچ لے لو۔

جس کو بارِ دو عالم کی پرواہ نہیں ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام۔

پائے مبارک :- لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۔ اے محبوب مینوں اس شہر دی قسم کہ تسی ایس شہر دے اندر تشریف فرما ہو۔

کھائی قرآن نے خاکِ گزر کی قسم اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام۔

رنگت :- وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۔ اے غیب دیاں خبر دین والے نبی اساں نے آپ نوں بھیجیا۔ اللہ ول اس دے حکم دے نال بلاوندا چمکا دین والا آفتاب ہے۔

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام۔

تشریف آوری :- قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۔ بے شک تہاڈے کول اللہ دی طرفوں اک نور آیا۔ اور روشن کتاب ہے۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام۔

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کپورے کھانا شرعاً حرام ہیں

(از حضرت مولانا الحاج عبدالعزیز نوری صاحب نکھا)

سوال:- حلال جانوروں سے کیا کیا چیز کھانا منع ہیں۔

جواب:- حلال جانوروں سے سات چیزیں کھانا شرعاً منع ہیں۔

(۱) بہنے والا خون (2) نائزہ نرکی پیشاب گاہ۔ (3) کپورے۔ (۴) شرمگاہ (5) غدود۔ (6) مثانہ (۷) پتہ جو فتاوی عالمگیری ۱۔ جلد نمبر ۶ صفحہ ۹۸ میں ہے۔

مَا یحرم اکله مِن الحیوان سَبْعَۃ الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدۃ والمثانہ والمرارۃ۔ اسی طرح ردّ المختار کے کتاب الذبائح اور مسائل شتی میں ہے۔ کہ بکرے وغیرہ حلال جانوروں سے سات چیزوں کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ (جوہرہ نیرہ شرح قدوری) صفحہ نمبر 251 میں ہے۔ کہ وہ یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات چیزوں کو مکروہ فرماتے تھے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی فرماتے ہیں۔ کہ خون بہنے والا قطعی حرام ہے۔ اور باقی چھ چیزیں مکروہ تحریمی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں۔ (اُحِلَّ لَکُمُ الطیبات) طیبات حلال ہیں۔ اور یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبَائِثَ! گندی چیزیں حرام ہیں۔

چھ چیزیں تو لوگ نہیں کھاتے۔ مگر کپورے عام طور پر قصاب فروخت کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ عمداً یا جاہلاً ان کو بلا خوف اور روک ٹوک کھا جاتے ہیں۔ ان کو چاہئیے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند فرماتے ہیں۔ اس سے پرہیز کریں۔

—

۱۲ ماہ کی تقریریں -

(1) محرم الحرام
شہادت سید کربلا

(2) صفر المظفر
شان اولیاء

(3) ربیع الاول
شان رسالت

(4) ربیع الثانی
(1) وسیلہ نبی اکرم ﷺ
(2) 〃
(3) حاضر و ناظر
(4) معجزات نبی اکرم
(5) نبی پاک کی خوشبو ﷺ

جمادی الاول

(5) (1) نبی پاک کی سیرت و صورت
(2) تاریخ مدینہ -
(3) شانِ صحابہ -
(4) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

جمادی الثانی

(6) (5) عمر فاروق رضی اللہ عنہ
(6) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ -
(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ
(4) حقوق والدین

(7) رجب
(1) شان قرآن -
(2) نسبتِ مصطفیٰ ﷺ

ے خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

Zakheer

بے مثل بشریت

حضور نبی پاک بشر ہیں۔ مگر ساڈی بشریت اور آپدی بشریت دے اندر زمین و آسمان کا فرق اے۔ کیونکہ اوہ ذات جیہڑی خلیفہ حق اے۔ اور مقام قاب قوسین تک جس دی رسائی اے حریم خلوت گاہ قدس وچہ پہنچ کے جیہڑا عین ذات دا مشاہدہ کردا اے۔ اور کیتے اسی۔

مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر | کہ حضور کی بشریت کا تو ہزاروں
بہر حق سوئے غریباں یک نظر | جبرئیل بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

یعنی حضور نور مجسم بے مثل بشر ہیں اور آپکی بشریت اور انسانیت عام انسانوں کی طرح نہیں ہے۔ اور آپکو اپنا جیسا بشر کہنا۔ اور آپکے ساتھ ہمسری کا دعوٰی کرنا۔ گمراہی و بے دینی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:۔ بعض گستاخ لوگ یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ حضور کو اپنے جیسا بشر یا بھائی نہ کہیں۔ تو کیا کہیں۔ آپ ہماری طرح کھاتے پیتے۔ سوتے جاگتے ہیں انہی باتوں میں شریک ہیں۔ لہذا ہماری طرح بشر ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اول تو یہ ہی غلط ہے۔ کہ حضور ہماری طرح کھاتے ہیں۔ کیونکہ ہم روٹی کے محتاج پانی کے بغیر ہمارا جینا ناممکن ہے۔ اور حضور کسی چیز کے محتاج نہیں۔ خود فرماتے ہیں

(أَبِيتُ عِنْدَ رَبِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي) (بخاری مسلم)

میں رب کے ہاں شب گزارتا ہوں۔ مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ حضور کو کھانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن کھایا کیوں۔ صرف تعلیم اُمت کے لئے۔ اور یہ بتانے کے لئے کہ کھانے پینے کا طریقہ یہ ہے۔ سیدھے ہاتھ سے کھاؤ۔ مل کر کھاؤ۔ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضور نبی پاک کا کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ تجارت کرنا۔ یہ سب کچھ تعلیم امت کے لیے تھا۔ ورنہ آپکو کسی چیز

کی ضرورت نہ تھی ۔ حضور نبی پاک خود فرماتے ہیں۔ (بخاری شریف)

اے عائشہ اگر میں چاہوں تو سونے چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلا کریں

اللہ اکبر۔ چاندی سونا۔ اور دنیا کی نعمتیں آپکے قدموں تلے ہیں۔ مگر سرکار
اپنی شہنشاہی کا اظہار نہیں فرماتے ۔ ؎

؎ قدموں پہ ڈھیر اشرفیوں کا پڑا ہوا۔
اور سات دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا۔

حضور نبی پاک کا اپنے بطن اقدس پہ پتھر باندھنا۔ اپنا کام خود سرانجام
دینا۔ سادی غذا استعمال کرنا۔ کاشانۂ نبوت سے سات سات دن تک دھواں
کا نہ اٹھنا۔ اس لیئے نہ تھا۔ کہ آپ کے گھر میں آٹا نہ تھا۔ بلکہ یہ سب تعلیم امت کے لیے ہوا تھا۔
اور اس میں اس طرف اشارہ تھا۔ اور جس طرح میں مرضی الٰہی پر راضی ہوں۔ اسی طرح
اگر تم پر بھی آفتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔ اور دین کی راہ میں بھوکا رہنا پڑے۔ تو
صبر و شکر کا دامن تھامے رکھنا ۔ اور زبان پر ناشکری کے کلمات نہ لانا۔

افسوس سرکار نے تو زہد و فقر کی تعلیم دی۔ اور امت کو سبق پڑھانے کے لیئے سب
کچھ کیا۔ مگر باغیوں نے ہمسری کا دعویٰ کر دیا۔ اور آپ کو اپنے جیسا بشر کہنے لگ گئے
منکران عظمتِ رسول اگر ایمان کی نظر سے دیکھیں۔ اور تعصب و ہٹ دھرمی
کو بالائے طاق رکھ دیں تو ایک ادنیٰ سی فکر سے انہیں معلوم ہوگا۔ کہ حضورؐ عبادات
معاملات احکامات اور اپنے جسم مبارک کے خصوصیات کے لحاظ سے کسی بات میں
بھی ہم جیسے نہیں ہیں

اقسامِ بشریت:۔ کٓھٰیٰعٓصٓ کی تفسیر میں حضرت شیخ رکن الدولہ سمنانی
فرماتے ہیں ۔ کہ حضورؐ کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری جس کا بیان آیت
کے اندر ہے ۔ انا بشر مثلکم دو صورت ملکی جس کے متعلق خود حضورؐ نے فرمایا۔

میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ میں رب کے پاس رات گزارتا ہوں۔ (3) صورت حقیقی
جس کے متعلق فرمایا۔ میرے لیے خدا کے پاس ایک ایسی ساعت ہے۔ جس میں نبی
رسول اور اللہ کے مقرب فرشتے کی بھی رسائی نہیں۔

عارضی بشریت:۔ امام واسطی رحمۃ اللہ علیہ آیت بُدُ اللہ عنوق ایدیھم کی تفسیر
میں فرماتے ہیں۔ کہ آیت میں اللہ نے یہ خبر دی۔ کہ میرے نبی کی بشریت عارضی
ہے۔ بناوٹی ہے۔ اضافی ہے۔ حقیقی نہیں۔ = ان دو ایمان افروز تقریروں کو بار
بار پڑھو۔ کہ بڑے بڑے افاضل حضور کی بشریت وانسانیت کی حقیقت کو سمجھنے
میں حیران ہیں۔ اور اس دریا کا کنارہ کسی کو بھی ہاتھ نہ آیا ہے۔ مختصر یہ ہے۔

محمد سرِ وحدت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے۔
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے۔

نورانی بشریت:۔ امام عبدالرزاق رضی اللہ عنہ۔ جو امام بخاری ومسلم واحمد بن حنبل رحمہ اللہ
کے استادوں کے استاد ہیں۔ وہ اپنے مُصنّف میں حضرت جابر سے روایت
کرتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے یہ بتائیے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے
کس چیز کو پیدا فرمایا۔ حضور نے جواب دیا۔

یا جابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہٖ = اے جابر اللہ نے
تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

(فوائد)

(1) اس حدیث میں مِن نُورِہٖ کا لفظ ہے۔ ہ کی ضمیر خاص خُدا کے طرف لوٹتی ہے
جس سے ثابت ہوا۔ کہ حضور کا نور اللہ کے ذاتی نور سے پیدا ہوا۔ نور صفاتی سے نہیں۔
(2) اب رہا یہ سوال کہ حضور کا نور اللہ کے نور سے کیونکر اور کس نور سے پیدا ہوا۔ اس
کی حقیقت اور اس کی کیفیت اللہ ہی جانتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے تو حدیثِ مذکور پر ایمان
ہی ضروری ہے۔

③ یہ کہنا کہ حضور کا نور اللہ کے نور کا جز یا عین ہے۔ یا اللہ کے نور کا کوئی حصہ
جدا ہو کر حضور کے نور میں آگیا۔ یہ سخت گمراہی اور کفر ہے۔

④ اللہ کے ذاتی نور سے حضور کے نور کے پیدا ہونے کی یہ مثال دی جا سکتی ہے۔
کہ ایک شمع سے ہزار شمعیں روشن کی جائیں۔ تو ظاہر ہے کہ پہلی شمع کے نور
کا کوئی حصہ جدا ہو کر دوسری شمعوں میں نہ آیا۔

⑤ علم ہیئت کا مسئلہ ہے کہ ستارے اور چاند اپنا ذاتی نور نہیں رکھتے ہیں روشن
نہیں ہیں۔ سورج کے محتاج ہیں۔ سورج جب درجہ توسط میں پہنچتا ہے تو یہ چاند
اور ستارے سورج سے نور لے کر روشن ہو جاتے ہیں۔ جہاں بھی ذات شمس نے
جس پر روشنی ڈالی وہ روشن ہو گیا۔ مگر ذات شمس سے نہ کچھ جدا ہوا۔ نہ اس کے نور
میں کمی آئی۔ اور نہ سورج کے نور کا کوئی حصہ منتقل ہوا۔ بلا تمثیل یہی حال
حضور کے نور کا خدا کے نور سے پیدا ہونے کا ہے۔

⑥ علاوہ ازیں نور کا بھی جسم ہوتا ہے۔ اور اس معنی میں اللہ کو نور کہنا کفر ہے کیونکہ
کہ اللہ جسم وجسامت سے پاک ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حدیث مذکورہ پر ایمان لانا ہر
مسلمان پر فرض ہے۔ خصوصاً جب قرآن پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نور
کا اطلاق آیا ہے۔

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین۔ اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔

تیری نسل پاک سے ہے بچہ بچہ نور کا۔
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا۔

ظہورِ مصطفیٰ ﷺ سے پہلے

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں۔ کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں یورپ میں تاریکی
وجہالت کی حکمرانی تھی۔ ہر سمت جدال اور بے چینی و بدامنی کے شرارے بلند تھے۔
ایک عظیم الشان بُت کی پوجا ہوتی تھی۔ اور اس کو خدا کا نائب سمجھا جاتا تھا۔

فارس میں زر، زمین، زن، کے جھگڑے شائع تھے۔ اخلاقِ انسانی کا جنازہ نکل چکا
تھا۔ آتش پرستی افضل عبادت سمجھی جاتی ہے۔ ہندوستان میں سنگ پرستی اور دیوتا پرستی
کا شور تھا۔

چاند، سورج، گائے، بندر، ہاتھی، شہد کی مکھی، سانپ وغیرہ قابلِ پرستش
سمجھے جاتے تھے۔ اور ان سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ لوگوں کا یقین تھا۔ کہ خدا ان میں
سمایا ہوا ہے۔

چین میں سلاطین پرستی نے رنگ جما دیا تھا۔ بادشاہِ وقت کو خدا سمجھا جاتا تھا۔
جب ایک بادشاہ کا انتقال ہو جاتا تھا۔ اور اس کا وارث تختِ نشین ہوتا تھا۔ تو
لوگ یقین کر لیتے تھے۔ کہ اب خدائی موجودہ بادشاہ کے ہاتھ آگئی ہے
مصر میں یہودیت اور نصرانیت دست وگریبان ہو رہی تھی۔ صدہا مختلف العقائد فرقے
پیدا ہو گئے تھے۔ مذہبی روایات کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ مختلف فرقے ایک دوسرے کے جانی
دشمن بنے ہوئے تھے۔

عرب جن تاریکیوں اور جہالتوں میں مبتلا تھا۔ اور جن اخلاقی خرابیوں اور گمراہیوں کا
مرکز بنا ہوا تھا۔ ان کا حال کس قدر تفصیل کے ساتھ لکھنا مناسب ہے۔ عرب میں معاشرتی
تمدنی اخلاقی کمزوریاں اس قدر پیدا ہو گئی تھیں۔ کہ سرزمین عرب کے انسان برائے نام
انسان رہ گئے۔ عرب خونخواری، ڈاکہ زنی، نشہ بازی اور زناکاری۔ سود خواری اور قمار
بازی عرب میں شائع تھی۔ فحش باتوں سے پرہیز بالکل نہ کیا جاتا تھا۔ ہر شخص

افعال و اقوال میں آزاد تھا۔ دوشیزہ اور خوبصورت لڑکیوں کے نام اشعار لکھے جاتے تھے۔
اور بازاروں میں گائے جاتے تھے۔ کوئی ولولہ اور ارمان چھپا کر نہ رکھا جاتا تھا۔
زنا پر بجائے ندامت کے فخر کیا جاتا تھا۔ اور مجالس میں اپنی قوت مردمی کی تعریف
کی جاتی۔ نشہ سے زیادہ محبوب کوئی شغل نہ تھا۔ پھر بادہ نوشی و بدمستی کی حالت میں۔
نہایت شرمناک افعال کیے جاتے تھے۔ اور ان کاموں پر فخر کیا جاتا تھا۔

قمار بازی شرفا و امراء کا بہترین مشغلہ تھا۔ جا بجا قمار خانے کھلے ہوئے تھے۔
جن میں بڑے بڑے دولت مند شریک ہوتے تھے۔ اور بڑی بڑی رقمیں اور جائیدادیں ہارتے۔
جیتتے تھے۔

سود خواری نہایت معزز پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ نہایت بے دردی کے ساتھ۔ غریب مقروض کے
گلے پر چھری چلائی جاتی تھی۔ لونڈیوں کو ناچ گانا سکھا کر بازاروں میں بٹھلایا جاتا تھا۔ وہ
اپنی عزت فروشی کے ذریعے جو کچھ کماتی تھیں۔ وہ آقا کا حق تصور ہوتا تھا۔ اور اس آمدنی کے روپے
سے عظیم الشان دعوتیں ہوتی تھیں۔

دو قبیلوں کے درمیان جب جنگ چھڑ جاتی تھی۔ تو 25 / 25 تیس تیس سال تک جاری
رہتی تھی۔ ہزاروں خون ہو جاتے تھے۔ اس قسم کی لڑائیاں شعر و شاعری یا گھوڑ دوڑ وغیرہ
میں پیدا ہو جاتی تھیں۔

عورت کی حیثیت نہایت ہی ذلیل تھی۔ وہ کوئی حق نہ رکھتی تھی۔ مردوں کو اختیار تھا۔ جو
چاہیں سو کریں۔ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کریں۔ سوتیلی ماں سے نکاح جائز سمجھا جاتا تھا
لڑکیاں موجب ننگ و عار سمجھی جاتی تھیں۔ اگر کوئی خاص وجہ مانع نہ ہوتی تھی۔ تو لڑکی پیدا
ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔

خدا ہر قبیلہ اور ہر گھر کا جدا جدا[10] ہوتا تھا۔ لیکن ہبل۔ نائلہ لات و منات عظیم الشان
معبود سمجھے جاتے تھے۔ اور تمام لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔ دہریہ۔ بت پرستی۔ یہودی

عیسائی، مجوسی، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ دہریہ ساکسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کے قائل
نہیں تھے۔ بلکہ خدا سے بھی انکار کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ دنیا ہمیشہ سے آباد ہے۔ اور
ایسی ہی رہے گی۔ بت پرست بتوں کو پوجتے تھے۔ یہودیوں نے کعبے کے اندر حضرت
ابراہیم، اسمٰعیل کے نام کے بت رکھ چھوڑے تھے۔ ان کو ہی پوجتے تھے۔ عیسائی انہوں
نے بھی تین بت کعبہ میں رکھ چھوڑے تھے جن کی صبح شام پوجا کرتے تھے۔ مجوسی آگ کی
پوجا کرتے تھے۔

طریقِ عبادت

عبادت کا طریقہ نہایت شرمناک تھا۔ ان کو پوجنے والے برہنہ ہو کر بتوں کی پوجا کرتے
تھے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا۔ کہ لباس ہر قسم کے گناہوں سے آلودہ ہوتا تھا۔ صاحب روح البیان
لکھتے ہیں۔ کہ عرب کی جہالت کا یہ حال تھا۔ کہ کسی مسافرت میں چار پتھر راستے سے اٹھا
لیے تھے۔ تین پتھروں سے استنجا کر لیا۔ اور ایک کو خدا بنا لیا۔ تاریخ ابن اثیر میں ہے
کہ زمانہ جاہلیت میں۔ اہل عرب کی یہ حالت تھی۔ کہ جب کسی پتھر کو پوجتے پوجتے بہت
دن گزر جاتے۔ تو پھر سے نئے معبود کی تلاش کرتے۔ اور جب کوئی اچھا سا پتھر مل جاتا
تو پرانے معبودوں کو نکال دیتے تھے۔ اور نئے معبود کی پوجا کرنے لگتے تھے۔ غرضیکہ کہ تمام
گمراہیاں اور تاریکیاں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیل ہوئی تھیں۔ انسانیت
و شرافت اور تہذیب و تمدن کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا۔ خدائے واحد القہار کی
وحدانیت و منزلت دلوں سے محو ہو چکی تھی۔ بحر و بر انسانی خباثتوں سے تنگ آ گئے
تھے جب کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس قدر گمراہی پھیل چکی تھی۔ نورِ حقانیت باطل کی
تاریکیوں سے مانند پڑ گیا تھا۔ یکایک غیرتِ الٰہی جوش میں آ گئی۔ اور اللہ
تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے۔ ایک رہبرِ اعظم کو بھیجا۔ اور یہ آسمانِ نبوت کا سورج

۲۰/اپریل ۵۷۱ء کو نورِ الٰہی بن کر چمکا۔

رحمۃ العالمین نے جاء الحق وزھق الباطل کے عالمگیر اعلان کے ساتھ ظہور فرمایا۔
اور آپ نے دنیا میں تشریف لا کر ان تمام گمراہیوں اور خرابیوں کو دور کر دیا۔ جن کو
دنیا میں چھائے ہوئے مسلسل کئی صدیاں گزر چکی تھیں۔ آپ نے دنیا کو خالق ومالک
کے تعلقات بتلائے۔ عبودیت اور معبودیت کا فرق ظاہر کیا۔ اور پرستارانِ باطل کو
خدائے واحد القہار کے سامنے جھکا دیا۔

یاایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبینا ۔

ے جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند۔ اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

آمنہ پاک فرماتی ہیں کہ جب سرکار میرے شکم سے طلوعِ اجلال فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ سجدہ
میں پڑے ہیں۔ پھر ایک سفید ابر نے آکر آپکو ڈھانپ لیا۔ اور آپ میری نظروں سے غائب
ہوگئے۔ پھر پردہ ہٹا۔ تو میں کیا دیکھتی ہوں۔ کہ حضور ایک اونی سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے
ہیں۔ اور سبز ریشمی بچھونا بچھا ہے۔ اور گوہرِ ناب کی کنجیاں حضور کی مٹھی میں ہیں۔
اور ایک منادی پکار رہا ہے۔ کہ
نصرت کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں۔ اور نبوت کی کنجیاں سب پر محمد رسول اللہ نے قبضہ فرمایا
پھر ایک اور ابر نے آکر حضور کو ڈھانپ لیا۔ اور آپ میری نگاہ سے غائب ہوگئے۔
پھر روشن ہوئے تو کیا دیکھتی ہوں۔ کہ سبز ریشمی کا لپٹا ہوا کپڑا۔ حضور کی مٹھی میں ہے
اور کوئی اعلان کر رہا ہے۔ کہ واہ واہ ساری دنیا محمد رسول اللہ کی مٹھی میں آگئی۔
زمین وآسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے قبضے میں نہ آئی ہو۔

ے وہ ماہ عرب آج کعبہ میں چمکا
جو مالک ہے سارے عرب اور عجم کا۔

تذکارِ ولادت

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ اور نورِ نبوت درجہ بدرجہ منتقل ہوتا ہوا سیدنا عبد المطلب کی پیشانی اقدس میں جلوہ گر ہوا۔ حضرت عبد المطلب کی پیشانی چمکنے لگی۔ اور آپکے جسم سے مشک و عنبر کی خوشبو مہکنے لگی۔ جب اہل مکہ پر کوئی مصیبت و مشکل آتی۔ تو لوگ جمع ہو کر حضرت عبد المطلب کو پہاڑ پر لے جاتے۔ ان کے وسیلے سے دعا مانگتے۔ تو نورِ نبوی کی برکت سے مشکلیں آسان مصیبتیں دور اور قحط دفع ہو جاتا تھا۔

ابرہہ یمن مع اپنے لشکر جرار اور سفید ہاتھیوں کے خانہ کعبہ ڈھانے کے لئے آیا۔ اور قریش کے اونٹ ہنکا لے گیا۔ حضرت عبد المطلب پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ وہاں نورِ نبوی ان کی پیشانی میں مثل ہلال چمکا اور اس کی جہانگیر روشنی سے بیت اللہ جگمگا اٹھا۔ حضرت عبد المطلب نے ایک سفید ہاتھی کو طلب کیا۔ جب ہاتھی سامنے لایا گیا۔ اور اس کی نظر پیشانی عبد المطلب پر پڑی تو ہاتھی سجدہ میں گر گیا۔ اور پکار اٹھا۔ کہ اے عبد المطلب سلام ہو اس نورِ مقدس پر۔ جو تمہاری پیشانی میں چمک رہا ہے پس اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیجے۔ جو مسور کی دال کے برابر پتھر کنکریاں لا کے اور لشکر ابرہہ کو تہہ و بالا کر گئے۔ قرآنِ کریم میں اس واقعے بیان کیا گیا ہے۔

الم تر کیف فعل ربک باصحٰب الفیل ۔ اے محبوب کیا تم نے نہیں دیکھا۔ کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

سبحان اللہ لفظ الم تر یہ بتا رہا ہے۔ کہ نورِ مجسم دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی حالاتِ عالم کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔

> عالم میں کیا ہے جس کی تجھ کو خبر نہیں۔
> ذرہ ہے کونسا تیری جس پر نظر نہیں۔

ایک روز حضرت عبد المطلب آرام فرما رہے تھے۔ قسمت جاگی اور آپ نے خواب دیکھا۔ کہ ایک درخت سرسبز و شاداب زمین سے نمودار ہوا۔ اور طرفۃ العین میں اتنا بلند

ہوا۔ کہ اس کی شاخیں مشرق و مغرب میں پھیل گئیں۔ اور اس سے ایک نورِ عظیم چمکا کہ چاند و سورج سے ستر حصہ زیادہ روشن اور عرب و عجم کو اس کے حضور سجدہ کرتے دیکھا کاہنوں سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ تمہاری صلب سے وہ نیر رسالت بنوت طلوع ہوگا۔ کہ جس کی رسالت و بنوت، حکومت و شوکت، جاہ و منزلت کا ڈنکا عالم میں بجے گا۔ الغرض نور بنوت پیشانی عبدالمطلب سے حضرت عبداللہ میں جلوہ گر ہوا۔ حضرت عبداللہ حسن و جمال میں واحد تھے۔ نورِ محمدیؐ نے ان کی قسمت کو جگا دیا۔

حضرت عبداللہ بت خانے سے گزرتے تو بتوں سے آواز آتی۔ اے عبداللہ والد رسول اکرمؐ ہمارے قریب نہ آ۔ جو ہماری تباہی و بربادی کا سبب ہوگا۔ آپ جب جانوروں کا شکار کرنا چاہتے تو جانور آپکے پاس آجاتے۔ اور صاف کہتے اے عبداللہ تمہاری پیشانی میں جو نور نبوت چمک رہا ہے۔ ہم تو خود اس کے شکار ہیں۔ حضرت عبداللہ جب جب سوکھے درخت کے نیچے بیٹھ جاتے۔ وہ درخت ہرا ہو جاتا۔ خشک جنگلوں سے گزرتے۔ تو نورِ نبوی کی برکت سے وہ جنگل ہرا بھرا ہو جاتا۔

حضرت عبداللہ کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا۔ کہ قریشہ عورتیں آپ پر فریفتہ ہوگئیں راہ میں کھڑے ہوکر آپ کا انتظار کیا کرتیں۔ اور اپنے دام میں پھنسانے کی تدبیریں کرتیں۔ مگر اللہ نے ان کو نورِ نبوی کی برکت سے محفوظ رکھا۔ بعض لوگ اہل کتاب سے معلوم کر کے کہ پیغمبر آخر الزماں کا ظہور حضرت عبداللہ سے ہوگا۔ آپ کے دشمن ہوگئے۔ اور قتل کی تدبیریں سوچنے لگے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ جنگل میں تنہا تھے۔ دشمنوں نے گھیر لیا۔ قتل کا ارادہ کیا۔ کہ یکایک غیب سے چند سوار نمودار ہوئے۔ جنہوں نے دشمنوں کو فی النار کر دیا۔ اس واقعہ کو وہب زہری یعنی حضرت آمنہ کے والد دیکھ رہے تھے۔ اپنی بیوی سے کہا۔ کہ میں نے عبداللہ سے عجیب آثار دیکھے ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ اپنی بیٹی آمنہ کا نکاح عبداللہ سے کروں المختصر طرفین کی رضامندی سے نکاح ہوگیا۔

جس رات نور نبوی آپؐ کی والدہ کو ملا۔ اس رات ملکوت میں پکار دیا گیا۔ کہ عالم
کو انوار قدس سے روشن کر دیا جائے۔ رضوان کو حکم ہوا۔ کہ جنت کی آئینہ بندی کی
جائے۔ اور دروازے بہشت کھول دیئے جائیں۔ اور تمام عالم کو خوشبو سے معطر کر دیا جائے
حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ نور مجسمؐ کے حمل مبارک کی نشانیوں سے
یہ تھا۔ اس رات قریش کے تمام چوپائے نے کلام کیا۔ اور کہا۔ کہ رب کعبہ کی قسم
کہ نبوت کا سورج ماں کے پیٹ میں تشریف فرما ہو گیا۔ وہ تمام دنیا کے پناہ اور
جہاں کے سورج ہیں۔ ؎

تو ہے خورشید رسالت پیارے۔
چھپ گئے تیری ضیاء میں تارے۔
انبیاء اور ہیں سب مہ پارے۔
تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں۔

آمنہ پاک فرماتی ہیں۔ کہ مجھ کو کوئی آثار حمل معلوم نہ ہوئے۔ جب چھ مہینے
گزرے۔ تو کسی نے خواب میں کہا۔ تیرے حمل میں بہترین اولاد آدم جلوہ گر ہے
اسی طرح ہر ماہ انبیاء کرام کے مقدس گروہ آپ کی والدہ ماجدہ کو ظہور قدسی کی
بشارت سناتے رہے۔ جب ماہ ربیع الاول شروع ہوا۔ تو عالم انوار آسمان
سے منور ہو گیا۔ اور ساتویں رات سیدنا ابراہیم نے اور گیارویں رات ایک منادی
نے ندا کی۔ آمنہ تیرے بطن سے مولود کریمؐ کا ظہور ہو گا۔ ان کا نام محمدؐ رکھنا۔
جب آثار شروع ہوئے۔ میں تنہا تھی۔ ایک خوفناک آواز میں نے سنی جس
سے میں کانپ گئی۔ پھر ایک فرشتہ بشکل مرغ سفید آیا۔ جس نے اپنے پر میرے
سینے پر ملے خوف جاتا رہا۔ پھر ایک پیالہ شربت کا پایا۔ جس کو میں نے سیر
ہو کر پیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ عبدالمناف کی بیٹیاں میرے گرد کھڑی ہیں۔ میں حیران

ہو گئی۔ اتنے میں ان عورتوں میں سے ایک نے کہا۔ میں آسیہ فرعون کی عورت۔ اور
میں مریم بنت عمران ہوں۔ ہم سب بحکم خدا۔ جنت سے تمہاری خدمت کے لئے
آئی ہیں۔

اس رات انوار زمین آسمان تاباں اور ستارے۔ مائل بزمیں ہوئے۔ فارس
کا آتش کدہ سرد ہو گیا۔ نوشیرواں کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ فرشتے
زمین پر اترے۔ جبرائیل و اسرافیل حاضر ہوئے۔ ایک جھنڈا مشرق میں ایک
جھنڈا مغرب میں۔ ایک کعبہ کی چھت پر نصب کیا گیا۔ عرش وجد میں جھوم اٹھا۔ کعبہ
سجدہ میں گرا۔ روئے زمین کے بت اوندھے گر گئے۔ شیطانوں کے تخت الٹ
دیے گئے۔ کونین کے تاجدار کی آمد کا غلغلہ مچا۔ جہاں نور سے معمور ہوا۔ شب غم
نے بستر اٹھایا۔ اور 20 اپریل سنہ 571ء، 12 ربیع الاول کو صبح صادق کے
وقت صبح صادق نے طلوع فرمایا۔ مکہ مکرمہ کے اندر عبدالمطلب کے گھر عبداللہ کے
فرزند۔ خلیل اللہ کے نور نظر۔ کونین کے سردار۔ دارین کے تاجدار آمنہ کے لال نے
صحن عالم میں قدم رکھا۔ موجودات نے مرحبا کہا۔

—٥—

17 / 2 / 98

اخلاقِ نبوی

دنیا کے سارے مذہبوں کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ اور اس عرصہ ہستی میں جتنے مصلح تشریف لائے۔ سب نے پہلی تعلیم دی کہ سچ بولنا اچھا ہے۔ اور جھوٹ بولنا بُرا ہے۔ لیکن مذہب کے دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں بھی ہمارے نبی کریم کی بعثت ایک تکمیلی حیثیت رکھتی ہے۔ خود آپ نے ارشاد فرمایا

میں حُسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اپنی بعثت کے ساتھ ہی اس فرض کو انجام دینا شروع کر دیا۔ ابھی آپ مکہ ہی میں تھے کہ ابوذر نے اپنے بھائی کو آپ کے حالات و تعلقات کی تحقیق کے لئے بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر اپنے بھائی کو اطلاع دی کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اخلاق حسنہ کی تعلیم دے رہے ہیں۔

حبشہ کی ہجرت کے زمانہ میں نجاشی نے مسلمانوں کو بلوا کر آپ کی نسبت تحقیق کی اس وقت حضرت جعفر طیار نے جو تقریر کی۔ اس کے چند فقرے یہ ہیں۔

"اے بادشاہ ہم لوگ جاہل تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسائیوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ اسی اثنا میں ایک شخص (کریم) ہم میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تعلیم دی۔ کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ خونریزی سے باز آجائیں۔ یتیم کا مال نہ کھائیں۔ ہمسائیوں کو آرام دیں۔ سچی عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔

چنانچہ قرآن کریم نے لاکھوں مخالفوں اور اہلِ عناد کی بھیڑ میں ہمارے داعیٔ حق اور دنیا کے آخری معلمِ اخلاق کی نسبت یہ اعلان فرمایا۔ (اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم) محبوب تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

بے بناوٹ ادا پہ ہزاروں درود   بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام

حسن اخلاق

۱۔ حسن اخلاقِ حضور پُر نور سرورِ کائنات کی ایک ممتاز صفت تھی۔ حضرت عائشہ نے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ جو مدتوں خدمتِ نبوی میں رہے ہیں سب کا متفق

بیان ہے۔ کہ آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق تھے۔ چہرہ اقدس ہنس مکھ تھا۔ وقار و
متانت سے گفتگو فرماتے تھے۔ کسی کی خاطر شکنی نہ فرماتے تھے۔ ابو داؤد کی حدیث میں
ہے۔ کہ اکثر خدام خدمتِ اقدس میں پانی لے کر آتے۔ تاکہ آپ ہاتھ ڈال دیں۔ اور
پانی برکت والا ہو جائے۔ جاڑوں کا موسم اور صبح کا وقت ہوتا۔ مگر پھر بھی حضور انکار
نہ فرماتے تھے۔

حسنِ مُعاملہ

معاملہ کی صفائی اور دیانت یہ بھی تھی۔ کہ حضور کی ایک خاص صفت تھی۔
نبوت سے پہلے جن لوگوں کے ساتھ آپ کے تاجرانہ تعلقات تھے۔ انہوں نے ہمیشہ آپ کے
حسنِ معاملہ و دیانت کا اعتراف کیا ہے۔ نبوت کے اظہار کے بعد بھی قریش بغض و عداوت
کے جوش سے لبریز تھے۔ مگر پھر بھی حضور کا ہی دولت کدہ ان کے دولت سے لئے مقام امون
تھا۔ ایک دفعہ ایک بدّو آیا۔ جس کا کچھ قرض آپ پر آتا تھا۔ بدّو عموماً وحشی ہوتے ہیں
اس نے نہایت سختی سے گفتگو کی۔ صحابہ نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا۔ تجھے معلوم
ہے۔ تو کس سے ہمکلام ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ تم کو بدو کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ
اس کا حق ہے۔ پھر آپ نے صحابہ کو اس کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ)

عدل و انصاف

عدالت و صداقت حضور علیہ السلام کے خصائص عظمیٰ میں سے ہے۔ باوجودیکہ
آپ کو عرب کے سینکڑوں قبیلوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہ آپس میں دشمن ہوتے تھے۔
اگر ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن ہو جاتا۔ مگر سبحان اللہ ان عظیم مشکلات
اور پیچیدگیوں کے باوجود نبی کریم کے عدل و انصاف کا پلہ کسی طرف نہ جھکنے پایا۔ ایک
دفعہ ایک قریشی عورت نے چوری کی۔ قریش اپنی عزت و عظمت و خاندانی شرافت کی
بناء پر یہ چاہتے تھے۔ کہ یہ سزا سے بچ جائے۔ حضرت اسامہ بن زید نے خدمت نبی
میں سفارش کی۔ آپ کا چہرہ اقدس سرخ ہو گیا۔ فرمایا۔ تشفع فی حد من حدود اللہ

اسامہ۔ خدا کی مقرر کردہ حدود میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ نے خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا۔ کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے۔ کہ وہ غریبوں پر حد جاری کرتے تھے۔ اور امیروں سے درگزر کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

عدل و انصاف کا سب سے نازک پہلو وہ ہے۔ کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ نہ چھوٹنے پائے۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ گرد و پیش لوگوں کا ہجوم تھا۔ ایک شخص آ کر منہ کے بل آپ پر گر پڑا۔ دستِ اقدس میں ایک چھڑی تھی آپ نے اس چھڑی سے اس کو چوکا دیا۔ اس کے خراش آ گئی فرمایا مجھ سے انتقام لے لو یہ ہے حضور کا عدل و انصاف۔ (ابن ہشام)

جود و سخا

جود و سخا نبی کریم ؐ کی فطرت تھی۔ ابنِ عباس کی روایت ہے۔ کہ آپ سب سے زیادہ سخی تھے۔ خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا دیکھا۔ کہ آپ بکریوں کا ریوڑ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس نے درخواست کی۔ آپ نے تمام بکریاں اس کو عطا فرما دیں۔ اس نے اپنے قبیلے میں جا کر کہا۔ اسلام قبول کر لو۔ محمد ؐ ایسے فیاض ہیں۔ کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ نہیں کرتے۔ (بخاری شریف)

نبی کریم ؐ کا معمول تھا۔ کہ جو چیز آتی۔ جب تک خرچ نہ ہو جاتی۔ آپ کو چین نہ آتا بے قرار سی رہتی۔ حضرت ام سلمیٰ فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ سرکار مکان پر تشریف لائے چہرہ اقدس مغموم تھا۔ میں نے سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ کہ کل جو سات دینار آئے تھے۔ شام ہو گئی۔ مگر ابھی تک بستر پر پڑے ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل)

ایک بار عصر کی نماز کے بعد خلافِ معمول فوراً مکان تشریف لے گئے۔ اور پھر واپس تشریف لے آئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ تو فرمایا۔ نماز میں خیال آیا۔ کہ کچھ

ہو کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ خیال آیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے۔ اور وہ سونا رہ جائے۔ اس لیے گھر جا کر خیرات کر دینے کو کہہ آیا ہوں (بخاری شریف)

غزوہ حنین میں مال کثیر آیا۔ آپ اس کو تقسیم فرما کر واپس آ رہے تھے۔ کہ بدّؤں کو خبر معلوم ہوئی۔ دوڑ کر آئے۔ لپٹ گئے۔ کہ ہم کو بھی کچھ عطا فرمائیے۔ آپ ہجوم سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں ہو گئے۔ مگر بدّؤں نے ردائے اقدس تھام لی۔ بالآخر اس کشاکش میں جسم اطہر سے چادر مبارک ان کے ہاتھ آ گئی۔ فیاضِ عالم نے فرمایا۔ میری چادر مجھ کو دے دو۔ خدا کی قسم جنگل کے درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو میں تم کو دے دیتا۔ اور تم مجھ کو بخیل نہ پاتے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا۔
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا۔
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا۔
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا۔

ایثار :-

حضور ﷺ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا۔ وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپ کو بے انتہا محبت تھی سیّدہ فاطمہ زہرہ جب آتیں۔ تو آپ فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے۔ پیشانی چومتے۔ اپنی جگہ بٹھاتے۔ مگر اس کے باوجود ایثار کا یہ عالم تھا۔ کہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کوئی خادمہ نہ تھی۔ آپ خود چکی پیستیں۔ پانی بھرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں چھل گئی تھیں۔ مشک اٹھانے کے اثر سے شانہ پر نیل پڑ گئے تھے۔ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر آئیں۔ خود تو ادب کی وجہ سے عرض نہ کر سکیں۔ جناب امیر نے عرضِ حال کی۔ اور درخواست کی کہ غلام غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک مل جائے۔ فرمایا۔ ابھی تک اصحابِ صفّہ کا

نہیں ہوا۔ جب تک ان کا انتظام نہ ہو جائے۔ اور طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ (ابو داؤد)

اللہ اکبر۔ یہ تھا ہمارے نبی پاکؐ کا ایثار زہد و قناعت کہ باوجود اس کے مال و دولت آپ کے قدموں میں پڑا رہتا تھا۔ مگر اپنی ذات اور اپنی اولاد پر اس کو خرچ نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے چادر پیش کی۔ آپ نے قبول فرمالی۔ ایک شخص آئے۔ انہوں نے کہا۔ کیا اچھی چادر ہے۔ آپ نے اتار کر ان کو دے دی۔ اور مکان پر تشریف لے گئے۔ لوگوں نے کہا۔ تم جانتے ہو۔ آپ کو چادر کی ضرورت تھی۔ پھر بھی جانتے ہو کہ سرکار کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ انہوں نے کہا۔ مگر میں نے تو اس لئے چادر لی ہے۔ تاکہ اس میں کفن دیا جاؤں اور برکت حاصل کروں۔ بخاری

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ ایثار رنبوی کا یہ عالم تھا۔ کہ آپ نے کبھی تین روز تک متواتر سیر ہو کر گیہوں کی روٹی تناول نہ فرمائی۔

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا۔
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام۔

شرم و حیا

صحاح میں ہے۔ کہ آپ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔ شرم و حیا کا اثر آپ کی ایک ایک مقدس و دلنواز ادا سے ظاہر ہوتا تھا۔ آپ نے کبھی کسی سے بدزبانی نہیں کی۔ بازار میں تشریف لے جاتے۔ تو چپ چاپ گزر جاتے۔ تبسم کے سوا لب مبارک خندہ و قہقہہ سے بہت کم آشنا ہوتے تھے۔

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود ۔ اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

غریب پروری: نبی کریمؐ غریبوں محتاجوں کی دستگیری فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن اوفیٰ فرماتے ہیں۔ بیوہ مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں آپ کو عار نہ تھا

خلق کے دادرس سب کے فریاد رس ۔ کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

ایک دفعہ آپ نماز کے لئے تیار ہوئے۔ ایک بدو آیا۔ دامنِ اقدس تھام کے بولا۔ میرا
ذرا سا کام رہ گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بھول جاؤں۔ پہلے اسے کر دیجیے۔ حضور نبی پاک ﷺ
اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس کا کام سرانجام فرما کر، پھر نماز ادا فرمائی۔ الغرض
غریب پروری، بیکس نوازی یہ سرکار کے اعظم اخلاق میں سے تھا۔ اور درِ دولت پر سائلوں
کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ اور آپکی یہ شان تھی کہ

؎ آتا ہے غریبوں پہ انہیں پیار کچھ ایسا۔ خود بھوک دیں اور خود کسی منگتے کا بھلا ہو

عزم و استقلال: عزم راسخ و یقین محکم آپ میں بدرجہ اکمل موجود تھا
چنانچہ اسلام کا ایک ایک کارنامہ سید عالم کے عزم و استقلال کا مظہر اتم ہے۔ عرب کے
کفرستان میں نبی کریم تن تنہا دعوتِ حق بلند کرتے ہیں۔ ریگستان کا ذرہ ذرہ مخالفت
میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے۔ لیکن وقارِ نبوت و عزم رسالت سے ٹکرا کر پیچھے ہٹ
جاتا ہے۔ اور مخالفین کی تمام شورشیں پاش پاش ہو جاتی ہیں

؎ کڑک تھی وہ بجلی کی یا صوتِ ہادی۔ عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ایک مرتبہ صحابہ نے کفار کی ایذا رسانی سے تنگ آکر عرض کیا۔ سرکار ہمارے لئے
دعا کیوں نہیں فرماتے۔ یہ سن کر چہرہ اقدس سرخ ہو گیا۔ فرمایا۔ تم سے پہلے جو لوگ تھے۔
ان کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔ اور ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں
چلائی جاتی تھیں۔ لیکن یہ آزمائش بھی انہیں مذہب سے برگشتہ نہ کر سکی۔ قسم بخدا
اسلام اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ کر رہے گا یہاں تک کہ صنعا سے حضر موت تک ایک
سوار بے خطر چلا آئے گا۔ اور اس کو خدا کے سوا کبھی کسی کا خوف نہ ہوگا (بخاری)
مکہ میں رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے۔ تو انہوں
نے حضور کے سامنے حکومت کا تخت زر و جواہر کا خزانہ حسن کی دولت پیش کی۔
ان میں ہر ایک چیز بڑے سے بڑے پارساؤں کے قدم ڈگمگا دینے کے لئے کافی تھی

لیکن آپ نے نہایت ذلت کے ساتھ ان کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا۔ بالآخر آخری مونس وہمدم ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا۔ تو یہ غور وفکر کا آخری لمحہ اور عزم واستقلال کا آخری امتحان تھا۔ اس وقت آپ نے جواب میں جو کلمات فرمائے۔ عالم کائنات میں ثبات وپامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقہ تعبیر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ چچا۔ اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں۔ تب بھی میں اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا۔ (ابن ہشام)

بدر ( ) میں جب تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمان۔ کفار کی ایک ہزار باسازوسامان فوج سے معرکہ آرا تھے۔ قریش اپنے زور کثرت وصولت سے بپھر آئے تھے۔ اس وقت صحابہ کرام سمٹ سمٹ کر پہلوئے نبوی میں آجاتے تھے۔ مگر یہاں پیکر رسالت ونبوت کا کوہِ وقار اپنی جگہ قائم تھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

غزوہ احد ( ) میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب نے حملہ کی رائے دی لیکن جب آپ زرہ پہن کر تیار ہوئے۔ تو صحابہ نے رک جانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ پیغمبر زرہ پہن کر اتارا نہیں کرتے۔ (بخاری)

غزوہ حنین ( ) میں جب کفار کے لشکر جرار تیروں کی بوچھار کر رہے تھے۔ تو اکثر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے۔ مگر حضور علیہ السلام کے عزم وثبات کا یہ عالم تھا۔ کہ آپ اس انتہائی نازک اور خطرناک موقع پر بھی چند جان نثاروں کے ہمراہ میدان میں جمے رہے۔ اس وقت زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔

اِنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب اِنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب = میں نبی صادق ہوں۔ میں فرزند عبدالمطلب ہوں

وہ جس کو بار دو عالم کی پرواہ نہیں۔ ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام۔

شجاعت:- حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام سب سے زیادہ شجاع تھے۔
ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا۔ کہ دشمن آ گئے۔ لوگوں نے مقابلہ کی تیاری کی۔ مگر سب سے پہلے
جو ذات کریم آگے بڑھی۔ وہ حضور ہی تھے۔ آپ جلدی میں گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہوئے
تمام خطروں کے مقامات کا گشت لگایا، اور واپس آ کر لوگوں کو اطمینان دلایا۔ کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔
یہ وہ ذات ہے جس کے آگے بھی گردنیں جھک گئیں۔ اسی خداداد شوکت سے لاکھوں مسلم۔

ایفائے عہد:- یہ نبی کریم علیہ السلام کی ایسی خصوصیت تھی۔ کہ دشمن بھی اس کا
اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ قیصر روم نے حضرت ابوسفیان سے اپنے دربار میں جو سوالات
کیے۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ کہ کیا کبھی محمدؐ نے بدعہدی بھی کی ہے۔ ابوسفیان نے
جواب دیا نہیں۔ قیصر روم نے کہا۔ میں نے تم سے پوچھا۔ کہ وہ کبھی کذب کے مرتکب ہوئے
تم نے کہا نہیں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتے۔ تو آدمیوں پر افترا
باندھنے سے کب باز رہتے۔ (بخاری)

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کہ ایک آدمی نے آپ سے کچھ معاملہ کیا۔ اور آپ کو
بٹھا کر چلے گئے۔ کہ آ کر حساب صاف کر دیتا ہوں۔ اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا۔ تین دن
کے بعد آئے تو دیکھا۔ نبی کریم۔ اسی جگہ تشریف رکھتے ہیں۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ کہ میں
تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ (ابو داود)

رحم و رافت:- دشمنوں کے حق میں دعا کرنا۔ انسان کی فطری عادت ہے۔ مگر
نبی کریم کے رحمت و رافت کا یہ عالم تھا۔ کہ آپ دشمنانِ جان کو بھی دعائے خیر سے یاد فرماتے
تھے۔ جنگِ احد میں دشمنوں نے پتھر پھینکے تیر برسائے۔ تلواریں چلائیں۔ دندان مبارک شہید
ہو گئے۔ لیکن ان سب حملوں کا وار رحمتِ عالم نے جس سپر پر روکا۔ وہ یہ دعا تھی۔
اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ اے اللہ ان کو ہدایت نصیب فرما یہ نادان ہیں
یہ ہیں دعائیں سنگدل دشمن کے عوض۔ اس قدر نرم ایسے پتھر کا جواب۔

وہ طائف جس نے دعوتِ اسلام کا جواب تمسخر سے دیا تھا۔ وہ طائف جس نے پائے اقدس کو لہولہان کیا تھا۔ ان کی نسبت فرشتہ غیب عرض کرتا ہے۔ حضور حکم ہو تو پہاڑ الٹ دوں۔ رحمت عالم نے فرمایا نہیں۔ دس بارہ سال کے بعد یہی طائف دعوت اسلام کا جواب تفنگ سے دیتا ہے۔ جانثاروں کی لاشوں پر لاشیں گر رہی ہیں۔ صحابہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ۔ ان کے حق میں بددعا کریں۔ صرف حضور کی زبان مبارک کے حرکت میں آنے کی دیر ہے۔ کہ یہ خاک و خون میں مل جائیں گے۔ مگر رحمتِ دو عالم دعا مانگتے ہیں۔ کہ

الہی فضل کر کہسارِ طائف کے مکینوں پر۔

الہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر۔

راست گفتاری:۔ راست گفتاری آپ کی ایک ایسی صفت تھی۔ جس کا وجود ذات اقدس سے کبھی منفک نہ ہوا۔ آپ کی راست بازی۔ اور سچائی امانت اور دیانت کا مخالفین کو بھی اعتراف تھا۔ نبوت سے پہلے بھی (امین) کہلاتے تھے۔ اس وقت بھی لوگ آپ کی خدمت میں آ کر اپنے جھگڑے فیصل کراتے۔ اور اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ آپ کی راست گوئی سے ابوجہل جیسے سخت دشمن کو بھی انکار نہ تھا۔ غزوہ بدر میں اخنس بن شریق نے ابوجہل سے پوچھا۔ کہ اے ابی الحکم۔ یہاں ہم تم دونوں ایک دوسرے کے راز دار ہیں۔ سچ بتلاؤ۔ کہ (محمدؐ) سچ بولتے ہیں۔ یا جھوٹ بولتے ہیں۔ ابوجہل نے کہا۔ اے ابن شریق۔ محمدؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جب نبی پاک کو پیشگاہ الہی سے اپنے اہل خاندان کو دعوت اسلام دینے کا حکم آیا۔ تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا۔ یا معشر قریش۔ جب سب جمع ہو گئے۔ تو فرمایا۔ اگر میں تم کو خبر دوں۔ کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر آ رہا ہے۔ تم کو یقین آئے گا۔ سب نے کہا۔ ہاں کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

(بخاری شریف)

عفو و حلم :- ارباب سیر نے تصریح کی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے کبھی ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ ذوالمجاز کے بازار میں جب حضور علیہ السلام پکارتے رہے تھے۔ کہ لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو۔ نجات پاؤ گے۔ ابو جہل پیچھے پیچھے تھا۔ خاک اڑاتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ ان کی باتیں نہ سنیں، اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں۔ یہ چاہتے ہیں۔ کہ تم اپنے خداؤں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔ مگر نبی علیہ السلام کا یہ عفو و حلم اور بردباری تھی۔ کہ آپ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ (مسند ابن احمد)

سب سے بڑھ کر ضبط کا موقع وہ تھا۔ جب کہ منافقوں نے حضرت عائشہؓ کو تہمت لگائی تھی۔ حکومت و ریاست حضور کے قبضہ قدرت میں تھی۔ اگر آپ چاہتے تو منافقوں کو قرار واقعی سزا دیتے۔ مگر حلم نبوی کا یہ عالم تھا۔ کہ منبر پر صرف یہ کلمات فرمائے۔ اے مسلمانو جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھے ستاتا ہے۔ اس سے میری داد کون دے سکتا ہے۔ حضرت سعد بن معاذؓ غصہ سے بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ عرض کی سرکار نام بتائیں۔ میں اس کا سر قلم کردوں۔ سعد بن عبادہ نے مخالفت کی۔ اور دونوں طرف سے تلواریں کھنچ گئیں۔ مگر آپ نے ازراہِ عفو و حلم دونوں کو ٹھنڈا کر دیا۔

زید بن سعنہ یہودی وقت گزرنے سے پہلے قرضہ مانگنے آگیا۔ اور بڑی گستاخی کے ساتھ حضور کی چادر اقدس کو کھینچ کر کہنے لگا۔ عبدالمطلب کے خاندان والو۔ تم ہمیشہ ایسے حیلے کرتے ہو۔ حضرت عمر غصے سے بے تاب ہو گئے۔ اور فرمایا۔ او دشمن خدا۔ رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ مگر نبی کریم مسکرا دیئے۔ اور فرمایا۔ اس کا قرضہ ادا کر کے بیس صاع اور زیادہ دے دو۔

عفو و درگذر :- انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب اور نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم عفو و درگذر ہے۔ مگر رحمۃ للعالمین کی ذاتِ اقدس میں یہ چیز فراواں ہے۔ جن لوگوں نے آپ پر ظلم و ستم کیے تھے۔ ان سے بھی آپ نے

انتقام نہیں لیا۔ عتبہ بن ابی وقاص نے غزوہ اُحد میں آپ پر پتھر برسائے۔ جس سے
آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ اور آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا۔ لوگوں نے عرض کی
کہ آپ ان کے لئے بددعا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ میں بددعا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا
ہوں بلکہ میں تو رحمت و رافت کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔

کفارِ مکہ جنہوں نے تیرہ سال تک آپ کو اور آپ کے صحابہ کو سخت ایذائیں
اور تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ عبادت کرتے ہوئے۔ آپ پر غلاظتیں پھینکیں۔ ہر قسم کی گستاخیاں
کیں۔ آپ کے صحابہ پر انواع و اقسام کے ظلم و ستم کیے۔ آپ کو وطن سے بے وطن کر دیا تھا۔
جب مکہ فتح ہوا۔ تو وہ لوگ آپ کے سامنے لائے گئے۔ اس وقت ان کو کامل یقین تھا کہ
آج ہماری تمام بدسلوکیوں، شرارتوں اور ہمارے ظلم و ستم کا پورا پورا بدلہ لیا جائے گا
آنحضرتؐ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ کہ اب میں تمہارے ساتھ
کیا کروں گا۔ سب نے گردنیں جھکا کر دبی زبان سے کہا۔ آپ رحم و کرم فرمائیں گے۔
رحمۃ العالمین نے فرمایا۔ اے اہلِ مکہ۔ میں تم سے کوئی بدلہ لینا نہیں چاہتا۔ جاؤ تم سب
لوگ آزاد ہو۔ تم پر کچھ ملامت نہیں۔ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔
اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے۔ وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

زہد و قناعت:۔ زہد و قناعت کا ایک مفہوم یہ لیا جا رہا ہے۔ کہ انسان کے پاس
کھانے کو نہ ہو۔ پھر بھی فقر و فاقہ و تنگدستی کے ساتھ مجبوراً زندگی گزارے۔ مگر نبی پاکؐ
کے زہد و قناعت کو اس باب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور آپ کا زہد اور اعراض عن الدنیا۔
اختیاری چیز تھی۔ مجبوری کو اس میں قطعاً دخل نہ تھا۔ بخاری باب الجہاد میں ہے۔ کہ
بوقتِ وصال آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس ساٹھ صاع میں گروی تھی۔ جن مبارک و مقدس
کپڑوں میں آپ نے وصال فرمایا۔ ان میں اوپر تلے۔ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اکثر موٹے اور بکری کے
بال کے بنے ہوئے کپڑے۔ استعمال فرماتے تھے۔ بستر اقدس کمبل کا تھا۔ کبھی چمڑے کا

جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (بخاری)

اور یہ وہ زمانہ نہ تھا۔ جبکہ تمام عرب آپ کے زیرِ نگین تھا۔ اور حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا تھا۔ اور سر زمین مدینہ میں سیم و زر کا سیلاب آ چکا تھا۔ مگر اس کے باوجود سادگی و زخرفاتِ دنیوی سے بیزاری کا یہ عالم تھا۔ کہ حضرت حفصہ فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے شب کو بسترِ مبارک چار تہہ کر کے بچھایا۔ کہ ذرا نرم ہو جائے۔ مگر صبح کو بیدار ہو کر آپ نے ناگواری ظاہر فرمائی۔ (شمائل ترمذی)

دربارِ نبوت:- دربارِ نبوت بھی بادشاہوں کی طرح کا نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود نبوت کا جلال۔ اس شان کا تھا۔ کہ ہر شخص پیکرِ تصویر نظر آتا تھا۔ صحابہ فرماتے ہیں ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہمارے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں۔ کہ ذرا حرکت کی۔ اور وہ اڑ جائیں اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ نے نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسی بنا پر۔ اچھے اور قیمتی کپڑے بھی استعمال فرمائے ہیں۔ مگر طبعِ اقدس کا اصلی میلان زخارفِ دنیویہ سے اجتناب تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کبھی سرکار کے لئے کپڑا طے کر کے نہیں رکھا گیا۔ آپ اور آپ کے اہل و عیال متواتر کئی کئی رات کچھ نہ تناول فرماتے تھے۔ پیہم دو مہینہ تک گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ ایک مرتبہ صحابہ نے حضورِ نبوی میں فاقہ کشی کی شکایت کی۔ اور پیٹ کھول دیا کہ پتھر بندھا ہوا ہے۔ اور آپ نے اپنا شکم المبارک کھولا تو ایک کی بجائے دو پتھر تھے۔ (مسلم)

قدموں پر ڈھیر اشرفیوں کا پڑا ہوا۔
اور سات دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا۔

الفرض۔ نبی کریم ﷺ کا کئی کئی دن کچھ تناول نہ فرمانا۔ اور آپ کے اہل و عیال کا بھوکے رہنے۔ اوقات گزارنا اختیاری فعل تھا۔ ورنہ حضور چاہتے تو زمین سونا۔ اور آسمان ہیروں اور جواہرات کا مینہ برسا دیتا۔ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

اے عائشہ اگر میں چاہوں۔ تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔ (بخاری)

اللہ اکبر شہنشاہ کونین ہیں ہفت اقلیم کی حکومت قدموں میں ہے۔ کارخانہ الہٰیہ کی باگ دوڑ دستِ اقدس میں ہے۔ مگر زہد وقناعت، تواضع وانکسار، اور دنیا سے اس قدر بے رغبتی کہ۔

کبھی تھوڑی کھجوریں کھانا
پانی پی کر رہ جانا۔
دو دو مہینے یونہی گزارہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔

قبضہ میں جن کے سارے خزانے۔ اس کا بچھونا ایک چٹائی۔
نظروں میں کونین ہیچ ہے دنیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔
کھانا جو دیکھو جو کی سوکھی
بے چھنا آٹا روٹی بھی موٹی۔
وہ بھی شکم بھر سیر نہ کھانا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (احمد رضا)

بچوں پر شفقت

شہنشاہ کونین بچوں پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ سفر سے جب تشریف لاتے تو راہ جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے بٹھا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ خالد بن ولید اپنی چھوٹی لڑکی کو خدمتِ اقدس میں لائے۔ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلتے ہیں۔ حضور کی پشت مبارک پر مہر نبوت تھی۔ ان کی نظر جو پڑی۔ تو مہرِ نبوت سے کھیلنے لگی۔ ان کے والد خالد نے ڈانٹا۔ آپ نے فرمایا کھیلنے دو۔ (بخاری)

مستورات کے ساتھ برتاؤ

عورت چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہے۔ اس لئے کسی نامور کے ذخیرہ اخلاق میں یہ نظر نہیں آتا۔ کہ اس کا طریق معاشرت عورتوں کے ساتھ کیا تھا۔ مگر حضور رسالتِ مآب ہی کے وہ پہلے نقش ہیں۔ جنہوں نے عورت کی دادرسی فرمائی۔ اور ان کو عزت ومنزلت کے دوبارہ

جگہ دی۔ چنانچہ مستورات کے ساتھ رحمت دو عالم ؐ کی معاشرت نہایت ہی رحم و رافت
پر مشتمل تھی۔ ایک دفعہ بہت سی قرابت دار بیبیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ باتیں کر رہی تھیں
کہ اچانک حضرت عمرؓ آ گئے۔ سب عورتیں پردہ میں چھپ گئیں۔ حضورؐ مسکرا دیئے۔
حضرت عمرؓ نے سبب مسکراہٹ پوچھا۔ فرمایا۔ مجھے تعجب ہوا۔ کہ تمہاری آواز سن
کر یہ آڑ میں چلی گئیں۔ پھر عمرؓ نے عورتوں سے فرمایا۔ اپنی جان کی دشمنو۔ مجھ سے
ڈرتی ہو۔ حضورؐ سے نہیں ڈرتیں۔ سب عورتوں نے کہا۔ تم حضورؐ کی نسبت سخت مزاج
ہو۔ اس لئے ڈرتی ہیں۔ (بخاری)

رحمت عامہ: حضور نبی کریم ؐ کی ذاتِ اقدس عالم کے لئے رحمت تھی۔
اس لئے آپ کے ذخیرہ اخلاق میں رحمت و رافت کے دریا جوش مارتے ہوئے نظر آتے
ہیں۔ عادت کریمہ تھی۔ کہ کسی کے لیے بددعا نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک آدمی
نے عرض کی۔ سرکار فلاں کے لئے بددعا کریں۔ آپکا چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ فرمایا میں
لعنت کے لئے نہیں رحمت کے لئے آیا ہوں۔

خلق کے دادرس سب کے فریاد رس
کہفِ روزِ مصیبت پہ لاکھوں سلام

18 / 2 / 98

حلیہ اقدس

وہ حُسن ہے ٹھہرنا نظر کا محال ہے
دیکھے رُخِ کیسے تاب مجال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریمؐ کو اپنی ذات وصفات کا مظہر اتم۔ حقیقت ومعرفت کے تمام ظاہری وباطنی کمالات کا مخزن بنایا تھا۔ اور آپ کو وہ حسن وجمال عطا فرمایا۔ جسے دیکھ کر نظریں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ اور جس کا مشاہدہ کر کے زبان کو عالم حیرت میں کہنا پڑا۔

(ایسا حسین وجمیل تو نہ ان سے پہلے دیکھا۔ اور نہ ان سے بعد۔

حضورؐ فرماتے ہیں۔ یُوْسُفُ اَخِی صَبِیْحٌ وَاَنَا مَلِیْحٌ۔ یوسف میرے بھائی حسین تھے اور میں نمکین حُسن والا ہوں۔

علماء اُمت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ کہ سیدنا یوسفؑ کو حُسن کا ایک حصہ ملا تھا۔ اور حضور علیہ السلام کو کمل حُسن۔ اس لئے آپ حُسنِ مطلق۔ اور حُسنِ کُل تھے۔ اور دنیا بھر کے حسین حُسنِ محمدی کی ایک جھلک ہیں ۔

جمالِ روئے تراہر کہ دید حیران شد
چہ صورتیست ترا اللہ الا اللہ =

حسن نبوتؐ:۔ سرکارِ دوعالم کے حسنِ بے مثال کا یہ عالم تھا۔ کہ صحابہ کرام یہ جملے اپنی زبان پر لایا کرتے تھے۔ ہم نے حضورؐ سے خوبصورت کسی کو نہ دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ تمہارے نبیؐ۔ خوبصورت چہرے والے۔ عمدہ حسب والے نفیس آواز والے تھے۔

حضرت کعب بن مالک کہتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام پر جب مسرت وخوشی کے آثار طاری ہوتے تو آپ کا چہرہ اقدس ایسا روشن ہو جاتا۔ کَاَنَّہٗ قِطْعَۃُ قَمَرٍ گویا کہ چاند کا ٹکڑا ہے۔

حضرت ربیع بنت معوذ کہتی ہیں۔ کہ اگر تم حضور نور مجسم کو دیکھتے۔ تو ایسا معلوم کرتے جیسے۔ اَلشَّمْسُ طَالِعَۃٌ افق سے سورج طلوع کر رہا ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں۔ کہ آپ کا چہرہ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ مُسْتَدِیْرًا = چاند اور سورج کی طرح

گول [illegible]

چہرہ اقدس:۔ حضور علیہ السلام کا چہرہ اقدس گولائی کے ساتھ کسی قدر طویل تھا۔ رونقِ حسن کا یہ عالم تھا۔ کہ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ چودھویں کا چاند طلوع کر رہا ہے۔ خوشی و مسرت کے وقت چہرہ مبارک میں آئینہ کی طرح اشیاء کے عکس نظر آتے تھے۔ رنگ گورا چٹا سفید تھا۔ جس میں سُرخی تھی۔ اور سنہری شعاعیں نکلتی تھیں۔ آپ کا چہرہ اقدس اتنا روشن و منور تھا۔ کہ چاند اور سورج کی روشنی اس کے سامنے ماند تھی۔ چہرہ مصطفےٰ۔ جلال و جمال ایزدی کا مظہر تھا۔ اور اس میں وہ ملاحت تھی جس کی تعریف و توصیف سے زبان عاجز اور قلم مجبور ہے۔ خود صحابہ کرامؓ حیران تھے۔ کہ آپ کے چہرہ مبارک کے حسن و جمال کو کس طرح بیان کریں۔ اور کس چیز کے ساتھ تشبیہ دیں۔ ایک چاند پر نظر پڑی سورج کو دیکھا۔ کہ بہت خوبصورت اور روشن ہے۔ کہہ دیا۔ کہ آپ کا چہرہ مبارک چاند کی طرح روشن تھا۔ مگر یہ تشبیہ صرف تشبیہ تھی ورنہ ؎

میں وہ شاعر نہیں۔ جو چاند کہوں انکے چہرہ کو۔
میں ان کے نقشِ پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ چہرہ نبوی کے حسن کا یہ عالم تھا۔
كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ ! گویا کہ سورج آپ کے چہرہ میں جاری ہے۔
اِذَا ضَحِكَ يَتَلَالَؤُ فِي الْجُدُرِ ۔ جب آپ تبسم فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں
حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا چہرہ مبارک۔ چاند سورج کی طرح روشن و منور اور گول تھا۔ ؎

چودھویں کا چاند ہے روئے حبیب
اور ہلال عید ابروئے حبیب

حضرت ابی وقاصہ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم حضور سے بیعت کر کے واپس ہوئے۔ تو راستہ میں۔ میری والدہ نے آپ کے متعلق کہا۔ کہ میں نے آپ سے زیادہ حسین چہرہ

والا نفیس اور پاک کپڑوں والا نہ دیکھا۔ اور میں نے دیکھا کہ دہن مبارک سے نور کا فوارہ جاری ہے۔

چاند سورج اور ستارے روشن ہیں منور ہیں۔ ایک جہان کو روشن کر رہے ہیں۔ مگر رُخِ مصطفیٰ کے سامنے۔ سورج چاند ستارے۔ ماند ہیں۔

جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے
ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی نے خوب فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ یہ چاند ستارے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ ان کا نور ان کی چمک دمک اپنی ذاتی ہے حاشا۔ سید المرسلین نورِ مجسم نے جب غسل فرمایا۔ اور آپ کے تلوؤں کا جو دھون بچا۔ چاند اور ستاروں نے اپنی کٹوروں کو اس نوری غسالہ سے بھر لیا۔ بس پھر کیا تھا روشن و منور ہوگئے۔ فرماتے ہیں۔

وہیں تو اب تک چھلک رہا ہے۔
وہیں تو جوبن ٹپک رہا ہے۔
نہانے میں جو گرا تھا دھون
کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور کو اس وقت دیکھا۔ جبکہ چودھویں کا چاند۔ اپنی پوری چمک اور دمک کے ساتھ نکلا ہوا۔ اُفقِ عالم کو روشن و منور کر رہا ہے۔ اور مدنی تاجدار سُرخ رنگ کا دھاری دار جبہ مبارک زیبِ تن فرمائے تھے۔ تو میں نے ایک نظر مدنی چاند پر۔ اور ایک نظر آسمانی چاند پر ڈالی۔ اور دونوں کا موازنہ کیا۔ کہ کون زیادہ خوبصورت ہے۔ تو فرماتے ہیں۔ تو مجھے یقین ہوگیا۔ کہ حضور محبوبِ کبریا۔ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ چاند میں کمی تھا۔ حضور کمی سے پاک تھے۔

کمی سے کس درجہ ستھرا ہے۔ وہ پتلا نور کا۔
ہے گہن میں آنچ تنگ کو راس کرتا نور کا۔

نوری شمعیں:- امام ابو نعیم حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن علیہ السلام سے حضورؐ کو بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت حسن علیہ السلام حضور کی خدمت میں تھے۔ رات ہوگئی۔ تاریکی چھا گئی۔ حضور نے فرمایا۔ حسن جاؤ اپنی والدہ کے پاس۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی سرکار انہیں میں پہنچا آؤں فرمایا نہیں۔ اتنے میں آسمان سے ایک روشنی پیدا ہوئی۔ اور روشنی میں حضرت حسن اپنی والدہ تک پہنچ گئے

دنیا کے بادشاہ بجلی کے بلب جلا کر روشنی کرتے ہیں۔ اور وہ بجلی کے محتاج ہیں۔ مگر حضور سید المرسلینؐ کی نرالی شان ہے۔ یہاں ان مادی شمعوں کی ضرورت ہے۔ نہ کسی برقی قوت کی۔ یہاں تو قدرت انتظام کرتی ہے۔ اور آپ کے فرزندوں کے لیے۔ قدرتی نورانی شمعیں روشن ہو جاتی ہیں۔

صحابہ کی لاٹھیاں:- امام ابو نعیم ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ اندھیری رات میں جب صحابہ کرام خدمتِ نبوی سے اپنے گھروں کو جاتے۔ تو صحابہ کی لاٹھیاں شمع بن جایا کرتی تھیں۔ اور ان کی روشنی میں صحابہ تاریک راستوں طے کرتے تھے۔ ایک صحابی ابو سعید خدری کہتے ہیں۔

اندھیری رات میں جب حضور مسجد کی طرف تشریف لے جاتے۔ تو آسمان سے چمک پیدا ہوتی۔ اور اس کی روشنی میں راستہ صاف نظر آنے لگتا۔

یہ تو ظاہر ہی ہے۔ کہ حضور نبی کریمؐ کا جسم منور اور آپکا چہرۂ اقدس اس قدر روشن و منور تھا۔ جیسے آفتاب طلوع کر رہا ہے۔ آپ کے جسم مبارک کی چمک دمک سے دیواریں روشن ہو جاتی تھیں۔ آپ کے تبسم کے وقت دندانِ مبارک سے وہ نور ابھرتا تھا۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضہ اس روشنی میں اپنی گم شدہ سوئی تلاش کر لیتی تھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ

گویا کہ آفتاب چہرہ اقدس میں رواں ہے۔ حجۃ العالمین ص 679

اس لئے ان شمعوں کا روشن ہونا۔ اور آسمان سے چمک کا پیدا ہونا حرف اعزاز و اکرام مصطفیٰ علیہ السلام کے لئے تھا ہے

جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے۔ ان ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام

حضور کے رخسار منورہ بھی پرانوار تھے۔ صفحہ رخسار پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا۔ ایک صحابی وصف رخسار ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

گویا کہ صفحہ رخسار پر سونے کا پانی جھلک رہا ہے۔ آپ نکیں حسن۔ اچھی آواز والے تھے۔ اور بے مثل نے آپ کے ہر عضو کو بے مثل بنایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود آپ کی تصویر کو سنوارا تھا ہے

حضور ؐ کے دندان مبارک موتیوں کی طرح سفید چمکدار تھے۔ حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں۔ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ؐ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ: حضور علیہ السلام جب کلام کرتے تو آپ کی دانتوں کی کشادگی سے ایک نور چھنتا تھا۔ (ترمذی) ہے

بے مثلِ حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو۔
نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی ترا ہم پایا پایا۔

حضور ؑ کے لب مبارک نہایت خوبصورت تھے۔ مواہب لدنیہ میں ہے۔ کہ حضور کے لب مبارک۔

اَحْسَنُ عِبَادِ اللّٰهِ شَفَتَيْنِ: اللہ کے تمام بندوں سے اچھے ہیں۔

عادت کریمہ تھی۔ کہ لب و دہان خوب کھول فصاحت و فصاحت سے گفتگو فرماتے تھے صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ جب آپ کے مبارک جنبش میں آتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ منہ سے نور برس رہا ہے۔ لب مبارک سے جو کلمات برآمد ہوتے ان میں تعامت

وبلاغت اور شیرینی ہوتی تھی۔ لب ہائے مبارک کی۔ ایک جنبش سے سینکڑوں مردہ دل زندہ ہو جاتے تھے۔ اور جان کے دشمن خون کے پیاسے۔ غلام بن جاتے تھے۔

ترمذی شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہ، سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ میں بیمار ہو گیا۔ اور شدتِ مرض میں یہ دعا کر رہا تھا۔ کہ الٰہی۔ اگر وقت آگیا ہے۔ تو موت دے دے۔ اگر زندگی باقی ہے۔ تو تندرستی کے ساتھ۔ زندگی میں وسعت دے۔ میرے یہ کلمات حضور نے سن لیئے۔ اور ٹھوکر ماری۔ اور فرمایا۔ الٰہی ان کو عافیت دے یا شفا دے۔ پھر اس کے بعد مجھے اس مرض کی کبھی شکایت نہ ہوئی۔ (ترمذی)
نبی کریم؟ لبِ جان بخش کے ہلاتے ہی شفا ہو گئی۔ اور ٹھوکر سے بیمار کو تندرست کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایک اعرابی نے نبوت کی تصدیق کے لئے دلیل مانگی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں اس درخت خرما کے خوشہ کو بلاتا ہوں۔ وہ میری گواہی دے گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے لبِ جان بخش کو ہلایا۔ وہ خوشہ درخت سے اترنے لگا۔ اور اس نے اتر کر آپ کی نبوت کی گواہی دی پھر آپ نے فرمایا، چلا واپس لوٹ جا۔ وہ اپنی جگہ سے واپس چلا گیا۔ اور اعرابی مسلمان ہو گیا۔

Muhammad abbas. nizami.

چشمانِ نبوی

حضور نبی کریمؐ کی مقدس نورانی آنکھیں نہایت خوشنما بے حد خوبصورت تھیں۔ آنکھوں کی پتلی سیاہ تھی سرمہ کے بغیر معلوم ہوتا تھا کہ سرمہ لگا ہوا ہے۔ آنکھوں کی سپیدی میں سرخ ڈورے تھے۔ جن کو علامات نبوت میں شمار کیا گیا ہے۔ سفر شام میں ایک راہب نے حضرت میسرہ سے یہ معلوم کرکے کہ آپ کی آنکھوں میں سرخی ہے۔ آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔ اور کہا تھا کہ علامات کتب قدیمہ میں یہی مذکور ہے۔

نہایت خوبصورت دراز اور خمدار تھیں۔ دور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا۔ کہ دونوں گوشۂ ابرو سے ملے ہوئے ہیں۔ مگر حقیقت یہ نہ تھی۔ قریب سے دیکھنے میں ہر گوشہ ایک دوسرے سے جدا معلوم ہوتا تھا۔ اور نور مجسمؐ کی خوبصورت نورانی آنکھیں اللہ تعالیٰ کو بے حجاب و بے نقاب دیکھنے والی آنکھیں۔ عین ذات کا مشاہدہ کرنے والی آنکھیں۔ روشن و منور آنکھیں۔ عالم کی نگہبان آنکھیں۔ بے شمار رحمتوں برکتوں خصوصیتوں کی حامل آنکھیں۔

اندھیرا حجاب نہیں

وہ آنکھیں جن کے لئے اندھیرا حجاب نہیں۔ جو ساری کائنات کو محیط اور سارے عالم کو مثل کف دست دیکھ رہی ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ یَرٰی فِی الظُّلْمَاءِ کَمَا یَرٰی فِی الضَّوْءِ۔ حضور اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یَرٰی بِاللَّیْلِ فِی الظُّلْمَۃِ کَمَا یَرٰی فِی النَّھَارِ فِی الضَّوْءِ۔ حضور رات کے اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے۔ جس طرح دن کے اجالے میں۔

وہ نورانی آنکھیں جو آگے پیچھے یکساں دیکھتی ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا۔ کہ مجھ سے پہلے رکوع اور سجود نہ کیا کرو۔ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ اَمَامِیْ وَمِنْ خَلْفِیْ۔ میں تم کو آگے پیچھے یکساں دیکھتا ہوں۔

دیکھئے۔ حضور نبی کریم کی مقدس نورانی آنکھیں کیسی بے مثل و بے نظیر ہیں۔ ان کے لئے اندھیرا حجاب نہیں۔ کیونکہ نور کے لئے کوئی چیز حجاب نہیں بن سکتی۔

وہ مقدس آنکھیں۔ جن سے بنی نوع انسان کی قلبی حالت پوشیدہ نہیں۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور اکرم نے فرمایا۔ تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ قبلہ یہاں ہے۔

وَاللّٰہِ مَا یَخْفیٰ عَلَیَّ خُشُوْعُکُمْ وَلَا رُکُوْعُکُمْ۔ بخاری ص $\frac{59}{1:ج}$

خدا کی قسم تمہارے خشوع اور رکوع مجھ پر پوشیدہ نہیں۔ خشوع دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ جو نمازی کو نماز میں حاصل ہوتی ہے۔ مگر نگاہِ محمدی کی قربان جو نمازی کے خشوع کا بھی ادراک رکھتی ہیں۔ اور مسلمانوں کے خشوع رکوع اور دل کی حالتوں پر انہیں عبور ہے۔ اور ان نورانی آنکھوں کی۔ یہ کیفیت ہے۔

وہ سر عرش ہو کہ بشری گزر۔ دل فرش ہو کہ بشری نظر

ملکوت و ملک میں کوئی شئے نہیں وہ جو تجھ پر عیاں نہیں

دل کی باتیں:-

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ ایک انصاری اور ایک ثقفی دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ثقفی سے فرمایا۔ جو تم پوچھنا چاہتے ہو۔ اگر تم کہو۔ تو میں ہی بتا دوں۔ کہ تم کیا سوال کرنا چاہتے ہو۔ ثقفی نے عرض کی حضور یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ کہ آپ میرے دل کی بات بتا دیں۔ فرمایا۔ تم نماز، روزہ اور غسل جنابت کے مسائل پوچھنے آئے ہو۔ ثقفی نے عرض کی۔ مجھے قسم ہے۔ اس ذات مقدس کی۔ جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔

إِنَّ ذَالِكَ الَّذِي أَسْئَلُكَ۔ میں یہی مسئلے پوچھنے آیا تھا۔

معلوم ہوا۔ کہ قلب کی کیفیت دل کے ارادے نبی کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہوا کرتے اور نبی کی آنکھیں۔ عام انسانوں کی سی آنکھوں کی طرح نہیں ہوتی ہیں۔

روئے زمین پر نظر: ایک مرتبہ ایک صحابی خدمتِ حضور میں غزوۂ موتہ کے حالات سنانے کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا۔ اگر تم کہو تو تمہارے سنانے سے پہلے میں خود جنگِ موتہ کے حالات بیان کر دوں۔ انہوں نے عرض کی حضور ہی بیان فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے تمام حالات تفصیل کے ساتھ سنا دیئے۔ اس صحابی نے عرض کی۔ اس مقدس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا آپ کے بیان اور واقعاتِ جنگ میں کچھ فرق نہیں۔

سبحان اللہ۔ مدینہ میں تشریف فرما ہیں۔ مگر محاذِ جنگ آپ کی نظروں سے دور نہیں۔ اور آپ غزوہ موتہ کے حالات کو بچشمِ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ چشمِ نبوت دور و نزدیک کے قانون سے علیحدہ ہے۔ یہ قانون دوسروں کی آنکھوں کے لئے ہیں۔

ساری کائنات پیشِ نظر: عمر بن اخطب انصاری کہتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم نے ایک دن میں فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (مسلم) قیامت تک ہونے والے تمام حالات و واقعات بیان فرما دیئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عائش فرماتے ہیں۔ کہ حضور نے فرمایا: اللہ نے میرے لئے زمین کو ظاہر فرما دیا۔ اور اس میں دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے۔ سب کو اپنی ہتھیلی کی طرح دیکھ رہا ہوں۔ اللہ اکبر۔ یہ شان ہے چشمِ نبی کی زمین و آسمان ساری کائنات آپ کی نظر کے سامنے ہے۔ اور ذرہ ذرہ پہ نگاہ آپ کی تو ہے

سہ عالم میں کیا ہے جس کی تجھ کو خبر نہیں۔
ذرہ ہے کون سا جس پہ نظر نہیں۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔
اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَعٰى لِلنَّجَاشِيِّ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ۔ کہ جس دن حبشہ میں نجاشی کا انتقال ہوا۔ حضور علیہ السلام نے اسی دن ہمیں ان کے انتقال کی خبر سنائی۔ حضرت نجاشی کا انتقال حبشہ میں ہوا۔ مگر چشمِ مصطفیٰ کی

خصوصیت دیکھیے ۔ کہ مدینہ سے حبشہ تک پہنچی ۔ اور دریا و پہاڑ اور سمندر ان مقدس نگاہوں کے لئے حجاب نہ بنے کیوں ۔ اس لئے کہ نور کے لئے کوئی چیز حجاب نہیں ہو سکتی ۔ اور نور اندھیرے کو اجالا بنا دیتا ہے ۔ ؎

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کئے ۔ اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی ۔

جب مدینہ شریف میں حضرت جعفر رضہ کی شہادت کی اطلاع آئی ۔ تو حضورؐ کچھ غمگین رہے ۔ پھر ایک لمحہ کے بعد آپ مسکرا دیئے ۔ صحابہ کرام نے سبب مسکراہٹ دریافت کیا ۔ حضور نے فرمایا ۔ مجھے میرے اصحاب کی شہادت نے غمگین کیا ۔ لیکن ابھی میں نے دیکھا ۔ کہ شہادت پانے والے ۔ جنت میں تختوں پر بیٹھے ہیں ۔ یہ دیکھ کر میں خوش ہوا ۔ اور مسکرایا ۔ ہمارے رسول ؐ کی مقدس نورانی آنکھیں عالم علوی کا مشاہدہ فرماتی ہیں ۔ اور آنِ واحد میں زمین سے جنت تک پہنچتی ہیں ۔ کیا بشر بشر کی رٹ لگانے والوں کی آنکھیں بھی اس خصوصیت کی مالک ہیں ۔؟

حضرت بشر حارثی کہتے ہیں ۔ کہ ایک مرتبہ حضورؐ ایک قبر کی طرف متوجہ ہوئے ۔ اور آپ نے فرمایا ۔ مجھے معلوم نہیں ۔ کسی نے عرض کی ۔ سرکار آپ نے یہ کیا فرمایا ۔ حضور نے فرمایا ۔ اِنَّ هٰذَا يُسْئَلُ عَنِّیْ فَقَالَ لَا اَدْرِیْ ۔ اس قبر والے سے میرے متعلق سوال ہو رہا ہے ۔ اور یہ کہتا ہے ۔ کہ مجھے معلوم نہیں ۔

سبحان اللہ ۔ کیا وسعت نظر ہے ۔ برزخ پیش نظر ہے ۔ اور قبر کی سو من مٹی آپ کی نظر کے لئے حجاب نہیں ۔

حضرت ابوذر غفاری رضہ فرماتے ہیں ۔ کہ حضورؐ نے فرمایا ۔ کہ مجھ پر میری تمام اُمت اپنے اچھے بُرے اعمال کے ساتھ پیش کی گئی ۔ (مسلم شریف)

مجھ پر میری امت کے ثواب پیش کیے گئے ۔

حَتَّی الْقَذَاۃُ یُخْرِجُھَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ: یہاں تک کہ وہ تنکا جس کو آدمی مسجد سے نکالے۔ (ابوداؤد)

مجھ پر میری امت کے گناہ پیش ہوئے۔ تو میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہ دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی آیت یا سورت دی جائے۔ اور وہ اس کو بھلا دے۔ (ترمذی)

معلوم ہوا کہ حضور اپنی ساری اُمت کے اعمال و افعال سے واقف ہیں۔ اور ساری امت کے اچھے برے کام آپ کے پیش نظر ہیں ؎

فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر

بس قسم کھائیے اُمی تیری دانائی کی ؎

Muhammad abbas. nizami.

20 : 2 : 98

زبانِ مبارک ﷺ

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں ۔ اُس زبان کی فصاحت پہ لاکھوں سلام

محبوبِ رب العالمین کی زبان نہایت فصیح و بلیغ اور شیریں تھی۔ آپ کے خطبات میں قدرتی تاثیر تھی۔ پتھر دل آپ کے خطبہ کو سُن کر موم ہو جاتے تھے۔ اور فصحائے عرب آپ کی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ حضور نے کسی مکتب درسگاہ میں تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ عرب کے بڑے بڑے شاعر ادیب فلاسفر سیاست دان جب خطباتِ نبوتہ پر غور کرتے تو حیران ہو جاتے۔ اور ان کو آپ کے مقابل لب کشائی کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔

اسی لئے ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر نے عرض کی۔ حضور میں نے عرب کا دورہ کیا بڑے بڑے فصحا سے ملاقات کی ہے۔ لیکن آپ سے زیادہ فصاحت کسی میں نہ پائی۔ حضور نے جواب دیا۔ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ ۔ مجھے میرے رب نے ادب سکھایا۔

ان معنوں میں حضور کو اُمی کہا جاتا ہے۔ کہ آپ کی زبان مبارک جن علوم و معارف کے دریا بہاتی تھی۔ اور علم و معرفت کے جو کلمات آپ کی زبانِ فیضِ ترجمان سے ادا ہوتے تھے یہ سب وہبی تھے۔ کسبی نہ تھے۔ اور اللہ نے آپ کو وہ علم معرفت عطا فرمایا تھا جس کے حضور سب زبانیں گُنگ تھیں۔

امام طبرانی۔ ابی قرصافہ سے راوی ہیں۔ یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے جب حضور کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تو میری والدہ اور خالہ نے واپس لوٹ کر کہا۔ کہ حضور سے زیادہ خوبصورت ہم نے کسی کو نہ دیکھا۔ اور آپ سے زیادہ ستھرے کپڑے کسی نے نہ پائے۔ آپ سے زیادہ نرم کلامی کسی میں نہ پائی۔ ہم نے دیکھا۔ کہ جب آپ گفتگو فرماتے۔ تو ایسا معلوم ہوتا جیسے نور آپ کے مُنہ سے نکل رہا ہے۔

حضور ﷺ کی زبان کی عظمت و رفعت کا اندازہ اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہی زبانِ مبارک ہے۔ جو حریمِ خلوت گاہ قدس میں پہنچ کر رب العالمین سے ہمکلامی

کا شرف حاصل کرتی ہے۔ اور آپ کی گفتگو کے متعلق قرآن اعلان کرتا ہے۔

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوحَىٰ ۔ یہ اپنی طرف سے نہیں بولتے۔ ان کا بولنا وحی الٰہی ہوتا ہے۔ یعنی زبانِ نبوت منشاءِ ایزدی کی ترجمان ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبانِ اقدس کی حکومت کائنات کے ہر ذرّہ پر ہے۔ اور ملکوت السموٰت والارض کا ہر ذرہ آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

حضرت زبیر ابنِ بکار اس روایت کرتے ہیں۔ کہ غزوۂ ذی قرد میں نبی پاکؐ نے ایک چشمہ پر نزولِ اجلال فرمایا۔ صحابہ نے عرض کی۔ حضور اس چشمہ کا نام بیسان ہے۔ اس کا پانی کھاری ہے۔ حضور نے فرمایا۔

بَلْ هُوَ النُّعْمَانُ طَيِّبٌ فَغَيَّرَ رَسُولُ اللّٰهِ وَغَيَّرَ اللّٰهُ الْمَاءَ :

یعنی اس کا نام نعمان ہے اس کا پانی میٹھا ہے۔ صحابہ کہتے ہیں حضورؐ نے چشمہ کا نام بدل دیا۔ اللہ نے پانی کا ذائقہ بدل دیا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ چشمہ کا نام بیسان تھا۔ پانی بھی کھارا تھا۔ لیکن حرف زبانِ نبوت کے فرما دینے سے اللہ نے اس چشمے کے پانی کو میٹھا کر دیا۔ آفرین ہو۔

فقط اشارے میں سب کی نجات ہو کے رہی۔

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

ابن عساکر ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ امام حسن حضور کے ہمراہ تھے۔ حضرت حسنؓ کو پیاس لگی اور سخت پیاس لگی۔ حضور نے پانی طلب فرمایا۔ مگر دستیاب نہ ہوا۔ حضورؐ نے اپنی زبانِ مبارک حضرت حسن کے منہ میں دے دی۔ انہوں نے چوسی اور سیراب ہو گئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ مجھ سے حضرت سلمان

فارس نے بیان فرمایا کہ میں ایک یہودی کا غلام تھا۔ یہودی نے مجھے چالیس اوقیہ سونے کے عوض آزاد کرنے کا وعدہ کیا۔ مجھے فکر ہوئی کہ اتنا سونا میں کہاں سے لاؤں گا۔ آخر حضور نے مجھے مرغی کے انڈے کے برابر سونا عطا فرمایا۔ جا اِسے دے کر آزاد ہو جا۔ میں نے عرض کی سرکار یہ سونا تو چالیس اوقیہ نہیں ہے۔

(اوقیہ ۹ تولے کا ہوتا ہے) یہ سُن کر حضور نے وہ سونے کا ٹکڑا میرے ہاتھ سے لیا۔ اور اس پر اپنی زبان مبارک لگا دی۔ اور فرمایا کہ جا اب اسی سے تیرا قرضہ اتر جائے گا۔ سلمان کہتے ہیں۔ کہ میں نے اسی سونے سے چالیس اوقیہ اس یہودی کو دے دیا۔ اور میرے پاس بھی اتنا ہی بچ گیا۔

ناظرین۔ یہ سونا چالیس اوقیہ نہ تھا۔ مگر حضور کی زبان مبارک کے لگتے ہی اس میں اتنی برکت ہوگئی کہ اسی سونے سے۔ حضرت سلمان نے اپنا قرض بھی۔ اتار دیا۔ اور اسی مقدار میں ان کے پاس بچ گیا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور تھوڑی چیز کو زیادہ فرمانے پر قادر ہیں۔ کیا ہمسری کے دعویداروں میں بھی یہ صفت پائی جاتی ہے۔

گستاخِ نبوی کا انجام:

امام بخاری حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حکم ابن ابو العاص دربار نبوت میں بیٹھا۔ تو استہزا حضور کی نقلیں اتارتا۔ ایک دفعہ یہ خبیث اسی طرح اپنے منہ کو ہلا رہا تھا۔ کہ حضور نے فرمایا کُنْ كَذَالِكَ فَلَمْ يَزَلْ يَخْتَلِجُ حَتَّى مَاتَ ۔ ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ مرتے دم تک ایسے ہی ہلتا رہا۔ ناظرین یہ جلال مصطفےٰ تھا۔ حضور کو جلال آگیا۔ یعنی ربانی شانِ جلالی کا ظہور ہوا۔ سرکار نے فرمایا ایسا ہی ہو جا۔ کن فرمایا۔ اور اس کو ایسا ہونا ہی پڑا۔ ورنہ سرکار تو رحمت مجسم ہیں۔ کسی کے ساتھ بُرا

نہیں کرتے۔ دشمن پتھر مارتا ہے۔ اور پھول سی دعا کر جاتا ہے۔

ہیں دعائیں۔ سنگ دشمن کا عوض
اس قدر نرم اب پتھر کا جواب۔

کیا دیکھا نہیں۔ دوجہان کے مالک نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب یہ مقدس پیشانی بارگاہِ الٰہی میں جھکتی ہے۔ تو خبیث عقبہ اونٹ کی اوجھڑی پشت انور پر رکھ دیتا ہے اور آپ کے پھول سے قدموں کو تکلیف پہنچانے کے لئے راستہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں کافر تکالیف کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ مگر اللہ اکبر۔ کل جہان کے شہنشاہ کی منور پیشانی پر بل نہیں آتا۔ بلکہ ایسے دشمنوں کے لئے یہ دعا کی جاتی ہے۔

الٰہی فضل کر کہسارِ طائف کے مکینوں پر
الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر۔

کیا مکہ اور طائف کے موقع پر سنگباری کرنے والوں کے لئے کوئی حکم نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا تھا۔ اور حضور حضور ان کو ان کے لئے کوئی سزا دے سکتے تھے۔ مگر وہاں شانِ رحمت کا ظہور تھا۔ اس لئے ان کے متعلق کوئی حکم نہ فرمایا۔ لیکن یہاں دیکھئے۔ کہ حکیم ابن ابوالعاص منہ چڑاتا تھا۔ فوراً دربارِ رسالت سے حکم ملتا ہے۔ کہ تیرا منہ ایسا ہی ہلتا رہے۔ چنانچہ اس کا ناپاک منہ مرتے دم تک ہلتا رہتا ہے۔ غرض کہ حضورؐ کو کافروں نے تکالیف پہنچائیں۔ تو ایسے نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ حضور معاذ اللہ مجبور و لاچار تھے۔ نہیں۔ بلکہ رحمت دو عالم ہیں۔ ورنہ کائنات کا ہر ذرہ حضور کے حکم کا تابع فرمان ہے۔ اور آپ خدا کے گھر کے مختار ہیں۔

مختار ہے کبریا کے گھر کا
مصداق ہے افضل البشر کا۔

امام بیہقی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص عبداللہ بن سلام

وحی لکھنے کی خدمت اس کے سپرد کی۔ کچھ دن بعد وہ مرتد ہوگیا۔ اور عیسائیوں کے ساتھ مل کر کہنے لگا۔ کہ محمدؐ کو میں جانتا ہوں۔ جو میں چاہتا لکھ دیتا۔ جب یہ ماجرا حضورؐ کو معلوم ہوا تو حضورؐ نے فرمایا۔ اب اس کو زمین قبول نہ کرے گی۔ چنانچہ زمین نے اسے قبول نہ کیا۔

إِنَّ الْأَرْضَ لَا تَقْبَلُهُ فَدُفِنَ فَلَمْ تَقْبَلْهُ الْأَرْضُ۔

بخاری کی حدیث میں یہ بھی ہے۔ کہ اس کے دوستوں نے جب اس کی لاش قبر سے باہر دیکھی۔ تو انہوں نے خیال کیا۔ کہ یہ اصحاب رسول کا کام ہے۔ چنانچہ اس کو دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی۔ تو وہی منظر سامنے تھا۔ آخر انہوں نے تین بار گہرے گڑھے کھود کر۔ اس کو دفن کیا۔ مگر ہر بار لاش قبر سے باہر ہی نکل آتی تھی۔ جب انہیں یہ یقین ہوگیا۔ کہ یہ کام صحابہ کرام کا کام نہیں ہے۔ تو اس کی لاش اسی طرح زمین پر چھوڑ دی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ زمین حضور کے تابع ہے۔ اور آپ کی زبان سے جو فرمان نکلتا ہے۔ عالم سفلی و علوی کا ہر ذرہ اس کی تعمیل کرتا ہے۔

حضور کی آواز مبارک نہایت دلکش۔ اور خوش کن تھی۔ انسان تو انسان درندے اور چرندے بھی آپ کی پیاری آواز سے سکون حاصل کرتے تھے۔ حدیث میں آپکی آواز کے متعلق۔ حَسَنُ النَّغَمِ ؐ۔ خوش آواز۔ کے الفاظ آئے ہیں۔
حضرت جابر فرماتے ہیں۔ میں نے کسی کو۔ حضور سے زیادہ خوش آواز نہ دیکھا تھا۔ آواز میں ایک خوبی یہ تھی۔ کہ دلنشین ہوتے کے علاوہ ہر بڑے مجمع میں۔ سب کو یکساں پہنچتی تھی۔

آواز کی بلندی: آپ کی آواز بلند تھی۔ اور اس میں معجزہ یہ تھا۔ کہ جب آپ اپنی مسجد میں خطبہ فرماتے تو پردہ نشین عورتیں اپنے گھروں میں حضور کے خطبہ کی آواز سن لیا کرتی تھیں۔ امام بیہقی حضرت براء سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے مسجد نبوی میں خطبہ دیا۔ آپ کے خطبہ کو پردہ نشین عورتوں نے اپنے گھروں میں سن لیا۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا۔ کہ حضورؐ نے ایک شخص کو اسلام پیش کیا۔ اس نے عرض کیا۔ سرکار اگر میری لڑکی کو زندہ کر دیں۔ تو ایمان لے آؤں گا۔ حضور اس کے ہمراہ اس کی بچی کی قبر پر پہنچے۔
یَا فُلَانَۃُ فَقَالَتْ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ = اور اس لڑکی کا نام لے کر آواز دی لڑکی زندہ ہو گئی۔ ... دیکھیے۔ حضور کی آواز بھی بے مثل و بے نظیر ہے۔ حضور کی آواز مردے زندہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اور ہماری آواز سے تنکا بھی نہیں ہل سکتا۔

Muhammad. abbas. nizami.

20 : 2 : 98

٥

موئے مبارک

(٥٠)

ہم سیاہ کاروں پہ یارب تپشِ محشر میں۔ سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے گیسو۔ نبی پاک ﷺ کے موئے مبارک بھی۔ ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ اسلام کے مشہور جرنیل۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو میدانِ کارزار میں فتح و نصرت انہی مبارک بالوں کی برکت سے حاصل ہوتی تھی۔ گویا۔ حضور اکرم ﷺ کے بال بھی دافع البلاء اور مشکل کشا ہیں۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند بال تھے۔ اور انہی بالوں کی برکت سے حضرت خالد کو ہر معرکے میں فتح حاصل ہوتی تھی۔

حاکم و دیگر محدثین کرام روایت کرتے ہیں کہ جنگِ یرموک میں۔ حضرت خالد کی ٹوپی گم ہو گئی۔ خالد گھوڑے سے اتر کر۔ اپنی ٹوپی تلاش کرنے لگے۔ مسلمان فوجیوں نے خالد کی اس حرکت کو پسند نہ کیا۔ اور کہا۔ تیر برس رہے ہیں۔ تلواریں چل رہی ہیں۔ موت و حیات کا سوال ہے۔ اور فوج کا جرنیل گھوڑے سے اتر کر اپنی ٹوپی کی تلاش میں ہے۔ حضرت خالد ٹوپی کی تلاش کے بعد۔ فوجیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہنے لگے۔ تمہاری حیرانی بجا ہے۔ مگر تمہیں معلوم نہیں۔ کہ میری ٹوپی میں۔ نبی پاک ﷺ کے موئے مبارک ہیں۔ جب حضور ﷺ نے عمرہ فرمایا۔ اور اپنے بال کٹوائے۔ تو ہر صحابی آپ کے موئے مبارک حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر آپ کی پیشانی مبارک کے بال حاصل کیے۔ اور اپنی ٹوپی میں رکھ لیے۔

فَلَمْ اَشْهَدْ قِتَالًا اِلَّا وَهِيَ مَعِيَ اِلَّا رُزِقْتُ النَّصْرَ ہر جنگ کے اندر یہ بال میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور انہی کی برکت سے۔ مجھے فتح حاصل ہوتی ہے۔

اس حدیث پر غور کیجیے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ایک جلیل القدر صحابی۔ اور اسلام کے بہت بڑے جرنیل ہیں۔ حضور ﷺ کے موئے مبارک کے متعلق ان کا نظریہ

پڑ ہے۔ کہ جنگ میں فتح انہیں موئے مبارک کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اب پوچھیے اُن لوگوں
سے۔ جو شانِ نبوت کے منکر ہیں۔ اور انبیاء کرام کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں
کیا وہ سرکار نبی کریم کے ایک بال کی بھی برابری کر سکتے ہیں۔

صحابہ کرام کے اس فعل سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ حضور کے بالوں کو بھی بے مثل وسیلہ
جانتے تھے۔ اور اسی لیے۔ بطور تبرک۔ اپنے پاس رکھتے تھے۔ اس پر روشنی پڑتی ہے۔ کہ انبیاء کرام
اور بزرگانِ دین کے بال وغیرہ کو بطور تبرک رکھنا۔ ان کی تعظیم کرنا۔ اور ان سے نفع و برکت کی
امید رکھنا۔ جائز ہے۔ اگر شرک و بدعت ہوتا۔ تو صحابہ کرام کبھی ایسا نہ کرتے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے۔ کہ میں نے دیکھا کہ حضورؐ اپنے دستِ مبارک میں اپنا
ایک بال لیے ہوئے فرما رہے ہیں۔ کہ جس نے میرے ایک بال کی توہین کی۔ جنت اس
پر حرام ہے۔ قابلِ غور پہلو یہ بھی ہے۔ کہ حضور کے موئے مبارک ایسی عظیم و جلیل
بزرگی کے مالک ہیں۔ کہ ان کی ادنیٰ توہین کرنے والے پر جنت حرام ہے۔ اب سوچیے جو لوگ
حضورؐ کو یہ کہہ کر توہین کرتے ہیں۔ کہ آپ میں اور ہم میں کیا فرق ہے۔ وہ بھی ہمارے جیسے
بشر ہی تو ہیں۔ ایسے گستاخوں کا کیا حال ہوگا۔

حضرت ام سلمہؓ کے پاس حضور کے چند بال تھے۔ جب کسی آدمی کو نظرِ بد لگ
جاتی۔ یا بیمار ہو جاتا۔ تو وہ حضور کے بالوں کو دھو کر اس کا پانی مریض کو پلاتیں۔ مریض
شفایاب ہو جاتے۔ دیکھیے نبی کا بال ہر مرض کے لیے شفا ہیں۔ ہمسری کے دعویداروں
سے پوچھیے۔ ان کے بال بھی کسی بیمار نے دھو کر پیئے تو اس نے شفا پائی۔ اگر نہیں
تو پھر انبیاء کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کیوں۔

گوشِ مبارک

دُور نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

حضور نبی پاک ؐ کی قوت سامعہ بھی بے نظیر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ اِنِّی اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ ۔ (ترمذی)
میں وہ دیکھتا ہوں جو کوئی نہیں دیکھتا۔ اور وہ سنتا ہوں جو کوئی نہیں سنتا۔
آسمان چرچراتا ہے۔ اور اسے لائق ہے کہ وہ چرچرائے۔ (ترمذی) اس حدیث میں خود حضور نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ کہ میری قوت باصرہ۔ اور سامعہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہے۔ میں اللہ کا نبی ہوں۔ اور نبی وہ دیکھتا ہے۔ جو عام انسان نہیں دیکھ سکتا۔ اور وہ سنتا ہے۔ جو سب کی حدِ سماعت سے باہر رہتا ہے۔

پانسو سال کی راہ ایسی ہے جیسے دو گام
آس ہم کو بھی لگی ہے تیری بینائی کی۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک روز جبرائیلؑ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے کھڑکی کھلنے کی آواز سن کر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ جبرائیل امین نے عرض کی۔ یا رسول اللہ آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے۔ جو کبھی نہ کھلا تھا۔ پھر ایک فرشتہ حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ۔ میں آپکو دو نور کی خوشخبری دیتا ہوں۔ فاتحۃ الکتاب۔ اور آخر سورۂ بقرہ۔

دیکھیے۔ حضور ؐ آسمان کے دروازہ کھلنے کی آواز کو سن رہے ہیں۔ اگر اس دروازہ کو آسمانِ اوّل کا دروازہ مانا جائے۔ تو بھی پانسو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ اور حضور ؐ پانسو برس کی مسافت کی آواز کو سن رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ؐ نے حضرت بلال سے فرمایا۔ تم نے کون سا

اچھا عمل کیا۔ میں نے تمہاری جوتیوں کی آواز جنت میں سنی ہے۔
جنت سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے۔ جس کی مسافت سات ہزار سال کی ہے۔
اور حضور وہاں کی آواز کو بھی سن رہے ہیں۔ (بخاری شریف)

حضرت ابن عباسؓ نے عرض کی یارسول اللہ۔ آپ سے محبت تو میرے دل میں اس وقت پیدا ہوگئی تھی۔ جبکہ آپ کی شیرخواری کا زمانہ تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ آپ گہوارہ میں تشریف فرما ہیں۔ اور چاند سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ اور جس طرف اشارہ سے انگلی اٹھاتے ہیں۔ چاند اسی طرف جھک جاتا ہے۔
حدیث کے اس ٹکڑے کو پڑھیے۔ اور پیغمبر اسلام کی مبارک انگلی کی حکومت ملاحظہ کریں کہ انگلی کے اشارے پہ چاند رقص کرتا ہے۔ ڈوبا ہوا سورج پلٹ آتا ہے۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کی نورانی انگلی کا احترام کرتا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ حضور نور ہیں۔ نور کے لیے نوری کھلونوں کی ضرورت تھی۔ اللہ کریم نے اپنے نوری محبوب کے لیے آسمان بنایا اس کے سینے کو چاند ستاروں سے مزین فرمایا۔ تاکہ یہ چاند ستارے۔ نوری محبوب کے لیے۔ ایام طفولیت میں کھلونوں کا کام دیں گے

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں۔
کیا ہی چلتا تھا۔ اشاروں پہ کھلونا نور کا۔

حضرت ابن عباسؓ کی یہ گفتگو سن کر حضور نے فرمایا۔ چاند مجھ سے اور میں اس سے باتیں کرتا تھا۔ چاند مجھے رونے سے باز رکھتا تھا۔ اور میں چاند کے زیر عرش سجدہ کی آواز کو سنتا تھا۔
یہ حدیث سماعت نبوی پہ کافی روشنی ڈالتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ میں چاند کے زیر عرش سجدہ کی آواز کو سنتا تھا۔ گویا۔ شیرخواری اور طفولیت میں حضور

کی سماعت کا یہ حال تھا۔ کہ آپ لاکھوں برس کے فاصلہ کی آواز کو سُن لیتے تھے۔ اور جب آپ نبوت پر فائز ہوتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے ولالاخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ تو اب آپ کی قوتِ سماعت کتنی ترقی کر گئی ہوگی۔ جب بچپن میں ہزاروں برس مسافت کی آواز سُن لیتے تھے۔ تو کیا اب ہندو پاک کے درود پڑھنے والے کی آواز کو نہ سنتے ہوں گے سُنتے ہیں۔ وہ سب کی سُنتے ہیں ہے

فریاد اُمتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو۔

امام طبرانی حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود بھیجا کرو۔ کیونکہ اس دن دیگر ایام کی بہ نسبت ملائکہ رحمت کا زیادہ نزول ہوتا ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں۔ جو مجھ پر درود پڑھے۔ مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ۔ کیا آپ بعد وفات بھی ہمارے درود کو سُنیں گے۔ فرمایا۔ وبعد وفاتی فان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ہاں بعد وفات بھی کیونکہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا۔ کہ وہ انبیاء کے اجساد کو کھائے۔ دلائل الخیرات میں یہ حدیث موجود ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ اسمع صلاۃ اہل محبتی واعرف علی صلاۃ غیرھم عرضا۔ اہل محبت کا درود میں خود سنتا ہوں۔ اور دوسروں کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

امام احمد حضرت جابر سے راوی ہیں۔ کہ ایک دن حضور بنی نجار کے باغ میں داخل ہوئے۔ تو آپؐ نے بنی نجار کے ان لوگوں کی آواز کو سُنا جو زمانہ جاہلیت میں مر چکے تھے۔ اور قبر میں انہیں عذاب ہو رہا ہے۔

حاکم حضرت انس رضؓ سے روایت کرتے ہیں ۔ کہ حضورؐ جنت البقیع میں تشریف
لے جا رہے تھے۔ آپ نے بلالؓ سے فرمایا۔ جو میں سنتا ہوں۔ تم بھی سنتے ہو۔ بلال
نے عرض کی نہیں فرمایا۔ کیا تم نہیں سنتے کہ اہل قبور کو عذاب ہو رہا ہے
یہ احادیث بتاتی ہیں۔ کہ برزخ کے احوال حضور نبی کریم پر پوشیدہ نہیں۔
اور آپ کے ایسے بے مثل کان ہیں۔ کہ قبر میں چیخنے والوں کی آواز بھی سن لیتے ہیں۔ بلکہ
آپ کو یہ بھی معلوم ہو جاتا۔ کہ قبر میں انسان کو کیوں اور کس نوعیت کا عذاب دیا جا رہا ہے
چنانچہ کتاب السنہ کی حدیث ہے۔ کہ آپ بقیع غرقد میں تشریف لائے۔ اور دو قبروں کے
درمیان کھڑے ہو کر فرمایا۔ کیا تم نے فلاں فلاں کو دفن کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی۔ ہاں فرمایا۔
مجھے اس کی قسم ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ابھی فرشتہ نے
ایک گرز مارا۔ جس سے ان کے جسم کی کوئی ہڈی سالم نہیں رہی۔ اور ان کی قبروں
کو آگ سے بھر دیا گیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی۔ ان کا جرم کیا تھا۔ فرمایا
ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا۔ دوسرا چغلخور تھا۔

یہ احادیث حضور کی قوت سامعہ و قوت باصرہ پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔ کہ حضور
کی مقدس آنکھیں۔ قبر کے اندر کے حالات و واقعات کا مشاہدہ کر رہی ہیں۔ ثابت ہوا۔
کہ آپ کو معلوم ہوا۔ کہ قبر میں کون دفن ہے۔ کب مرا۔ اس کے عمل کیسے تھے۔ اور اب
ان کو کس قسم کا عذاب ہو رہا ہے۔ اور کیوں ہو رہا ہے۔ سچ ہے

خدا نے کیا آگاہ تم کو سب سے۔
دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے۔

چاند کے سجدہ کرنے والی حدیث پر بھی غور کریں۔ حضور فرماتے ہیں چاند مجھ سے
باتیں کرتا تھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضورؐ کا بچپن بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور

آپ کا زمانۂ بچپن بھی عام بچوں کی طرح نہ تھا۔ ؎

اٹھتے بوٹوں کی نشو و نما پہ درود
کھلتے غنچوں کی نکہت پہ لاکھوں سلام

حضرت امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے گہوارہ اقدس کو ملائکہ حرکت دیتے تھے۔ اور جب آپ نے صحنِ عالم میں قدم رکھا تو پہلا کلام یہ فرمایا۔ اللہ اکبر کبیرا الحمد للہ کثیرا۔

پھر حضور فرماتے ہیں۔ چاند مجھے رونے سے روکتا تھا۔ گویا بحالتِ شیر خواری بھی حضور ﷺ کو اپنے گریہ فرمانے کا احساس تھا۔ کچھ عجب نہیں۔ حضور ﷺ کا بحالتِ شیر خواری گریہ فرمایا۔ امت کے بخشوانے کے لئے ہو۔ اور چاند زمینِ ادب چوم کر عرض کرتا ہو۔ سرکار کیوں روتے ہیں۔ حشر کے دن شفاعت کبریٰ کا چمکتا دمکتا تاج تو آپ کے سر پہ ہوگا۔

عام بچے جوان ہو کر بچپن کے حالات و واقعات بھول جاتے ہیں۔ بلکہ بڑوں کے یاد دلانے پر بھی ان کو یاد نہیں آتے۔ مگر نبی پاک ﷺ کی نرالی شان ہے یہاں بچپن کے تمام حالات یاد ہیں۔ اور حضرت عباس کو سنائے جا رہے ہیں۔ کہ چاند مجھ سے گفتگو کرتا تھا۔ وہ مجھے رونے سے باز رکھتا تھا۔ ؎

فصلِ پیدائش پہ ہمیشہ درود
کھیلنے کی کراہت پہ لاکھوں سلام۔

امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ حضرت حلیمہ سعدیہ نے فرمایا۔ کہ جب میں سیدھی چھاتی سے نبی پاک کو دودھ پلاتی تو آپ نوش فرما لیتے۔ اور جب آپ بائیں چھاتی سے دودھ پلاتی

تو آپ نہ پیتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں۔ کہ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ کا عدل تھا
کیونکہ آپ جانتے تھے۔ کہ میرا بھی شریک رضاعی ہے
یعنی حضرت سعدیہؓ ایک اور بچہ کو بھی دودھ پلاتی تھیں۔ اس لئے حضورؐ
اپنے دوسرے ساتھی کے لئے دودھ چھوڑ دیتے تھے۔ اور ان سے صرف ایک چھاتی سے دودھ
پیتے تھے۔ آپ تصور کریں۔ کہ زمانہ شیر خواری میں حضورؐ کے عدل فہم، عقل
دیانت اور شعور کا یہ کتنا بلند درجہ تھا۔ ؎

بھائیوں کے لئے ترک پستان کریں۔
دودھ پیتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام۔

Muhammad abbas. nizami -

28 / 2 / 98

دستِ نبوی

سورج بحرِ سماوت ہے لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا

اللہ کریم کی عظیم و جلیل نعمتوں میں سے ایک نعمت ہاتھ بھی ہے۔ منعمِ حقیقی نے بنی نوعِ انسان کو۔ یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔ ہڈی اور گوشت کے مجموعے کا نام ہاتھ ہے۔ جب کے ہوتا ہے۔ اور تمام انسان ہاتھ کی بناوٹ اور اس کی نوعیت کو جانتے ہیں۔ سید الانبیاء حبیبِ کبریا۔ محمد مصطفیٰ کے بھی دو نورانی ہاتھ ہیں۔ بظاہر تو یہ ہاتھ ہاتھ نظر آتے ہیں۔ مگر دیکھنے والی آنکھیں جانتی ہیں۔ کہ کونین کی نعمتیں اس مبارک ہاتھ میں مستور ہیں۔ اور ساری کائنات کی برکتیں اسی بے مثل ہاتھ۔ میں پوشیدہ ہیں۔

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور نے فرمایا۔
أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي ۔ میرے پاس خزائنِ ارض کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔ (بخاری شریف)

امام احمد حضرت الحبیب جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ مجھے دنیا کی کنجیاں دی گئیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں۔ حضور کے دستِ اقدس میں ہیں۔ آنکھ والا دیکھتا ہے۔ اور تصدیق کرتا ہے۔ اور دیدۂ کور اپنی کور باطنی کی وجہ سے ان مقدس ہاتھوں کو خالی سمجھتا ہے ؎

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں۔
دو جہاں کی نعمتیں ہیں۔ ان کے خالی ہاتھ میں

سرورِ عالم کے نورانی ہاتھ مٹی کو سونا اور لوہے کو پارس بنا دیتے ہیں ان مقدس ہاتھوں میں۔ تبدیلِ اعیان و قلبِ ماہیت کی طاقت ہے۔ یہ مبارک ہاتھ شے کی حقیقت و نوعیت کو بدل دیتے ہیں۔ یہ مقدس ہاتھ شاخِ خرما کو تلوار بنا دیتے ہیں امام بیہقی حضرت عبد الرزاق سے راوی کہ جنگِ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش

کی تلوار ٹوٹ گئی۔ حضرت عبداللہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے آپ کو ایک کھجور کی ٹہنی عطا فرمائی۔ اور وہ عبداللہ کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ ناظرین دیکھو حضور اکرم نے کھجور کی ٹہنی کو تلوار بنا دیا۔ لکڑی کو لوہا کر دیا۔ شئے کی حقیقت کو بدل دیا۔ کیا ہمسری کے دعویدار کے ہاتھ بھی قلب اعیان پر قادر ہیں۔

حبیب کبریا کے مقدس نورانی ہاتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہیں۔ ان ہاتھوں میں جنتی اور دوزخیوں کی فہرست ہے۔ یعنی جنتی اور دوزخی حضور کی مٹھی میں ہیں۔

امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں۔ کہ بزم صحابہ میں حضور تشریف لائے۔ اور آپ نے اپنے ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ میرا سیدھا ہاتھ خدا کی کتاب ہے۔ اس میں جنتیوں کے نام ہیں۔ ان کے باپوں ان کے قبیلوں کے نام لکھے ہیں۔ اور آخر میں میزان لگا دی ہے۔ اس میں کوئی کمی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ پھر حضور نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ کتاب ہے اللہ کی۔ ان میں دوزخیوں کے نام ان کے باپوں کے نام۔ اور ان کے قبیلوں کے نام لکھے گئے ہیں اور آخر میں ان کی میزان لگا دی گئی ہے۔ اس میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ ترمذی ج ۱ صفحہ ۳۶

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا۔ کہ کون جنتی ہے۔ اور کون دوزخی ہے۔ ان کی کتنی تعداد ہے ان کے باپوں اور قبیلوں کے کیا نام ہیں۔ یہ سب کچھ حضور کو معلوم ہے۔ اور سارے جہان کی کوئی چیز چشم مصطفیٰ سے پوشیدہ نہیں۔

قانونِ قدرت کے مطابق ہر بچہ جوان ہو جاتا ہے۔ اور جوان ہونے کے بعد بوڑھا ہو جاتا ہے۔ جوانی اور پیری دو ایسے دور ہیں۔ جن سے ہر انسان کو گزرنا پڑتا ہے۔ اور قدرت کے اس قانون کو نہ تو دوا توڑ سکتی ہے۔ اور نہ روپیہ۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں ہمیشہ جوان رہوں میرے بال سیاہ رہیں۔ اور اس مقصد کے لئے وہ ہزاروں

روپیہ بھی خرچ کر ڈالے۔ تو پھر بھی اپنی مراد نہیں پا سکتا۔ مگر ہاں ایک مقدس اور برگزیدہ ہستی ہے۔ جس کے نورانی ہاتھوں میں قوانین قدرت کی باگ ڈور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت عطا فرمائی ہے۔ تو وہ دستِ مصطفوی ہے۔ جن کا ادنیٰ تصرف یہ ہے۔ کہ جوانی کو برقرار اور بالوں کو سفید ہونے سے روک دیتے ہیں۔

امام ترمذی و بیہقی ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میری داڑھی اور سر پر حضور ﷺ نے۔ اپنا دستِ اقدس پھیر دیا۔ اور پھر فرمایا۔ الٰہی اسے زینت دے۔ جس کا اثر یہ ہوا۔ کہ ان کی عمر تک بیگا سو سال کی ہوگئی۔ مگر داڑھی اور سر کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا۔ اور چہرہ پر شکن تک نہ آئی۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضور ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ نے فرمایا کون ہے۔ میں نے عرض کی سائب بن یزید ہوں۔ پھر آپ نے فَمَسَحَ بِیَدِہٖ عَلٰی رَأْسِیْ وَقَالَ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ فَھُوَ لَا یَشِیْبُ اَبَدًا۔ پھر آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ اللہ برکت دے۔ جس کا اثر یہ ہوا۔ کہ میرے بال ہمیشہ سیاہ رہے۔

امام طبرانی مالک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے اپنا دستِ اقدس میرے سر اور داڑھی پر رکھا۔ جس کا اثر یہ ہوا۔ کہ مالک بوڑھے ہو گئے۔ ان کے سر کے اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے۔ مگر وہ بال جن پر دستِ اقدس پھر گیا۔ وہ کالے ہی رہے۔

امام بیہقی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک بوڑھے یہودی نے حضور کے بال مبارک بطور تبرک حاصل کئے۔ حضور نے فرمایا۔ الٰہی اس کو زینت دے اس کے داڑھی کے سفید بال حضور کے یہ فرماتے ہی کالے ہو گئے۔

ناظرین۔ ان احادیث سے معلوم ہوا۔ کہ حضور کے دستِ مبارک سفید بالوں کو کالا اور بوڑھوں کو جوان کر دیتے ہیں۔ اور جوانوں کو بوڑھا ہونے سے روک دیتے ہیں۔ کیا ہمارے ہاتھوں میں ایسی طاقت رکھتے ہیں۔؟

انہیں کی بو مایہ سمن ہے۔ انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے۔
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں۔ انہیں کی رنگت گلاب میں ہے۔

حضور ﷺ کے مبارک ہاتھ۔ برف سے زیادہ ٹھنڈے۔ ریشم سے زیادہ نرم ہیں۔ ان ہاتھوں سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی ہے۔ بلکہ مشک و عنبر نے انہیں مبارک ہاتھوں سے خوشبو پائی ہے۔ امام طبرانی مستورد بن شداد سے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ تو میں نے آپکا ہاتھ ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ ٹھنڈا پایا۔

حضرت یزید بن اسود کہتے ہیں۔ کہ جب حضور نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ آپکا ہاتھ۔ برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ اور اس میں مشک سے زیادہ خوشبو تھی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی فرماتے ہیں۔ کہ حضور نے میرے رخسار پر دستِ مبارک پھیرا تو میں نے آپکے ہاتھ میں ٹھنڈک اور خوشبو پائی ایسی خوشبو جیسی عطار کے ڈبوں سے آتی ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ سے زیادہ نرم ریشم اور دیباج کو بھی نہ پایا۔ اور مشک و عنبر کی خوشبو کو حضور کی خوشبو سے زیادہ نہ سونگھا۔

چنانچہ امام بیہقی عمران بن حصین سے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور کے ہمراہ تھا۔ اتنے میں سیدہ فاطمہ رضی تشریف لائیں۔ اور حضور کے سامنے بیٹھ گئیں۔ نگاہ رسول ﷺ نے چہرۂ فاطمہ رضی کو دیکھا۔ کہ بھوک کی وجہ سے زرد پڑگیا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت فاطمہ رضی کے سینہ پر رکھا۔ عمران کہتے ہیں کہ اب جو میں نے دیکھا۔ تو حضرت فاطمہ رضی کے چہرہ اقدس کی زردی سرخی میں تبدیل ہوگئی تھی۔

ناظرین۔ حضور اکرم کے دستِ مبارک کا یہ کتنا عجب تصرف ہے۔ کہ حضرت فاطمہ رضی کے

بیٹے پید رکھتے ہیں۔ ان کی بھوک مٹا دیتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیئے۔ حضرت فاطمہؓ کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ اور اب انہیں دوبارہ کھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ چنانچہ عمرانؓ رضہ فرماتے ہیں۔ کہ چند دن بعد میں پھر حضرت فاطمہ سے ملا۔ اور آپ سے پوچھا۔ حضرت فاطمہؓ فرمایا۔ عمران اس دن سے مجھے کبھی بھوک نہیں لگی۔

اس حدیث سے ظاہر ہو گیا۔ کہ نبی پاک نے دستِ مبارک بھوک مٹانے پر قادر تھے پھر حضور کا کھانا نہ تناول فرمانا اور اہل بیت کا سات سات دن تک روزے رکھنا۔ صرف امت کو خشوع اور زہد و قناعت کی تعلیم دینے کے لیئے تھا۔

امام ابو نعیم کعب ابن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت جابر نے حضورؐ کے لیئے ایک بکری ذبح کی اور اس کو پکایا۔ اور خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہو گئے۔ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا۔ جابر اپنی قوم کو بھی بلا لو۔ جابرؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ مگر کھانا اسی طرح باقی رہا۔ حضرت جابر کہتے ہیں۔ کہ حضور نے پہلے سے فرما دیا تھا۔ کہ کوئی شخص گوشت کی ہڈی نہ توڑے اور نہ پھینکے۔ چنانچہ جب سب کھا چکے۔ تو حضورؐ نے تمام ہڈیوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ تمام ہڈیاں ایک لگن میں جمع کر دی گئیں۔ حضور اکرمؐ نے ان ہڈیوں پر اپنا دستِ مبارک رکھا۔ اور لب جاں بخش کو حرکت ہوئی۔ جس کو ہم نہ سن سکے۔ چنانچہ بکری اپنی دُم ہلاتی ہوئی زندہ ہو گئی۔

ناظرین۔ یہ بکری ذبح ہوئی۔ اس کے گوشت کی بوٹیاں بنیں۔ پھر یہ پکائی گئی گوشت تو صحابہ نے کھالیا۔ ہڈیاں بچ گئیں۔ حضور اکرم کے ہاتھ کا کمال دیکھو۔ کہ ان ہڈیوں پر گوشت پیدا ہوا۔ کھال آ گئی۔ بال اُگے۔ روح کا اضافہ ہوا۔ اور پوری بکری بن گئی۔ کیا ہمسری کے دعویدار بھی ہڈیوں کے ڈھیر میں۔ جان ڈال سکتے ہیں۔

حضرت امام بیہقی سے روایت ہے۔ ایک مرتبہ کھانے کی ضرورت ہوئی۔ حضور اکرمؐ نے گھر میں دریافت فرمایا۔ مگر کچھ نہ پایا۔ اتفاق سے ایک بکری نظر آگئی۔ جو ابھی حاملہ نہ ہوئی تھی۔ تو حضور اکرمؐ نے اس کے تھنوں پر دستِ مبارک پھیر دیا۔ تھن دودھ سے بھر گئے۔ اور پھر آپ نے حاضرینِ مجلس کو دودھ سے سیراب فرمایا۔ کیا پیری کے دعویدار کے ہاتھ بھی اسی برکت کے حامل ہیں

بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک ابو رافع یہودی کو قتل کرکے اس کے کوٹھے سے گر پڑے۔ پنڈلی ٹوٹ گئی۔ عمامہ سے باندھ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرمؐ نے دستِ مبارک پھیرا تو یہ حال ہوگیا۔ کہ گویا۔ دکھا ہی نہ تھا۔ معلوم ہوا۔ کہ حضور کے ہاتھ دستگیرِ عالم ہیں۔ اور صحابہ کرام مشکل و مصیبت کے وقت آپ سے شفا اور دعا طلب کیا کرتے ہیں۔ کیوں۔ اس لئے ان کا عقیدہ تھا۔ کہ جن کے ہاتھ عام انسانوں کے ہاتھوں جیسے نہیں ہوتے ہیں سے

پر خطِ کف ہے۔ یہاں اے دستِ بیضائے کلیم۔
موجزن دریائے نورِ بے مثال ہاتھ ہیں۔

حضور اکرمؐ کی انگلیاں پتلی۔ اور خوشنما تھیں۔ انگلیوں سے متعدد معجزات کا ظہور ہوا۔ معجزہ شق القمر انہی کا کرشمہ ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ کافروں نے حضورؐ سے معجزہ طلب کیا۔ تو آپ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کرکے دکھا دیا۔

بخاری و مسلم میں یہ حدیث موجود ہے۔ حضرت جابرؓ روایت ہیں کہ جنگِ حدیبیہ میں لشکرِ اسلام پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ حضورؐ کے پاس ایک چھاگل تھی۔ آپ نے اس

سے وضو فرمایا۔ صحابہ نے عرض کی حضور پینے اور وضو کو پانی نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے چھاگل میں اپنا دستِ مبارک ڈالا تو۔ انگشت ہائے مبارک کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی جوش مارنے لگا۔ بخاری۔ حضرت جابر کہتے ہیں۔ کہ ہم پیاسوں کی تعداد صرف پندرہ سو تھی۔ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے۔ تو سیراب ہو جاتے۔

انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری جن سے دریائے کرم ہیں جاری۔

موج پر آتی ہیں جب غمخواری تشنے سیراب ہوا کرتے ہیں۔

Muhammad abbas nizami.

28.2.98.

جسمِ مبارک ﷺ

حضور اکرمؐ کا جسم مبارک (سبحان اللہ) نور کا مجسمہ ہے۔ برکتوں اور رحمتوں کا
کا گنجینہ ہے۔ نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ خدا کی بے مثال صنعت کا نمونہ ہے۔
یعنی سرکار کا جسم حق نہیں۔ حق نما ہے۔ خدا نہیں خدا نما ہے۔

حضرت علامہ عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ حضور پر ایمان لانے کی تکمیل یہ
ہے۔ کہ آدمی اس پر ایمان لائے۔ اور یقین کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ حضورؐ کے جسم شریف
کو اس شان سے بنایا۔ کہ کوئی انسان آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسا نہ ہوا۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

حارث بن اسامہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور اکرمؐ
کچھ اوپر چالیس جنتی مردوں کی طاقت دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ تھی۔ کہ عرب کا
مشہور و معروف پہلوان رکانہ جو بڑا دلیر۔ بہادر زور آور۔ جس کی قوت طاقت
کا ڈنکہ عرب بھر میں مانا گیا تھا۔ اس نے طاقت نبوی کے امتحان کے لئے۔ تین بار آپ سے
کشتی کی اور حضور پر نورؐ نے تینوں بار اس کو پچھاڑ دیا۔ رکانہ کی کشتی کا واقعہ
خصائص کبریٰ میں مسطور ہے۔

نزہۃ المجالس میں صفاطی ذکر فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی طاقت کا یہ حال تھا۔ کہ
جب آپ نے حضرت علی کو۔ بتوں کے مسمار کرنے کے لئے کعبہ کی چھت پہ چڑھایا۔ تو مولا
علی نے فرمایا۔ کہ حضورؐ نے اس قدر سے مجھے اٹھایا۔ کہ اگر میں چاہتا۔ تو آسمان دوم
تک پہنچ جاتا۔

امام طبرانی اوسط میں زوجہ ابو رافع حضرت اُم سلمہؓ سے روایت کرتی ہیں۔ وہ فرماتی ہیں۔ ایک دفعہ میں نے حضور کے غسل کردہ پانی کو پی لیا۔ جس پر حضور نے فرمایا جا اس کے سبب اللہ نے تیرے جسم پر آتشِ دوزخ کو حرام کر دیا۔

حکیم ترمذی حضرت زکواۃ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ کا سایہ نہ چاند کی چاندنی میں دکھائی دیتا تھا۔ اور نہ سورج کی روشنی میں۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

یہ ہم کہتے ہیں دنیا میں محمدؐ آئے بے سایہ۔
خدا جانے محمدؐ تھے کہ تھا سایہ محمدؐ کا۔

حضور اکرمؐ کے جسم مبارک پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ ابن سبعؒ نے حضور کے خصائص میں لکھا ہے۔ کہ آپ کے کپڑوں پر بھی مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ اور حضورؐ کے خصائص جسم سے یہ بھی ہے۔ کہ جسمِ اطہر پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ گویا مکھی بھی حضور کی عظمت و بزرگی کو پہچانتی ہے۔ اور آپکا ادب کرتی ہے۔

گزرے جس راہ سے وہ سیّدِ والا ہو کر۔
رہ گئی ساری زمین عنبر سارا ہو کر۔

اور چونکہ محبوبِ خداؐ کا سارا جسم خوشبودار تھا۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ حضورؐ جس راستے سے گزر جاتے تھے۔ وہ خوشبو سے مہک جاتا تھا۔ اور صحابہ جب راستے میں خوشبو محسوس کرتے۔ تو کہہ دیتے۔ کہ نبی پاکؐ اس راستے سے گزر رہا ہے۔

دارمی و بیہقی ابو نعیم۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور اکرم کی خاص نشانیوں سے یہ بھی تھا۔ اگر کوئی آپ کے پیچھے آپ کو تلاش کرنے کے لئے آتا

تو صرف خوشبو سے پہچان لیتا تھا۔ اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور حضور ﷺ
جس راستے سے گزرتے۔ پتھر اور درخت آپکو سجدہ کرتے تھے۔

دارمی ابراہیمؓ سے روایت ہے۔ کہ اندھیری رات میں۔ ہم حضور ﷺ کو خوشبو
سے پہچانتے تھے۔ کہ آپ یہاں سے تشریف لے جا رہے ہیں۔
بزار حضرت معاذ بن جبل سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میں ایک دن حضور کے ہمراہ
چل رہا تھا۔ حضور نے مجھے فرمایا۔ کہ ہمارے ساتھ مل کر چلو۔ وہ فرماتے ہیں۔ جب میں
آپکے قریب ہوا تو۔ آپ کے جسم سے جو خوشبو مجھے آرہی تھی۔ وہ مشک و عنبر میں
نہ تھی۔ نازنین۔ جسم منور۔ روشن و منور ہے۔ خوشبو دار ہے
یعنی بے مثل نے اپنے محبوب کے ہر عضو کو بے مثل بنایا ہے سچ ہے۔ وہ
سر تا بقدم ہے۔ تن سلطان زمن پھول۔
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول۔

سید عالم کے دوش مبارک بھی عجیب شان کے تھے۔ امام بزار و بیہقی نے
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب حضور کے دوش مبارک سے چادر اتر جاتی
اور آپکے کاندھے ظاہر ہو جاتے۔ تو یہ معلوم ہو جاتا۔ کہ یہ چاندی کے ڈھلے ہوئے ہیں۔
حضور اکرم کے دوش مبارک کی قوت کا یہ حال ہے۔ کہ حضرت علی فرماتے ہیں
کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن مجھے اٹھایا۔ اور اس سے اٹھایا۔ میں چاہتا تو
آسمان پہ پہنچ جاتا۔
امام رازی کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی کے ماتحت لکھتے
ہیں۔ کہ جب ابوجہل نے حضور نبی کریم کو۔ پتھر کے ساتھ شہید کرنے کا ارادہ کیا

اور آپکے قریب آیا۔ تو اُس نے دوشِ مبارک پہ دو بڑے اژدہے دیکھے۔ اور ڈر کر بھاگ گیا

امام بخاری اپنی تاریخ یزید ابن اصم سے روایت کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کو کبھی جمائی
نہ آئی۔

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ محبوبِ خدا تمام انسانوں سے زیادہ خوبصورت
تھے۔ آپکا چہرہ انور نورانی تھا۔ جس نے بھی آپکو دیکھا۔ چودھویں کا چاند بتایا۔ بلکہ

رُخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی۔
رہ گیا بوسہ دہ نقشِ کفِ پا ہو کر۔

اور آپکے چہرہ اقدس پہ پسینہ موتی کی طرح نظر آتا تھا۔ اور اس کی خوشبو مشک سے
زیادہ تھی۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور اکرم دوپہر کے وقت
ہمارے مکان میں تشریف لائے۔ اور آپنے آرام فرمایا۔ میری والدہ ایک شیشی لے آئیں
اور آپکا پسینہ مبارک اس میں بھرنے لگیں۔ آپ بیدار ہوئے۔ تو فرمانے لگے۔ اے ام سلیم یہ
کیا کر رہی ہو۔ عرض کی سرکار۔ یہ آپکا پسینہ مبارک ہے۔ ہم اس سے خوشبو
بنائیں گے۔ کیونکہ یہ ایک بہترین خوشبو ہے۔

ہمارے پسینہ کو حضور ﷺ کے پسینے سے کیا نسبت۔ ہمارا پسینہ بدبودار ہے
اور سیدالابرار کا پسینہ خوشبودار ہے۔

چنانچہ ابن عساکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے
ہیں۔ کہ دربارِ رسالت میں۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ میری بیٹی کی
شادی کرنی ہے۔ آپ میری مدد فرمائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ایک شیشی لے آ۔ اس نے
حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے اپنی کہنیوں کا پسینہ شیشی میں بھر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ اپنی
بیٹی سے کہہ دینا۔ کہ یہ پسینہ عطر کی جگہ استعمال کرے۔ جب حضور کا پسینہ کو

استعمال کرتی۔ تو مدینے والے اس کی خوشبو کو سونگھتے۔ اور مدینہ کا شہر خوشبو سے مہک جاتا۔ اسی لیے لوگ اس گھر کو خوشبوؤں کا گھر کہنے لگے۔ ؎

واہ اے عطرِ خدا ساز مہکنا تیرا۔
خوبرو ملتے ہیں کپڑوں سے پسینہ تیرا۔

—

Muhammad. Abbas. nizami.

28 : 2 . 98

قلبِ منور

حضور اکرم ﷺ کا قلب مبارک، تجلیات ربانیہ و معارف رحمانیہ کا گنجینہ تھا۔ جسمانی وساوس
سے پاک۔ رحمت الٰہی کا مسکن۔ ہمیشہ بیدار رہنے والا غفلت سے دور ہے۔ حضرت
عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کی۔ سرکار آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے
ہیں۔ اور بعد بغیر وضو فرمائے۔ وتر ادا کر لیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے عائشہ
اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِی۔ میری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل بیدار رہتا ہے۔

(بخاری شریف)

ابن سعد حضرت عطا سے راوی حضور نبی کریم نے فرمایا۔ ہم انبیاء کا گروہ سے ہیں۔
ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ حضور کا قلب مبارک ہمیشہ
بیدار رہتا ہے۔ اور آپکی نیند بھی بے نظیر ہے۔ اور ناقض وضو نہیں۔ انبیاء کے خواب بھی
وحی ہوتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت عبیدہ ابن عمیر کو یہ کہتے
سُنا ہے۔ رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ وَحْیٌ، انبیائے کرام کے خواب بھی وحی الٰہی ہیں

(بخاری شریف)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا۔ اور آپکے
قلب مبارک کو سنہری طشت میں غسل دے کر۔ ثُمَّ حُشِیَ اِیْمَانًا وَّحِکْمَۃً
ثُمَّ اُعِیْدَ مَکَانَہٗ۔ ایمان و حکمت سے بھر کر سینہ اقدس میں رکھ دیا گیا

حضور نبی کریم کا سینہ مبارک کشادہ و فراخ تھا۔ شکم مطہر سینے کے برابر اور ہموار
تھا۔ سینے سے ناف تک ایک بالوں کی لکیر نمودار تھی۔ سینہ مبارک کئی بار شق کیا گیا
اس میں حکمت و ایمان بھر آیا۔ حضور خود فرماتے ہیں۔ کہ شق صدر میں مجھے کوئی
تکلیف نہ ہوئی۔ یہ سینہ چاک کئی بار ہوا۔ جس میں صدہا حکمتیں تھیں۔ حضرت انس
فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آپ ﷺ کے سینہ مبارک میں۔ شگاف کے سلے ہوئے

نشان دیکھے۔

حضور ﷺ کی پشتِ مبارک سفید رنگ کی اور مضبوط تھی۔ حضرت محرش رضی اللہ عنہ
کہتے ہیں کہ میں نے جب پشتِ انور پر نظر ڈالی۔ تو چاندی کی طرح سفید اور مضبوط
تھی۔ مونڈھوں کے درمیان۔ مثل بیضہ کبوتر گوشت ابھرا ہوا تھا۔ جس میں
کچھ بال اور تل تھے۔ جن کے جمع ہونے پر ایک عبارت پڑھی جاتی تھی۔ اس ابھار کو مہرِ نبوت
کہتے ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

خَاتَمُ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ ۔

خاتم نبوت دونوں مونڈھوں کے درمیان بیضہ کبوتر کے برابر تھی۔ حضرت ابن عمر
فرماتے ہیں۔ خاتم نبوۃ ایک گوشت کا ابھار تھا۔ جو آپ کے پشتِ مبارک میں تھا۔ اور
اس گوشت کے لفظوں سے محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

امام ابو نعیم نے حضرت حضرت سلمان رضی سے جو روایت کی ہے۔ اس میں
وہ فرماتے ہیں۔ خاتم نبوۃ مثل بیضہ کبوتر تھی۔ اور اس پر یہ سطریں پڑھی جاتی تھیں
وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ۔ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ محمد
اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے بغل مبارک بھی بے مثل و بے نظیر تھے۔ آپکے بغل میں۔
مشک و عنبر سے زیادہ خوشبو آتی تھی۔ اور چاندی کی طرح سفید تھے۔ ان میں بال وغیرہ
بھی نہ تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے دعا میں اس قدر بلند
ہاتھ اٹھائے۔ کہ میں نے آپکے بغلوں کی سپیدی دیکھ لی۔ ابن سعد جابر بن
عبداللہ رضی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ جب سجدہ فرماتے۔ تو آپ کے بغلوں کی سپیدی
نظر آجاتی تھی۔

امام طبرانی حضور ﷺ کے خصائص میں ذکر کرتے ہیں۔ کہ تمام آدمیوں

کے بغلوں کا رنگ متغیر ہوتا ہے لیکن آپ کے بغل مبارک کا رنگ متغیر نہ تھا۔
اِلَّا لَا شَعرَ فِیہِ ۰ نیز آپ کے بغل میں بال بھی تھے۔

دامی قبیلہ حریش کے ایک شخص سے راوی ہیں وہ کہتے ہیں۔ جب حضور نے ماعز بن
مالک کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ تو میں گھبرا گیا۔ آپ نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔
اور آپ کے بغل مبارک کا پسینہ مجھ پر ٹپکنے لگا۔ جس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔

حوالہ مذکور

Muhammad abbas . nizami -

28 : 2 : 98

قدِ مبارک

صلعم

حضورِ اکرمؐ کا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی تھی۔ نہ بہت دراز نہ بہت چھوٹا۔ جس سے یہ معجزہ ظاہر ہوتا تھا۔ کہ جب آپ چلتے۔ تو ہر طویل قدوقامت کے آدمی آپ کے آگے پیچھے نظر آتے۔ جب آپ قوم کے درمیان بیٹھتے تو آپ کے مونڈھے سب سے بلند رہتے۔

امام بیہقی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ نبی کریمؐ کا قد مبارک درمیانہ تھا۔ اور بلند قامت آدمیوں سے بھی آپ اونچے دکھائی دیتے تھے۔ امام ابن سبعؒ نے آپ کے خصائص میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ جب آپ مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ تو مجلس کے تمام آدمیوں سے آپ کے دوشِ مبارک بلند نظر آتے تھے۔

تیرا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے۔
اسے بو کر تیرے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے۔

حضورِ سرورِ عالم کا سرِ مبارک قدرتِ خداوندی کا نمونہ تھا۔ نہایت معتدل اور قامت اقدس پہ موزوں۔ سر کے بال سیاہ چمکیلے۔ گھونگھر والے تھے۔ نہ بالکل سیدھے۔ اور نہ پیچیدہ بل کھائے ہوئے۔ آپ کے بال کبھی نصف کان تک۔ اور کبھی کان کی لو تک رہتے۔ بالوں کے برکات و حسنات اور معجزات کا بھی ٹھکانہ نہ تھا۔ زرقانی میں ہے۔ کہ حضور کا سرِ مبارک۔ بڑا مگر اعتدال سے زیادہ نہ تھا۔ بال سیاہ چمکدار تھے۔

یہ بھی ایک معجزہ تھا۔ کہ جب ابوجہل ایک پتھر لے کر۔ آپ پر حملہ آور ہوا۔ اور چاہتا یہ تھا۔ پتھر سے کچل دوں۔ تو سرِ اقدس کی عظمت و رفعت سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ کہنے لگا۔ جب میں آپؐ کے قریب ہوا۔ تو میں نے ایک خطرناک دانتوں والا اونٹ دیکھا۔ جو مجھے کھانا چاہتا تھا۔ جب اس واقعے کی اطلاع حضور کو ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ جبرائیلؑ تھے۔ اگر ابوجہل قریب آتا۔ تو پکڑا جاتا۔ (ابن ہشام)

جبرائیل جیسا فرشتوں کا سردار رحمت عالم کے در کی دربانی کرتا ہے۔

حضور ؐ کی پیشانی مبارک کشادہ اور نورانی تھی۔ اس قدر چمکدار اور روشن تھی۔ کہ جب رات کو پیشانی سے بال اٹھاتے تو معلوم ہوتا۔ گویا کہ مقوالسراج۔ یہ ایک چراغ روشن ہے۔ جو دمک رہا ہے۔

خطیب ابن عساکر ابونعیم۔ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ سید دوعالم ؐ میرے سامنے تشریف فرما تھے۔ اور میں چرخہ کات رہی تھی۔ اور حضور کی پیشانی اقدس کو پسینہ آرہا تھا۔ اور اس سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں میں یہ دیکھ کر حیران ہوگئی۔ اور کاتنے سے ٹھہر گئی۔ حضور نے فرمایا۔ کیوں حیران کیا ہے۔ میں نے عرض کی سرکار میرے حیران ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ میں دیکھ رہی ہوں۔ کہ آپ کی پیشانی پر پسینہ آرہا ہے۔ اور پسینہ کے ہر قطرے سے نور کا فوارہ جاری ہے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور سے زیادہ خوبصورت کسی چیز کو نہ دیکھا میں نے دیکھا۔ کان الشمس تجری فی جبہتہٖ۔ گویا کہ آفتاب آپ کی پیشانی میں رواں ہے۔ (حوالہ مذکور)

حضور سرور انبیاء حبیب کبریا ؐ۔ کی گردن مبارک بھی ایک معجزہ تھی اعتدال کے ساتھ طویل اور چاندی کی طرح سفید صراحی دار تھی۔ جس کا رنگ سفید تھا۔ (کان ابریق فضۃ) گویا آپ کی گردن چاندی کی صراحی تھی۔ اور حق تو یہ ہے۔ جسم پاک کا سارا جسم ہی بے مثال تھا۔ حضرت براء ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ؐ چہرہ کے حسن وجمال اور خلق کے لحاظ سے سب سے زیادہ حسین تھے۔

اور صحابہ کرامؓ جب حضور نبی پاک ﷺ کے حسن و جمال کو بیان کرتے کرتے عاجز آجاتے تو یہ جملہ ان کے لب پہ ہوا کرتے تھے۔ آپ کی مثال نہ آپ سے پہلے دیکھی گئی اور نہ بعد میں۔

Muhammad. abbas. nizami.

28 : 2 : 98

فضلاتِ نبوی

حضور نبی کریمؐ کے جمیع فضلات مبارکہ اُمت کے حق میں طیب وطاہر باعث برکت ورحمت ہیں۔ لیکن خود آپ کے حق میں آپکی عظمت شان کے سبب حکم اصلی باقی ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں سرکار کے کپڑوں سے اگر منی سوکھی ہوئی ہوتی تو کھرچ دیتی۔ اور اگر تر ہوتی۔ تو دھو ڈالتی تھی۔ دراں حالیکہ حضور نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ اور آپکے کپڑے گیلے ہوتے تھے۔ اس حدیث سے فقہاء کرام نے استدلال کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ کے اس فعل سے معلوم ہوا۔ کہ حضورؐ کے فضلات یعنی بول وبراز وغیرہ آپ کے حق میں تو حکم اصلی پر باقی ہیں۔ اور اُمت کے حق میں۔ طیب وطاہر ہیں۔

سرورِ عالم کا لعاب مبارکہ۔ مشک وعنبر سے زیادہ خوشبودار تھا۔ ہر مرض کے لیے اکسیر۔ اور بے شمار برکتوں اور رحمتوں کا حامل ہے۔ امام ابونعیم حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میرے مکان کے کنوئیں میں حضور انورؐ نے اپنا لعاب مبارک ڈال دیا۔ جس کا اثر یہ ہوا۔ مدینہ میں کوئی کنواں ایسا نہ تھا۔ جس کا پانی اس کنوئیں سے زیادہ میٹھا ہو۔

لعاب مبارک کی برکت سے کنوئیں کا پانی میٹھا ہوگیا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ اس کنوئیں کا پانی بے مثل وبے نظیر ہوگیا۔ اور مدینے کا کوئی کنواں اس کنوئیں کی فضیلت نہ پاسکا۔ کیونکہ اس لیے۔ بے مثل انسان کا لعاب مبارک تھا۔ بے مثل نے کنوئیں کے پانی کو بے مثل کر دیا۔

جس سے کھاری کنوئیں شیریں جان بنیں

اس زلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام

امام ابونعیم حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے۔ کہ حضور ؐ کی خدمت میں
پانی کا ایک ڈول لایا گیا۔ حضور پاک ؐ نے اس ڈول سے پانی نوش فرمایا۔ پھر آپ نے کنویں
میں کلی فرمائی۔ جس کا اثر یہ ہوا۔ کہ کنویں سے مشک و عنبر کی خوشبو آنے لگی۔

بیہقی و امام ابونعیم حضرت رزینہ ؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں
کہ یوم عاشورہ کے دن حضور ؐ نے حضرت حسنین ؓ کو اپنے پاس بلایا۔ اور ان کے منہ
میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا۔ اور فرمایا۔ کہ اب ان دونوں بچوں کو رات تک دودھ پلانے
کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور آپ کا لعاب مبارک ان کو رات
تک کافی ہوتا۔ سبحان اللہ آپ کے لعاب مبارک میں کیسی عجیب و غریب برکت
تھی۔ کہ آپ کا لعاب دودھ کی جگہ کام دیتا تھا۔

ابن امامہ فرماتے ہیں۔ ایک عورت نہایت فحش گو بدزبان تھی۔
ایک مرتبہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ آپ قدید تناول فرما رہے تھے۔ اس نے عرض
کی مجھے بھی دیجئے۔ آپ نے اپنے سامنے سے کچھ عطا فرمایا۔ اس نے عرض کی حضور یہ
نہیں۔ بلکہ اپنے منہ کا نوالہ عطا فرمائیے۔ اور آپ نے وہ بھی عطا فرمایا۔ اور اس
نے فوراً کھا لیا۔ ابن امامہ کہتے ہیں۔ کہ حضور ؐ کے لقمہ کھانے کے بعد اس عورت نے
فحش کلامی نہ کی۔ اور کبھی کسی نے اس کی بدزبانی کو نہ جانا۔

ابن سعد متعدد صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور ؐ بیر بضاعہ
پر تشریف لائے۔ اور اس کنویں سے پانی کا ایک ڈول نکلوایا۔ نوش فرمایا۔ پھر ڈول میں لعاب
مبارک بھی ڈالا اور کلی بھی فرمائی۔ پھر اس ڈول کا پانی واپس کنویں میں ڈلوا دیا۔ آپ
کے زمانہ میں جب کوئی بیمار ہوتا۔ تو فرماتے۔ بیر بضاعہ کے پانی سے اس کو غسل

کراؤ۔ جب مریض غسل کرے تو اسی وقت شفا ہو جائے۔

ناظرین۔ اس کنوئیں کے پانی میں یہ قوت و طاقت اور برکت کیوں پیدا ہوگئی۔ صرف اس لئے کہ حضور نے اپنا لعاب دہن اس میں ڈال دیا تھا۔ اور اسی کی برکت اسی کی طاقت اسی کا فیض تھا۔ جو کنوئیں کے پانی سے ظاہر ہوا۔ اور شافی الامراض نے کنوئیں کے پانی کو شافی الامراض بنا دیا۔

ابن حبان حضرت ابن عباس سے راوی ہیں۔ کہ ایک غلام قریشی نے حضورؐ کے پچھنے لگائے۔ جسم اقدس سے جو خون نکلا وہ اس نے پی لیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ جا تو نے اپنے نفس پہ دوزخ کی آگ حرام کر لی۔

فتاوی اسعدیہ کے اندر ہے۔ کہ یوم احد میں حضور کے سر مبارک سے جو خون نکلا وہ حضرت مالک ابن سنان نے پی لیا۔ حضور کو جب اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ جو زمین پر جنتی کو دیکھنا چاہے۔ وہ مالک ابن سنان کو دیکھ لے۔

شفا شریف ملا علی قاری میں ہے۔ ابن زبیر رض نے جب حضور اکرم کا خون پاک مطہر و متبرک پیا۔ تو کسی نے ان سے پوچھا۔ کہ خون کا ذائقہ کیا تھا۔ ابن زبیر نے فرمایا ذائقہ شہد کی طرح تھا۔ اور خوشبو مشک و عنبر جیسی تھی۔ دیکھیے۔ حضور کے خون اقدس میں مشک و عنبر کی خوشبو ہے۔ اس کا ذائقہ شہد کی طرح ہے۔ اس کے پینے سے انسان جنتی بن جاتا ہے۔ کیا عام انسانوں کے فضلات میں بھی ایسی برکت پائی جاتی ہے۔

حضور اکرمؐ کے براز مبارک کے متعلق تفصیل کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس کی تو ضیحات کیا تھی۔ کیونکہ آج تک کسی نے آپ کے براز مبارک کو

دیکھا ہی نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے دربارِ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ جب آپ بیت الخلاء تشریف لے جاتے ہیں۔ تو میں وہاں کوئی گندگی نہیں دیکھتی ہاں وہاں خوشبو پاتی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتی ہمارے جسم ارواح اہل جنت پر پیدا کیے گئے ہیں۔ جو چیز نکلتی ہے۔ زمین اس کو نگل جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ ہم جو کھاتے ہیں۔ وہ گندگی بنتی ہے۔ اور حضور چونکہ نور ہیں۔ اس لیے آپ جو تناول فرماتے ہیں۔ وہ نور بنتا ہے۔

حاکم و دارِقطنی و ابونعیم حضرت ام ایمن سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں۔ ایک شب حضور علیہ السلام بیدار ہوئے۔ اور آپ نے ایک پیالہ میں پیشاب فرمایا۔ جب میں رات کو اٹھی اور پیاسی تھی۔ میں نے آپ کا بول مبارک پی لیا۔ اور صبح کو میں نے رات کا واقعہ آپ کو سنایا۔ آپ نے سن کر تبسم فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا آج سے کبھی تجھے پیٹ کی بیماری نہ ہوگی۔

امام عبدالرزاق رضہ نے بھی تخریج کی ہے۔ کہ ایک عورت جس کا نام برکت تھا۔ انہوں نے بھی۔ آپ کا بول مبارک پی لیا۔ جس کی برکت سے وہ کبھی بیمار نہ ہوئیں۔ معلوم ہوا۔ کہ امت کے حق میں۔ حضور نبی کریمؐ کے فضلات مبارک طیب وطاہر باعث وبرکت ہے۔ بلکہ دافع البلاء ہیں۔ اور امراض کے ازالہ کی طاقت رکھتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضورؐ فوراً منع فرما دیتے۔ اور حضرت ام ایمن کو حکم دیتے کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

امام طبرانی و بیہقی سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت برہ خادم ام سلمہ نے حضور نبی کریم کا بول مبارک پی لیا۔ جس پر حضور نے فرمایا۔ تم نے اپنے نفس کو دوزخ سے بالکل بچا لیا۔

امام طبرانی سلمی امرادہ ابی رافع سے راوی وہ کہتی ہیں۔ کہ حضور پر نور صلی اللہ
نے غسل فرمایا۔ تو میں نے آپ کے غسل شریف کا پانی پی لیا۔ اور آپ کو اطلاع دی
آپ نے فرمایا۔ جا تیرے جسم پر آتش دوزخ حرام ہو گئی۔

سبحان اللہ۔ حضور نبی کریم کی کیا شان ہے۔ آپ کے بول مبارک کے پینے سے
جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ غسل شریف کے غسالہ کی برکت سے
آتش دوزخ سے نجات ملتی ہے۔ کیا ہمسری کے دعویدار حضور کے بول
مبارک کی بھی برابری کر سکتے ہیں۔

—o—

Muhammad abbas. nizami.

28 / 2 / 1998

قدمِ مبارک

نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک ہموار تھے۔ اگر پانی ان پر پڑتا۔ تو ڈھل جاتا تھا۔ تلوے کے بیان میں مختلف روایات ہیں۔ شمائل کے الفاظ یہ ہیں

خَمْصَانُ الْاَخْمَصَیْنِ تلوا مبارک اونچا تھا۔ زمین سے نہ لگتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم ﷺ کے "اَحْسَنُ الْبَشَرِ قَدَمًا" قدم مبارک تمام انسانوں کے قدم سے حسین تھے۔ پاؤں کی انگلیاں قدرے موٹی اور مضبوط تھیں۔ انگوٹھے کے بعد والی انگلی دوسری انگلیوں سے طویل تھی۔ قدم مبارک کا اعجاز یہ تھا۔ کہ پتھر اس کے نیچے نرم ہو جاتا تھا۔ اور نشان قدم پتھر پر بن جاتا تھا۔ چنانچہ پاک و ہند اور بلادِ اسلامیہ کے متعدد مقامات پر آپ کے نشانِ قدم موجود ہیں

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشانِ کرم تو پتھر پر۔

ایڑیاں نرم اور چکنی اور صاف تھیں۔ ان پر پانی نہ ٹھہرتا تھا۔ اعتدال کے ساتھ گوشت سے بھری ہوئی تھیں۔ حضور کی ایڑیوں کی لطافت و پاکیزگی اور تلوا کی خوبصورتی کو بیان کرنا ناممکن ہے۔

نور مجسم ﷺ کی نورانی ایڑیاں سبحان اللہ۔ یہ وہ مقدس ایڑیاں ہیں جن کو روح القدس کے نورانی ہونٹ بوسہ دیتے ہیں۔ اور روح الامین کے سر کا تاج ان کو سجدہ کرتا ہے۔

یہ وہ ایڑیاں ہیں۔ جن کے سامنے شمس و قمر کی چہروں کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔ چاند کا دمکتا عارض مرجھا جاتا ہے۔ سورج کی جہانگیر روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ یہ وہ منور ایڑیاں ہیں۔ جو دن کو سورج اور رات کو چاند بن کر چمکتی ہیں۔ کائنات کو اپنی عالمگیر روشنی سے منور کر دیتی ہیں۔ اور ان کی ضیاء

سے عالم کا ذرہ ذرہ چمک اٹھتا ہے۔ اور لامکاں تک ان کی نورانیت سے مستفیض ہوتا ہے۔ ان کی طاقت کا یہ عالم ہے۔ کہ بڑا پہاڑ ان مقدس ایڑیوں کے رعب و جلال سے ٹھہر جاتا ہے۔ اور سہم کر خاموش ہو جاتا ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ حضور، حضرت ابوبکر، عمر، عثمان کی معیت میں کوہ احد پر جلوہ فگن تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا۔ فَضَرَبَ النَّبِیُّ نے۔ حضور نے پہاڑ پر ٹھوکر ماری۔ پہاڑ رک گیا۔

قدم مبارک کی رفتار کا یہ عالم تھا۔ جس کے متعلق حضرت ہند فرماتے ہیں۔ کہ نبی پاک کے قدم اقدس کی رفتار اس قدر تیز تھی۔ اگر کوئی شخص دوڑ کر بھی یہ چاہے۔ کہ آپ تک پہنچ جائے۔ تو نہ پہنچ سکتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضور اکرم سے زیادہ کسی کو تیز رفتار نہ دیکھا۔ حضور محبوب کبریا، جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا۔ کہ زمین آپ کے لئے لپیٹ دی گئی۔ ہم کوشش کے باوجود آپ تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ ؎

عرش تا فرش زمیں فرش تا عرش بریں
کیا نرالی طرز کی نام خدا رفتار ہے۔

سبحان اللہ۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم کوشش کے باوجود حضور تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ گویا سرکار کے نورانی قدم ایسے تھے۔ کہ ان کی کوئی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں ہاں یہ تو قدم نبوی کی زمین پر رفتار ہے۔ ان کی رفتار عرش پر دیکھو۔ جہاں جبرائیل جیسا بلند پرواز عرض کرتا ہے۔ حضور یہاں سے آگے نہیں جا سکتا۔ سرکار پورا برابر بڑھوں تو جل جاؤں۔

؎ اگر یکسر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم۔

معلوم ہوا۔ جہاں شہباز سدرہ کی رفتار ختم ہو۔ وہاں سے رفتار قدم پاک

شروع ہوں۔

ان مبارک ایڑیوں کے تصرفات میں سے ایک ادنیٰ تصرف یہ ہے۔ کہ مقام ذالمجاز پر ابو طالب کو پیاس لگی انہوں نے حضور سے تشنگی کی شکایت کی حضور نے یہ سن کر زمین پر ایڑی لگائی زمین سے چشمہ پھوٹ پڑا۔ میری آنکھوں نے اس سے پہلے ایسا چشمہ نہ دیکھا۔

ابو طالب نے سیر ہو کر پیا۔ حضور نے اپنی ایڑی مبارک مار کر چشمے کو بند کر دیا سبحان اللہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا مارتے تھے تب پانی نکلتا تھا۔ مگر مصطفیٰ ایک ٹھوکر سے دریا بہا رہے ہیں۔ معلوم ہوا وہ موسیٰ تھے۔ جنہیں عصا مارنے کی ضرورت تھی۔ یہ مصطفیٰ محبوب خدا ہیں۔ انہیں عصا مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے پائے اقدس میں موسیٰ کے عصا سے بھی زیادہ طاقت و قوت ہے۔

جب آ گئی ہیں جوش رحمت پہ ان کی آنکھیں
دریا بہا دیئے ہیں ذرے بہا دیئے ہیں

امام مسلم حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کو حضور نے طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کی سرکار میری اونٹنی نے مجھے تھکا دیا ہے۔ یعنی بہت سست ہے۔ آپ نے پائے اقدس سے ٹھوکر لگا دی ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ حضور کے قدم پاک کی برکت سے وہ اونٹنی ایسی تیز ہو گئی کہ کسی کو آگے نہ بڑھنے دیتی تھی۔

ترمذی شریف میں ہے۔ کہ حضرت علی بیمار ہو گئے۔ اور سخت بیمار ہو گئے یہاں تک کہ اپنی زندگی سے نا امید ہو گئے۔ حضور کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ نے ایک ٹھوکر ماری۔ اور فرمایا الہی ان کو عافیت عطا فرما۔ مولا علی فرماتے ہیں

پھر اس کے بعد مجھے اس مرض کی کبھی شکایت نہ ہوئی۔

وہ سر سے پا تک ہر ادا ہے لاجواب۔
خوبرؤوں میں نہیں ان کا جواب۔

Muhammad abbas. nizami.

28.2.1998.

نور علیٰ نور

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا مادہ سے تخلیق فرمائی۔ اور اس کو دیکھنے کے لئے انسانوں کو آنکھوں کی نعمت سے نوازا۔ اس آنکھ سے دیکھ کر انسان نفع نقصان اور بعض چیزوں میں تمیز کر سکتا ہے۔ دوست ہے، یا دشمن ہے۔ سانپ ہے۔ یا رسی۔ سونے کا ڈلا ہے، یا پتھر یا پیتل۔ پھولوں کی رنگ اور جہان کی خوشنمائی اس آنکھ کی نعمت کا کرشمہ ہے۔ جن کی آنکھیں نہیں۔ وہ اس دنیا کی مادی رنگینیوں سے بے نیاز ہیں۔ یوں کہئے۔ بقول حضرت مولانا قاسم نانوتوی) مگر اندھے کی آنکھ کو آفتاب بھی سیاہ دکھائی دیتا ہے۔

چیزوں کی اچھائی برائی دیکھنے کے لئے، جہاں آنکھ میں روشنی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح باہر بھی روشنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں دونوں جہان کی کامیابیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کو حضرت محمد ﷺ کے مبارک طریقوں پر پورا کرنے پر ملیں گیں۔ اس لئے دل میں روشنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ۔ (حج 46)

کیا سیر نہیں کی زمین کی۔ جو ان کے دل ہوتے۔ جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے۔ سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہو جاتے ہیں۔ دل جو سینوں میں ہیں۔ یعنی آنکھوں سے دیکھ کر غور نہ کیا۔ تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے۔ گو اس کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں۔ پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

قَدْ جَاءَكُم بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ و
أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝ (انعام 104)

تمہارے پاس آچکیں نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے۔ پھر جس نے دیکھ لیا۔ سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا۔ سو اپنے نقصان کو اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان ——— یعنی اگرچہ خدا بھی دکھائی نہیں دیتا۔

مگر اس کی بصیرت افروز نشانات و دلائل ہمارے سامنے ہیں۔ جو آنکھ کھول کر دیکھے گا خدا کو پالے گا۔ اور جو اندھا بن گیا۔ اس نے اپنا نقصان کیا۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (72)

اور جو رہا اس جہان میں اندھا۔ سو وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے۔ اور بہت دور پڑا ہوا راہ سے۔ یعنی یہاں ہدایت کی راہ سے اندھا رہا۔ ویسا ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے۔ اور بہت دور پڑا ہے۔

اور سورۃ طٰہٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝ (126) طٰہٰ

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے۔ تو اس کو ملنی ہے گذران تنگی کی۔ اور لاویں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا۔ وہ کہے گا اے رب مجھے کیوں اٹھایا اندھا۔ اور میں تو تھا دیکھنے والا۔ فرمایا۔ یونہی پہنچی تھیں۔ تجھ کو ہماری آیتیں۔ پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے۔ اسی طرح سورۃ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے پیدا کئے۔ آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اُجالا۔

قرآن مجید میں نور کی آیتیں۔

اللہ تعالیٰ نے نور کے متعلق قرآن پاک کی ۲۰ سورتوں میں تذکرہ فرمایا۔ جو چونتیس (39) آیتوں پر محیط ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

(1) سورۃ البقرہ

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ○ (17)

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا۔ آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔ یہ ان کی مثال ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے کچھ ہدایت دی یا اسے قدرت بخشی، پھر انہوں نے اس کو ضائع کر دیا۔ اور ابدی دولت کو حاصل نہ کیا۔ ان کا حال حسرت وافسوس اور عبرت وخوف ہے۔ اس میں وہ منافق بھی داخل ہیں۔ جنہوں نے اظہار ایمان کیا۔ اور دل میں کفر رکھ کر اقرار کی روشنی کو ضائع کر دیا۔ اور وہ بھی مومن ہونے کے بعد مرتد ہوگئے۔ اور وہ بھی جنہیں فطرت سلیمہ عطا ہوئی۔ اور دلائل کی روشنی نے۔ حق کو واضح کر دیا مگر انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور گمراہی اختیار کی اور جب حق سننے ماننے کہنے راہ حق دیکھنے سے محروم ہوئے۔ تو کان زبان آنکھ سب بیکار ہوگئے۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (257)

اللہ والی ہے مسلمانوں کا۔ انہیں اندھیروں سے۔ کفر وضلالت کی ایمان وہدایت کی روشنی اور نور کی طرف نکالتا ہے۔ اور کافروں کے حمائتی شیطان ہیں۔ وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ انہیں ہمیشہ اس میں رہنا۔

(2) سورۃ النساء

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ○ ١٧٤

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی۔ دلیل واضح سے مراد نبی پاک ﷺ ہیں۔ جن کے صدق پر ان کے معجزے شاہد ہیں۔ اور منکرین کی عقلوں کو حیران

کر دیتے ہیں۔ اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا۔ یعنی قرآن پاک۔

(3) سورۃ المائدہ

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

ترجمہ۔

بے شک ہم نے توریت اتاری اس میں ہدایت۔ اور نور ہے۔ اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے۔ ہمارے فرمانبردار نبی۔ اور عالم اور فقیہ کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی۔ اس کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں۔ اور اس کے درس میں مشغول رہیں۔ تاکہ وہ کتاب فراموش نہ ہو۔ اور اس کے احکام ضائع نہ ہوں۔ (مسئلہ۔ توریت کے مطابق انبیاء کا حکم دینا جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہم سے پہلے شریعتوں کے جو احکام اللہ اور رسول نے بیان فرمائے ہوں۔ اور ان کے ہمیں ترک کا حکم نہ دیا ہو۔ منسوخ نہ کیے گئے ہوں۔ وہ ہم پر لازم ہوتے ہیں۔ اور وہ اس پر گواہ تھے تو۔ اے یہودیو۔ تم نبی پاک ﷺ کی نعت صفت اور رجم کا حکم جو توریت میں مذکور ہے۔ اس کے اظہار میں۔ لوگوں سے خوف نہ کرو۔ اور مجھ سے ڈرو۔ اور میری آیتوں کے بدلے ذلیل قیمت نہ لو۔ یعنی احکام الٰہیہ کی تبدیل بہر صورت ممنوع ہے۔ خواہ لوگوں کے خوف اور ان کی ناراضی کے اندیشہ سے ہو۔ یا مال و جاہ رشوت کی۔ طمع سے۔ اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے۔ اس کا منکر ہو کر۔ وہی لوگ کافر ہیں۔۔

(۴۴)

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (46)

اور ہم اُن نبیوں کے پیچھے اُن کے نشانِ قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا۔ توریت کی۔ جو اس سے پہلے تھی۔ احکامِ توریت کے بیان کے بعد احکامِ انجیل کا ذکر شروع ہوا۔ اور بتایا گیا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ توریت کے مصدق تھے۔ اور ہم نے اُسے انجیل عطا کی۔ جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اور تصدیق فرماتی ہے۔ توریت کی۔ کہ اس سے پہلے تھی۔ اور ہدایت۔ اس آیت میں انجیل کے لئے لفظ ھُدًی دو جگہ ارشاد ہوا۔ پہلی جگہ ضلالت و جہالت سے بچانے کے لئے رہنمائی مراد ہے۔ دوسری جگہ ھُدًی سے سید الانبیاءؐ کی تشریف آوری کی بشارت مراد ہے۔ جو حضورؐ کی نبوت کی طرف لوگوں کی راہ یابی کا سبب ہے۔ اور نصیحت پرہیزگاروں کو۔

(6) سورۃ الانعام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے آسمان اور زمین بنائے۔ اور اندھیریاں اور روشنی پیدا کی۔ یعنی ہر ایک اندھیری اور روشنی خواہ وہ اندھیری شب کی ہو۔ یا کفر کی یا جہل کی۔ یا جہنم کی اور روشنی خواہ دن کی ہو۔ یا ایمان و ہدایت۔ علم و جنت کی ظلمات کو جمع اور نور کو واحد کے صیغہ سے ذکر فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ باطل کی راہیں بہت کثیر ہیں۔ اور راہِ حق صرف ایک دینِ اسلام اس پر۔ ایسے نشانہائے قدرت دیکھنے کے۔ کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ دوسروں کو یعنی کہ بتوں کو پوجتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ (91)

اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی۔ اور اس کی معرفت سے محروم رہے۔ اور اپنے بندوں پر۔ اس کو جو رحمت و کرم ہے۔ اس کو نہ جانا۔ (شان نزول) یہود کی ایک جماعت۔ اپنے حبر الاحبار مالک ابن صیف کو لیکر کر۔ سید دو عالم سے مجادلہ کرنے آئی۔ سید دو عالم نے اس سے فرمایا۔ میں تجھے اس پروردگار کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰؑ پر توریت نازل فرمائی۔ کیا توریت میں تو نے یہ دیکھا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ الْحَبْرَ السَّمِیْنَ ! ۔ یعنی اللہ کو موٹا عالم مبغوض ہے۔ کہنے لگا ہاں یہ توریت میں ہے۔ حضور نے فرمایا تو موٹا عالم ہی تو ہے۔ اس پر وہ غضبناک ہو کر کہنے لگا۔ کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور اس میں فرمایا گیا کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے۔ تو وہ لاجواب ہوا۔ اور یہود اس سے برہم ہوئے۔ اور اس کو جھڑکنے لگے۔ اور اس کو حبر کے عہدہ سے معزول کر دیا۔

جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا تم فرماؤ۔ کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے۔ روشنی اور لوگوں کے لئے ہدایت۔ جس کے تم نے الگ الگ کاغذ بنا لئے۔ ظاہر کرتے ہو۔ ان میں سے بعض کو۔ جس کا اظہار اپنی خواہش کے مطابق سمجھتے ہو۔

اور بہت سے چھپا لیتے ہو۔ جو تمہاری خواہش کے خلاف کرتے ہیں۔ جیسے کہ توریت کے وہ مضامین جن میں سید عالم کی نعت و صفت مذکور ہے۔ اور تمہیں وہ سکھایا جاتا ہے۔ سید دو عالم کی تعلیم اور قرآن کریم سے۔ جو نہ تم کو معلوم تھا۔ نہ تمہارے باپ

دا دا کو ۔ اللہ کہو ۔ یعنی جب وہ اس کا جواب نہ دے سکیں کہ وہ کتاب کس نے اتاری تو آپ
فرما دیجیے اللہ نے ۔ پھر انہیں چھوڑ دو ۔ ان کی بیہودہ میں انہیں کھیلتا ۔ کیونکہ جب آپ نے
حجت قائم کر دکھا ۔ اور انداز و لفہیت نہایت کو پہنچا دی ۔ اور ان کے لیے جائے عذر نہ چھوڑی
اس پر بھی وہ باز نہ آئیں ۔ تو انہیں ۔ ان کی بیہودگی میں چھوڑ دیجیے یہ کفار کے حق میں
وعید و تہدید ہے ۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ
كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۲۲)

اور کیا وہ کہ مردہ تھا ۔ تو ہم نے اسے زندہ کیا ۔ مردہ سے کافر اور زندہ سے مومن مراد
ہے ۔ کیونکہ کفر قلوب کے لیے موت ہے ۔ اور ایمان حیات ۔ اور اس کے لیے ایک نور کر دیا ۔
نور سے ایمان مراد ہے ۔ جس کی بدولت آدمی کفر کی تاریکیوں سے نجات پاتا ہے ۔ قتادہ
کا قول ہے ۔ کہ نور سے قرآن کریم مراد ہے ۔ جس سے لوگوں میں چلتا ہے ۔ اور بینائی حاصل
کر کے راہ حق کا امتیاز کرتا ہے ۔ وہ اس جیسا ہو جائے گا ۔ جو اندھیریوں میں
ہے ۔ کفر و جہل و شرہ باطنی کی یہ ایک مثال ہے ۔ جس میں مومن و کافر کا حال بیان فرمایا
گیا ہے ۔ کہ ہدایت پانے والا مومن اس مردے کی طرح ہے ۔ جس نے زندگانی پائی ۔ اور اس کو
نور ملا ۔ جس سے وہ مقصود کی راہ پاتا ہے ۔ اور کافر اس کی مثل ہے ۔ جو طرح طرح
کی اندھیریوں میں گرفتار ہوا ۔ اور ان سے نکل نہ سکے ۔ ہمیشہ حیرت میں مبتلا رہے
یہ دونوں مثالیں ہر مومن و کافر کے لیے عام ہیں ۔ اگرچہ بقول حضرت ابن عباس رضی کا شانِ نزول
کہ ابو جہل نے ایک روز نبی پاک ﷺ پر کوئی نجس چیز پھینکی تھی ۔ اس روز حضرت امیر حمزہ رضی
شکار کو گئے ہوئے تھے ۔ جس وقت وہ ہاتھ میں کمان لیے ہوئے شکار سے واپس آئے
تو انہیں اس واقعہ کی خبر دی گئی ۔ ابھی تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا ۔

مگر یہ خبر سن کر ان کو نہایت غصہ آگیا۔ اور وہ ابوجہل پر چڑھ گئے۔ اور کمان سے
مارنے لگے۔ اور ابوجہل عاجزی و خوشامد کرنے لگا۔ کہنے لگا اے امیر حمزہ کیا
آپ نے نہیں دیکھا۔ کہ محمد ﷺ کیسا دین لائے۔ اور انہوں نے ہمارے معبودوں کو برا کہا
اور ہمارے باپ دادا کی مخالفت کی۔ اور ہمیں بدعقل بنایا۔ اس پر امیر حمزہؓ نے
فرمایا ہمارے برابر بدعقل کون ہے۔ کہ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں۔ میں گواہی
دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اسی وقت
امیر حمزہؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو حضرت امیر حمزہ کا
حال اس کے مشابہ ہے۔ جو مردہ تھا۔ ایمان نہ رکھتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کیا
اور نور باطن عطا فرمایا۔ اور ابوجہل کی شان یہی ہے۔ کہ وہ کفر و جہل کی تاریکیوں میں گرفتار
رہے اور ان سے نکلنے والا نہیں۔ یونہی کافروں کی آنکھوں میں۔ ان کے اعمال بھلے کر دیئے گئے
ہیں۔ (۱۲۲) (انعام)

(۷) سورۃ الاعراف

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ 157 -

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔
(تفسیر خازن میں ہے) کہ آپ کے وصف میں نبی فرمایا۔ کیونکہ نبی ہونا۔ اعلیٰ اور اشرف
مراتب میں سے ہے۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ آپ اللہ کے نزدیک بہت بلند

درجہ رکھنے والے ہیں۔ اور اس کی طرف سے خبر دینے والے ہیں۔ اُمّی کا ترجمہ حضرت احمد رضا نے
ان پڑھ فرمایا۔ یہ ترجمہ بالکل حضرت ابن عباس رض کے ارشاد کے مطابق ہے۔ اور یقیناً اُمّی
ہونا۔ آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ کہ دنیا میں کسی سے پڑھا نہیں۔ اور کتاب
وہ لائے۔ جس میں اوّلین و آخرین غیبوں کے علوم ہیں۔

جس کو لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ یعنی توریت و انجیل میں
آپ کی نعت و صفت و نبوت لکھی پائیں گے۔ انہیں میں کے بعض اوصاف توریت میں مذکور ہیں۔
اس کے بعد انہوں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ اے نبی ہم نے تمہیں بھیجا۔ شاہد و مبشر اور نذیر
اور اُمیّوں کا نگہبان بنا کر۔ تم میرے بندے اور میرے رسول ہو۔ میں نے تمہارا نام متوکل
رکھا۔ نہ بد خلق ہو نہ سخت مزاج نہ بازاروں میں آواز بلند کرنے والے۔ نہ برائی سے برائی کو دفع
کرنے والے۔ لیکن خطا کاروں کو معاف کرتے ہو۔ اور ان پر احسان فرماتے ہو۔ اللہ تعالیٰ
تمہیں نہ اٹھائے گا جب تک کہ تمہاری برکت سے غیر مستقیم ملت کو اس طرح راست نہ
فرمادے۔ کہ لوگ صدق و یقین کے ساتھ۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پکاریں لگیں اور تمہاری
بدولت اندھی آنکھیں بینا۔ اور بہرے کان سننے لگیں۔ اور پردوں میں لپٹے ہوئے دل کشادہ
ہو جائیں۔ حضرت کعب احبار رض سے حضور کی صفات میں توریت شریف کا یہ مضمون
بھی منقول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت میں فرمایا کہ میں انہیں ہر خوبی کے قابل کروں گا
اور ہر خلقِ کریم عطا فرماؤں گا۔ اور اطمینان قلب و وقار کو ان کا لباس بناؤں گا اور
طاعات و احسان کو ان کا شعار کروں گا۔ اور تقویٰ کو ان کا ضمیر اور حکمت کو ان کا راز
اور صدق و وفا کو ان کی طبیعت اور عفو و کرم کو ان کی عادت اور عدل کو ان کی سیرت
اور اظہار حق کو ان کی شریعت اور ہدایت کو ان کا امام اور اسلام کو ان کی ملت بناؤں
گا۔ احمد ان کا نام ہے۔ خلق کو ان کے صدقے میں گمراہی کے بعد ہدایت اور جہالت کے
بعد علم و معرفت اور گمنامی کے بعد رفعت و منزلت عطا کروں گا۔ اور انہیں کی برکت سے

قلت کے بعد کثرت اور فقر کے بعد دولت اور تفرقے کے بعد محبت عطا فرماؤں گا۔ انہی کی بدولت
مختلف قبائل غیر مجتمع خواہشوں اور اختلاف رکھنے والے دلوں میں الفت پیدا کروں گا۔
اور ان کی امت کو تمام امتوں سے بہتر اعلیٰ کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی کتابیں۔ حضور کی نعت وصفت سے بھری ہوئی تھیں۔ اہل کتاب ہر قرن
میں اپنی کتابوں میں تراش خراش کرتے رہے۔ اور ان کی بڑی کوشش اس پر مسلط رہی۔ کہ
حضور کا ذکر اپنی کتابوں میں نام کو نہ چھوڑیں گے۔ توریت وانجیل وغیرہ ان کے ہاتھ میں تھیں
اس لئے انہیں اس میں کچھ دشواری نہ تھی۔ لیکن ہزاروں تبدیلیاں کرنے کے بعد بھی موجودہ زمانہ
کی بائیبل میں حضور کی بشارت کا کچھ نہ کچھ نشان باقی ہے۔

چنانچہ۔ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور 1931ء کی چھپی ہوئی بائیبل میں
یوحنا کی انجیل کے باب چودہ کی سولھویں آیت میں ہے۔

اور میں باپ سے درخواست کروں گا۔ کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا۔ کہ ابد تک
تمہارے ساتھ رہے۔ لفظ مددگار پر حاشیہ ہے۔ اس میں اس کے معنی وکیل
یا شفیع لکھے تو اب حضرت عیسیٰ کے بعد ایسا آنے والا جو شفیع ہو۔ اور ابد تک رہے۔ یعنی
اس کا دین کبھی منسوخ نہ ہو۔ بجز سید عالم کے کون ہے۔ پھر 29 / 30 آیت
میں ہے۔ اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے۔ تاکہ جب ہو جائے
تو تم یقین کرو۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار
آتا ہے۔ اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔

کیسی صاف بشارت ہے۔ اور حضرت مسیح نے اپنی امت کو حضور کی
ولادت کا کیسا منتظر بنایا۔ اور شوق دلایا ہے۔ اور دنیا کا سردار خاص سید عالم
کا ترجمہ ہے۔ اور یہ فرمانا۔ کہ مجھ میں۔ اس کا کچھ نہیں۔ حضور کی عظمت کا اظہار اس
کے حضور اپنا کمالِ ادب وانکسار ہے۔ پھر اسی کتاب کے باب سولہ کی ساتویں
آیت ہے۔

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا۔ تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

اس میں حضور کی بشارت کے ساتھ اس کا بھی صاف اظہار ہے۔ کہ حضور خاتم الانبیاء ہیں آپ کا ظہور جب ہی ہوگا۔ جب حضرت عیسیٰ بھی تشریف لے جائیں۔ اس کی شرح میں آیت ہے۔

لیکن جب سچائی کا روح آئے گا۔ تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سُنے گا۔ وہی کہے گا۔ اور غیبی آئندہ کی خبریں دے گا۔ اس آیت میں بتایا گیا۔ کہ نبی پاکؐ کی آمد پر دین الہی کی تکمیل ہو جائے گی۔ اور آپ سچائی کی راہ یعنی دین حق کو مکمل کر دیں گے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور یہ کلمے کہ اپنی طرف سے نہ کہے گا جو کچھ سُنے گا۔ وہی کہے گا۔ خاص وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کا ترجمہ ہے۔ اور جملہ کہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ اس میں صاف بیان ہے کہ وہ نبی کریمؐ غیبی علوم تعلیم فرمائیں گے۔

جیسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا۔ اور بُرائی سے منع فرمائے گا۔ اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا۔ اور گندی چیزیں ان پر حرام فرمائے گا۔ اور ان پر سے وہ بوجھ۔ یعنی سخت تکلیفیں جیسے کہ توبہ میں اپنے آپ کو قتل کرنا۔ اور جن اعضاء سے گناہ صادر ہونا ان کو کاٹ دینا۔

اور گلے کے پھندے۔ یعنی احکام شاقہ جیسے کہ بدن اور کپڑے کے جس

مشام کو نجاست لگے اُس کو کپڑے سے کاٹ ڈالنا۔ اور غنیمتوں کو جلانا۔ اور گناہوں کا مکانوں کے دروازوں پر ظاہر ہونا۔ جو اُن پر تھے اتارے گا۔

تو وہ جو اس پر بنی کریم پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں۔ اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں۔ جو اُس کے ساتھ اترا۔ اس نور سے قرآن شریف مراد ہے۔ جس سے مومن کا دل روشن ہوتا ہے۔ اور شک و جہالت کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں۔ وہی بامراد ہیں۔

(۵) سورۃ الرعد

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۱۶)

تم فرما دو۔ کون رب ہے آسمانوں اور زمین کا۔ تم خود ہی فرما دو اللہ۔ کیونکہ اس سوال کا اس کے سوا۔ اور کوئی جواب ہی نہیں۔ اور مشرکین باوجود غیر اللہ کی عبادت کرنے کے اس کے مقر ہیں۔ کہ آسمان و زمین کا مالک ہے۔ جب یہ امر مسلم ہے تو۔

تم فرماؤ کیا اس کے سوا تم نے وہ حمایتی بنا لئے ہیں۔ جو اپنا بھلا برا نہیں کر سکتے۔ یعنی بت جن کی یہ بے قدرتی اور بے چارگی ہے۔ تو وہ دوسرے کو کیا نفع و ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ ایسوں کو معبود بنایا۔ اور خالق رازق قوی و قادر کو چھوڑنا۔ انتہا درجے کی گمراہی ہے۔

تم فرما دو۔ کیا برابر ہو جائیں گے۔ اندھا اور انکھیار (بینا) (یعنی کافر و مومن) یا کیا برابر ہو جائیں گی۔ اندھیریاں اور اجالا۔ یعنی کفر اور ایمان۔ کیا اللہ کے لئے ایسے شریک ٹھہرائے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کی طرح کچھ بنایا۔ تو انہیں ان کا اور اس کا بنانا ایک سا معلوم ہوا۔ اور اس وجہ سے کہ حق ان پر مشتبہ ہو گیا۔ اور وہ بت پرستی کرنے لگے یا ایسا تو نہیں

ہے۔ بلکہ جن بتوں کو وہ پوجتے ہیں۔ اللہ کی مخلوق کی طرح کچھ بنانا تو کجا وہ بندوں کے
مصنوعات کے بھی مثل نہیں ہیں بنا سکتے۔ عاجز محض ہیں۔ ایسے پتھروں کا پوجنا عقل
و دانش کے بالکل خلاف ہے۔

تم فرماؤ۔ اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے۔ جو مخلوق ہونے کی صلاحیت رکھے۔ اس
سب کا خالق اللہ ہی ہے۔ اور کوئی نہیں۔ تو دوسرے کو شریک عبادت کرنا۔ خالق کس طرح
گوارا کر سکتا ہے۔ وہ اکیلا سب پر غالب ہے۔ سب اس کے تحت و قدرت
و اختیار ہیں۔

سورۃ ابراھیم (١)

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ

ایک کتاب ہے۔ قرآن مجید۔ کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری۔ کہ تم لوگوں کو۔ کفر و ضلالت
اندھیروں سے۔ ایمان کے اجالے میں لاؤ۔ ظلمات کو جمع اور نور کو واحد کے صیغے
سے ذکر فرمانے میں اشارہ ہے کہ دین حق کی راہ ایک ہے۔ اور کفر و ضلالت کے طریقے کثیر
ان کے رب کے حکم سے اس کی راہ۔ یعنی دین اسلام۔ کی طرف جو عزت والا ہے۔
سب خوبیوں والا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ
وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (5)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں مثل عصا و ید بیضا وغیرہ معجزات
دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے۔ کفر کے سے نکال کر ایمان کے۔ اجالے
میں لا۔ اور انہیں اللہ کے دن یاد دلا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں۔ ہر بڑے
صبر والے۔ شکر گزار کو۔ قاموس میں ہے۔ ایام اللہ سے اللہ کی نعمتیں

مراد ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی ایام اللہ کی تفسیر اللہ کی نعمتیں فرمائیں۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ ایام اللہ سے وہ دن مراد ہیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں پر انعام کیے۔ جیسے بنی اسرائیل پر من و سلویٰ اتارنے کا دن۔ حضرت موسیٰؑ کے لئے دریا میں راستہ بنانے کا دن۔

(8) سورۃ النور

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۞ 35

اللہ نور ہے۔ نور اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا ہادی ہے۔ تو اہل زمین و آسمان اس کے نور سے حق کی راہ پاتے ہیں۔ اور اس کی ہدایت سے گمراہی کی حیرت سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا منور فرمانے والا ہے اس نے آسمانوں کو ملائکہ سے اور زمین کو انبیاء سے منور کیا۔

آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی سے اللہ کے نور سے یا تو قلب مومن کی وہ نورانیت مراد ہے۔ جس سے وہ ہدایت پاتا ہے اور راہ یاب ہوتا ہے۔ مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔ وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے۔ موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے۔ برکت والے پیڑ زیتون سے (یہ درخت نہایت کثیر البرکت ہے۔ کیونکہ اس کا روغن جس کو زیت کہتے ہیں۔ نہایت صاف و پاکیزہ روشنی دیتا ہے۔ سر میں بھی لگایا جاتا ہے۔ سالن اور نانخورش

کی جگہ روشنی سے بھرا ہوا پایا جاتا ہے۔ دنیا کے اور کسی تیل میں یہ صفت نہیں۔ اور درخت دیکھوں کے بیچ نہیں گرے۔) جو نہ پورب کا نہ پچھم کا۔ بلکہ وسط کا ہے کہ ایسے گرمی سے ضرر پہنچے نہ سردی سے اور وہ نہایت اجود و اعلیٰ ہے۔ اور اس کے پھل غایت اعتدال ہے قریب ہے کہ اس کا تیل۔ اپنی صفا و لطافت کے باعث خود بھڑک اُٹھے اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے۔

اس تمثیل کے معنی اہل علم کے کئی قول ہیں۔ ایک یہ کہ نور سے مراد ہدایت ہے اور معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت غایت ظہور میں ہے۔ کہ عالم محسوسات میں اس کی تشبیہ ایسے روشندان سے ہو۔ ممکن ہے۔ جس میں صاف و شفاف فانوس ہو۔ اس فانوس میں ایسا چراغ ہو۔ جو نہایت ہی بہتر اور مصفیٰ زیتوں سے روشن ہو۔ کہ اس کی روشنی نہایت اعلیٰ اور صاف ہو۔ ایک قول یہ ہے۔ کہ یہ تمثیل نور سید الانبیاء ﷺ کی ہے۔

حضرت ابن عباس رض نے کعب احبار سے فرمایا۔ کہ اس آیت کے معنی بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی مثال بیان فرمایا۔ روشندان (طاق) تو حضور کا سینہ شریف ہے۔ اور فانوس قلب مبارک اور چراغ نبوت کہ شجر نبوت سے روشن ہے اور اس نور محمدی ﷺ کی روشنی و صفائیت اس مرتبہ کمال ظہور پر ہے۔ کہ اگر آپ اپنے نبی ہونے کا بیان بھی نہ فرمائیں۔ جب بھی خلق پر ظاہر ہو جائے گا۔ اور حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔ کہ روشندان تو نبی پاک کا سینہ مبارک ہے۔ اور فانوس قلب اطہر اور چراغ وہ نور جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا۔ کہ شرقی ہے نہ غربی۔ نہ یہودی ہے نہ نصرانی ایک شجرہ مبارک سے روشن ہے۔ وہ شجر۔ حضرت ابراہیم ہیں۔ نور قلب ابراہیم۔ پر نور محمدی نور و نور ہے۔

اور محمد بن کعب قرظی نے کہا۔ کہ روشن دان و فانوس تو حضرت اسمٰعیل ہیں

اور چراغ نبی پاکؐ۔ اور شجرہ مبارک حضرت ابراہیمؑ کہ اکثر انبیاء آپ کی نسل سے
ہیں۔ اور شرقی و غربی نہ ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے
نہ نصرانی۔ کیونکہ یہود مغرب کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ اور نصاریٰ مشرق کی طرف
قریب ہے۔ کہ محمدؐ۔ کے محاسن و کمالات نزول وحی سے قبل ہی خلق پر ظاہر ہو
جائیں۔ نور پہ نور یہ ہے۔ کہ نبی ہیں۔ نسلِ نبی سے نور محمد ہے۔ نور ابراہیم پر
اس کے علاوہ اور بھی بہت اقوال ہیں (خازن)

اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے۔ جسے چاہے۔ اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے
لوگوں کے لیے۔ اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ
فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۚ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۚ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ
لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۚ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (40)

یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے کے (گہرائی والے) دریا میں۔ سمندر کی گہرائی
میں۔ اس کے اوپر موج موج کے اوپر اور موج اس کے اوپر بادل اندھیرے
ہیں۔ ایک پر ایک ایک اندھیرا۔ دریا کی گہرائی کا۔ اس پر ایک اور اندھیرا۔
موجوں کے تراکم کا۔ اس پر اور اندھیرا بادلوں کی گھری ہوئی گھٹا۔ کا ان اندھیروں
کی شدت کا یہ عالم کہ جو اس میں ہو وہ۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو سوجھائی
دیتا معلوم نہ ہو باوجود اپنا ہاتھ نہایت ہی قریب اور اپنے جسم کا جزو ہے
جب وہ بھی نظر نہ آئے۔ تو اور دوسری چیز کیا نظر آئے گی۔ ایسا ہی حال ہے کفار
کا۔ کہ وہ اعتقاد باطل اور قول ناحق اور عمل قبیح کی تاریکیوں میں گرفتار ہے۔
بعض مفسرین نے فرمایا۔ کہ دریا کے کنڈے اور اس کی گہرائی سے کافر کے دل کو۔

اور موجوں سے جہل وشک وحیرت کو جو کافر کے دل پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور
بادلوں سے مہر کو جو ان کے دلوں پر ہے۔ تشبیہ دی گئی۔
اور جسے اللہ نور نہ دے۔ اس کے لئے کہیں نور نہیں۔ راہ یاب وہی ہوتا ہے
جس کو وہ راہ دے۔

سورۃ الفرقان ۔ (9)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا ○ (61)

بڑی برکت والا ہے۔ وہ جس نے آسمان میں برج بنائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
نے فرمایا کہ بروج سے کواکب سبعہ سیارہ کے منازل مراد ہیں۔ جن کی تعداد بارہ ہے
حمل۔ ثور۔ جوزا۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان عقرب قوس۔
جدی۔ دلو۔ حوت۔ اور ان میں چراغ رکھا۔ چراغ سے مراد آفتاب
مراد ہے۔ اور چمکتا چاند۔ یعنی آسمان میں چراغ سورج۔ اور نورانی چاند بنایا

---

(71) سورۃ ~~الاحزاب~~ القصص (15)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ

اے پیارے محبوب ﷺ۔ اہل مکہ سے فرمائیں۔ بھلا دیکھو تو اگر اللہ ہمیشہ تم پر قیامت
تک رات رکھے۔ اور دن نکالے ہی نہیں۔ تو اللہ کے سوا کون خدا ہے۔ جو تمہیں
روشنی لادے۔ جس میں تم اپنی معاش کے کام کر سکو۔ تو کیا تم سنتے نہیں۔
گوش ہوش سے کہ شرک سے باز آجاؤ۔

---

(11) سورۃ الاحزاب۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ (43)

وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے۔ تم پر وہ اس کے فرشتے۔ شان نزول۔ حضرت انسؓ نے فرمایا۔ کہ جب آیت (ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی) نازل ہوئی۔ تو حضرت صدیق اکبر نے عرض کی یا رسول اللہ۔ جب آپ کو اللہ تعالی کوئی فضل و شرف عطا فرماتا ہے۔ تو ہم نیاز مندوں کو بھی آپ کے طفیل میں نوازتا ہے۔ اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تمہیں۔ اندھیروں سے اجالے کی طرف نکالے۔ یعنی کفر و معصیت اور نا خدا شناسی کی اندھیروں سے حق و ہدایت اور معرفت و خدا شناسی کی روشنی کی طرف ہدایت فرمائے اور وہ مسلمانوں پر بڑا مہربان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا

اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر بہت بہترین ترجمہ ہے۔ مفردات راغب میں ہے

اَلشُّهُوْدُ وَالشَّهَادَةُ اَلْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ

یعنی شہود اور شہادت کے معنی ہیں۔ حاضر ہونا۔ مع ناظر ہونے کے بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ۔ اور گواہ کو بھی اس لیے شاہد کہتے ہیں۔ کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔ سید عالم ﷺ تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں۔ آپ کی رسالت عامہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ فرقان کی پہلی آیت میں بیان ہوا۔ کہ حضور پر نور قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں۔ اور ان کے اعمال و افعال و احوال تصدیق تکذیب ہدایت ضلال سب کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔

اور خوشخبری دیتا۔ اور ڈر سناتا۔ یعنی ایمانداروں کو جنت کی خوشخبری اور کافروں

کو عذاب جہنم کا ڈر سناتا - اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا - یعنی خلق
کو طاعت الٰہی کی دعوت دیتا - اور چمکا دینے والا آفتاب - سراج کا معنیٰ -
قرآن کریم کے بالکل مطابق - کہ اس میں آفتاب کو سراج فرمایا گیا ہے - سورۃ
نوح میں وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا اور آخر پارہ کی پہلی سورۃ میں ہے -
وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا - اور در حقیقت ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی
آپ کے نورِ نبوت نے پہنچائی - اور کفر و شرک کے ظلمات شدیدہ کو اپنے نورِ حقیقت
افروز سے دور کر دیا - اور خلق کے لئے معرفت و توحیدِ الٰہی تک پہنچنے کی راہیں - اور
روشن اور واضح کر دیں - اور ضلالت کے وادی تاریک میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے
انوارِ ہدایت سے راہ یاب فرمایا - اور اپنے نورِ نبوت سے ضمائر و بصائر اور قلوب و ارواح
کو منور کیا - حقیقت میں آپکا وجود مبارک ایسا آفتاب عالم تاب ہے - جس نے
ہزاروں آفتاب بنا دئیے - اسی لئے اس کی صفت میں منیر ارشاد فرمایا -

(12) سورۃ الفاطر

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۝

اور برابر نہیں - اندھا اور انکھیار - یعنی جاہل اور عالم یا کافر اور مرد - اور نہ
اندھیریاں - یعنی کفر - اور اجالا - یعنی ایمان ۔

(13) سورۃ زمر

أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ
لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

تو کیا - وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا - اور اس کو قبول حق کی

توفیق عطا فرمائی۔ تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ یعنی یقین و ہدایت پر
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریمؐ نے جب یہ آیت تلاوت
فرمائی۔ تو ہم نے آپؐ سے شرح صدر کا مطلب پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب نور
ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے۔ (جس سے
احکام الہی کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے) ہم نے عرض کی۔
یا رسول اللہ۔ اس شرح صدر کی علامت کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہمیشہ رہنے
والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا۔ اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا (لذائذ اور زینت)
سے دور رہنا۔ اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔۔

اس جیسا ہو جائے گا۔ جو سنگدل ہے۔ تو خرابی ہے۔ ان کی جن کے دل خدا کی
یاد کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں۔ نفس جب خبیث ہوتا ہے۔ تو قبول حق سے اس
کو بہت دوری ہوتی ہے۔ اور اللہ کے ذکر سننے سے اس کی سختی اور کدورت بڑھتی ہے
جیسے کہ آفتاب کی گرمی سے موم نرم ہو جاتا ہے اور نمک سخت ہوتا ہے۔ ایسے ہی
ذکر اللہ سے مومنین کے قلوب نرم ہوتے ہیں۔ اور کافروں کے دلوں کی سختی اور
بڑھتی ہے۔ وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِاۗيْءَ
بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

اور زمین جگمگا اٹھے گی بہت تیز روشنی سے یہاں تک کہ سرخی کی جھلک نمودار ہوگی۔
یہ زمین دنیا کی زمین نہ ہوگی۔ بلکہ نئی ہی زمین ہوگی۔ جو اللہ تعالیٰ روز قیامت کی محفل کے
لئے پیدا فرمائے گا۔ اپنے رب کے نور سے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا۔ کہ یہ چاند سورج

کا نور نہ ہوگا۔ جس کو اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا۔ اس سے زمین روشن ہو جائے گی۔
اور رکھی جائے گی کتاب۔ یعنی اعمال کی کتاب حساب کے لئے اس سے مراد یا
لوحِ محفوظ ہے۔ جس میں دنیا کے جمیع احوال قیامت تک شرحاً وبسطاً کے ساتھ
ثبت ہیں۔ یا ہر شخص کا اعمال نامہ جو اس کے ساتھ میں ہوگا۔ ا۔

اور لائے جائیں گے انبیاء اور ہر نبی اور اس کی امت کے ان پر گواہ ہوں گے
جو رسولوں کی تبلیغ کی گواہی دیں گے۔ اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرما دیا جائے گا۔
اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

(۱۴) سورۃ شوریٰ

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ
وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ
وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (52)

اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی اے میرے پیارے نبی۔ ایک جانفزا چیز یعنی قرآن
پاک جو دلوں میں زندگی پیدا کرتا ہے۔ اپنے حکم سے اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے
تھے۔ نہ احکام شرع کی تفصیل ہاں ہم نے اسے نور کیا۔ یعنی قرآن پاک کو۔
جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں۔ اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں۔ اور بے شک تم ضرور
سیدھی راہ بتاتے ہو۔ یعنی دینِ اسلام۔

(۱۵) سورۃ الحدید

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى
النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

وہی ہے کہ اپنے بندہ پر یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن آیتیں اتارتا ہے۔ تاکہ تمہیں اندھیروں سے کفر و شرک کی۔ اجالے کی طرف لے جائے۔ یعنی نورِ ایمان کی طرف اور بے شک اللہ تم پر ضرور مہربان رحم والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائیں۔ وہی ہیں کامل سچے اور اوروں پر۔ گزری ہوئی امتوں میں سے گواہ اپنے رب کے یہاں ان کے لیے ان کا ثواب جس کا وعدہ کیا گیا۔ اور ان کا نور ہے۔ جو حشر میں ان کے ساتھ ہوگا۔ اور جنہوں نے کفر کیا۔ اور ہماری آیتیں جھٹلائیں۔ وہ دوزخی ہیں۔ (۱۹)

(16) سورۃ الصف

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (8)

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور یعنی دین برحق اسلام اپنے مونہوں سے بجھا دیں۔ قرآن پاک کو شعر و سحر و کہانت بتا کر۔ اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا پڑے۔ برا مانیں کافر۔

(17) سورۃ التغابن

(8)

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔ اور اس نور پر۔ قرآن مجید پر جو ہم نے اتارا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

میدان محشر میں نور کے اسباب

(1) ابوداؤد ترمذی نے حضرت بریدہ اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ خوش خبری سنا دو ان لوگوں کو جو اندھیری راتوں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں۔ قیامت کے دن مکمل نور کی۔

(2)

مسند احمد اور طبرانی میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص پانچوں نمازوں کی محافظت کرے گا۔ اس کے لئے یہ نماز قیامت کے دن نور اور برھان اور نجات بن جائے گی۔ اور جو اس پر محافظت نہ کرے گا۔ نہ اس کے لئے نور ہوگا۔ اور نہ برہان اور نہ نجات۔ اور وہ قارون، ہامان، اور فرعون کے ساتھ ہوگا۔

(3)

طبرانی نے حضرت ابو سعیدؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ جو سورۃ کہف پڑھے گا۔ قیامت کے دن اس کے لیے اتنا نور ہوگا۔ جو اس کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک پھیلے گا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ جو شخص جمعہ کے روز سورۃ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے قدموں سے آسمان کی بلندی تک نور چمکے گا۔

(4)

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ نے فرمایا، کہ جو شخص قرآن کی ایک آیت تلاوت کرے گا۔ وہ آیت اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگی۔

(5) دیلمی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کہ مجھ پر درود بھیجنا۔ پل صراط پر نور کا سبب ہوگا۔

(6) طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ روایت حدیث نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ حج و عمرہ کے احرام سے خارج ہونے کے لیے جو سر منڈایا جاتا ہے۔ تو اس میں جو بال زمین پر گرتا ہے۔ وہ قیامت کے روز نور ہو گا۔

(7)

مسند بزار میں حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ منیٰ میں جمرات کی رمی کرنا قیامت کے روز نور ہو گا۔

(8)
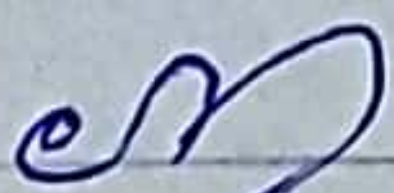
بزار نے سندِ جید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر بھی پھینکے گا اس کے لیے قیامت میں نور ہو گا۔

(9)

طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت اور تکلیف کو دور کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے پل صراط پر نور کے دو بنا دے گا جس سے ایک جہان روشن ہو جائے گا۔ جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(11) طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ کہ جس شخص کے بال حالت اسلام میں سفید ہو جائیں۔ وہ تو اس کے لیے قیامت کے دن نور ہو گا۔

Muhammad. abbas. nizami

2 : 3 : 98

دولتِ قرآن

حقیقت یہ ہے۔ کہ آج ہم لوگوں کو قرآن کریم کی اس نعمت اور دولت کی قدر
معلوم نہیں۔ بچے قرآن کریم پڑھتے ہیں۔ حفظ کرتے ہیں۔ اور الحمدللہ حسب توفیق
ہم اس پر خوشی منا لیتے ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے۔ کہ اس قرآن کریم کی دولت
کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہمیں آپ کو اس دنیا میں۔ رہتے ہوئے ہو ہی نہیں
سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن کی دولت ہمیں گھر بیٹھے بغیر محنت
کر عطا کر دی۔ ہمیں اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے اس نعمت کے حصول کے لیے کوئی
جدوجہد نہیں کرنی پڑی۔ ہم نے کوئی محنت نہیں اٹھائی، کوئی قربانی نہیں دی۔ نہ کوئی
پیسہ خرچ نہیں کیا۔ کوئی جان و مال کی قربانی اس راہ میں پیش نہیں کی۔ اس واسطے
اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہمیں آپ کو نہیں۔ اس دولتِ قرآن کی قدر صحابہ
کرام سے پوچھو۔ جنہوں نے ایک ایک آیت کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کی مال کی
آبرو کی۔ خاندان کی۔ جذبات کی ایسی قربانیاں دیں۔ کہ اس کی مثال ملنی مشکل
ہے۔

(قرآن کریم اور صحابہ کرام)

قرآن مجید کی ایک ایک آیت کو سیکھنے کے لیے صحابہ کرام نے جو دشواریاں اٹھائی
ہیں۔ جو محنتیں اٹھائی ہیں۔ ان کا حال آج ہمیں معلوم نہیں۔ قرآن ہمارے سامنے ایک
نہایت خوشنما جلد کتاب کی صورت میں موجود ہے۔ مدرسہ کھلا ہوا ہے۔ استاد
پڑھانے کے لیے موجود ہے۔ اور ہمارا کام صرف یہ ہے۔ کہ نوالہ بنا کر منہ میں لے جائیں
اور حلق سے اتار دیں۔ لیکن وہ بھی صحیح معنوں میں جس طرح اتارنا چاہیے تھا۔ اس
طرح نہیں اترتا۔

قرآن کریم کی قدر صحابہ کرام سے پوچھو۔ جنہوں نے ایک ایک چھوٹی چھوٹی آیت کی
خاطر ماریں کھائیں، کفار کے ظلم و ستم برداشت کیے، اور کس کس طرح۔ اس قرآن کو

کا علم حاصل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ایک واقعہ آتا ہے۔ ایک صحابی جو نبی کریم کے عہد مبارک میں۔ چھوٹے بچے تھے۔ اور مدینہ طیبہ سے۔ بہت فاصلے پر۔ ایک بستی میں رہتے تھے۔ مدینہ طیبہ آنا جانا ممکن نہ تھا۔ مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن نبی کریم کی خدمت میں مدینہ طیبہ جا کر علم حاصل کرنا۔ ان کی اپنی ذاتی مجبوری کی وجہ سے مشکل تھا۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں یہ کرتا تھا۔ کہ روزانہ اس سڑک پر چلا جاتا۔ جہاں سے مدینہ طیبہ کے قافلے آیا کرتے تھے۔ جو کوئی قافلہ آتا ان سے پوچھتا۔ کہ بھائی۔ اگر آپ لوگ مدینہ طیبہ سے آرہے ہیں۔ تو کیا آپ لوگوں میں سے کسی کو قرآن کریم کی کوئی آیت یاد ہے۔ اگر کسی کو قرآن کریم کی کوئی آیت یاد ہو تو۔ مجھے سکھا دیں۔ قافلہ میں کسی کو ایک آیت یاد ہوتی۔ کسی کو دو آیتیں یاد ہوتیں۔ کسی کو تین آیتیں یاد ہوتیں۔ اس طرح ان قافلے والوں سے سن سن کر۔ اور ان کے پاس جا جا کر۔ میں نے ایک ایک دو دو آیتیں حاصل کیں۔ اور الحمدللہ۔ اس طرح میرے پاس قرآن کریم کا ایک بڑا ذخیرہ جمع محفوظ ہو گیا۔

ان سے اس قرآن مجید کی قدر پوچھو۔ جن کو ایک ایک آیت حاصل کرنے کے لیے قافلے والوں کی منت سماجت کرنی پڑی۔ لیکن ہمارے پاس تو پورا قرآن تیار شکل میں موجود ہے۔ جن اللہ کے بندوں نے اسے ہم تک پہنچایا۔ جن محنتوں، قربانیوں۔ اور مشکلات سے گزر کر ہمارے لئے تیار کر کے چھوڑ گئے۔ ہمارا کام صرف اتنا رہ گیا۔ کہ اس کو پڑھ لیں۔ پڑھنا سیکھ لیں۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور پھر عمل کریں۔ گویا پکی پکائی روٹی تیار ہے۔ صرف کھانے کی دیر ہے۔ اس واسطے قدر نہیں معلوم ہوتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور بہن کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ کو ہر مسلمان جانتا ہے وہ دونوں جانتے تھے۔ اگر ہم یہ قرآن حضرت عمر کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں گے۔ اس وقت تک حضرت عمر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ تو وہ ہمیں پڑھنے نہیں دیں گے۔ بلکہ ہمیں

سزا دیں گے۔ اس لیے چھپ چھپ کر پڑھتے۔ ایک بار حضرت عمرؓ حضورؐ کے قتل
کے ارادے سے جا رہے تھے۔ کسی نے کہا۔ کہ دوسروں کو تو اسلام سے روکتے ہیں۔ اپنے گھر
کی جاکر خبر نہیں لیتے۔ وہاں پر کیا ہو رہا ہے۔ واپس آ کر دیکھا۔ کہ بہن اور بہنوئی قرآن
کریم کھولے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور وہ اس وقت سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے۔ ([illegible])

بہر حال اس مشکلات کے دور میں ایک ایک آیت صحابہ کرام نے اس طرح حاصل
کی ہے۔ اس لئے وہ اس کی قدر و قیمت پہچانتے تھے۔ چونکہ ہم اور آپ کو بیٹھے بٹھائے
یہ دولت مل گئی۔ اس لئے ان کی قدر نہیں پہچانتے۔ جب تک یہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔
جب تک یہ دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ جب تک موت نہیں آتی۔ اس وقت تک ذہن
دنیا کی ظاہری چمک دمک۔ اور دوسری چیزوں میں لگا ہوا ہے۔ ایک وقت آنا ہے
جب دنیا سے جانا ہے۔ جب انسان قبر کے اندر پہنچے گا۔ وہاں اس قرآن کریم کی عظمت
اور عظمت کا پتہ چلے گا۔ وہاں جا کر اس نعمت کا پتہ چلے گا۔ ایک ایک آیت پر کیا کچھ اجر
کیا کچھ نعمتیں اور کیا کچھ انعامات ملیں گے۔

(قرآن کریم کی تلاوت کا اجر)

ایک حدیث شریف میں نبی پاکؐ کا ارشاد ہے۔ کہ جب کوئی شخص قرآن کریم
پڑھتا ہے۔ تو اس کے لئے ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ پھر تفصیل بھی
کر کے ہم نے بیان فرمائی۔ کہ میں نہیں کہتا۔ کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ۔ الف ایک
حرف۔ لام ایک حرف۔ میم ایک حرف۔ تو جب الم پڑھا۔ تو اس الم کے پڑھنے سے
نامہ اعمال میں 30 نیکیوں کا اضافہ ہوگا۔

بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنے سے کیا حاصل؟
یہ تو ایک نسخہ ہدایت ہے۔ اس کو سمجھ کر انسان پڑھے۔ اور اس پر عمل کرے۔ تو
اس کا فائدہ حاصل ہوگا۔ محض طوطے مینا کی طرح اس کو رٹ لیا۔ اس سے

فائدہ کیا۔ تو سرکار ﷺ نے بیان فرمایا۔ کہ یہ قرآن ایسا نسخہ ہے۔ کہ جو شخص اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرے۔ اس کے لیے تو باعث شفا ہے ہی۔ لیکن اگر کوئی شخص محض اس کی تلاوت کیا کرے۔ بغیر سمجھے بھی تو اس پر۔ بھی اللہ تبارک تعالیٰ نے اتنی نیکیاں لکھی ہیں۔ کہ ایک الم کے پڑھنے سے تیس نیکیوں کا اضافہ ہو جاتا ہے

(قرآن کریم سے غفلت کا باعث)

ان نیکیوں کا حاصل کرنے کے لیے کوئی کشش پیدا نہ ہوئی۔ کوئی جنبش نہ ہوئی۔ کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ کوئی جذبہ دل میں پیدا نہ ہوا۔ کیوں؟ اس واسطے کہ آج کی دنیا کا سکہ نیکیاں نہیں۔ یہ جو کہا جا رہا ہے۔ کہ نیکیوں میں اضافہ ہو جائے گا نامہ اعمال میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ سکہ رائج الوقت نہیں۔ اگر یوں کہا جاتا۔ کہ الم کے الف پر دس روپے ملیں گے۔ لام پر دس روپے ملیں گے۔ تو دل اس کی طرف کھنچے۔ کشش ہوتی۔ لوگ دوڑے بھاگتے کہ یہ تو بہت سستا سودا مل رہا ہے۔

کہ الم پڑھو اور تیس روپے کماؤ۔ لیکن چونکہ یہ کہا جا رہا ہے۔ کہ روپے کی جگہ نیکیاں ملیں گی۔ کوئی کشش کوئی جنبش کوئی حرکت دل میں پیدا نہیں ہو رہی۔ اس واسطے کہ نیکیوں کی قدر معلوم نہیں۔ جانتے نہیں۔ کہ نیکی بڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اور روپے کی قدر معلوم ہے۔ دس روپے ملیں گے۔ تو ان سے اتنا کام ہوگا۔ اور تیس روپے ملیں گے تو ان سے اتنا کام ہوگا۔ اس واسطے ان کی قدر و قیمت کا پتہ ہے۔ نیکیاں بڑھنے سے کونسی کار ہاتھ آگئی۔ کونسا بنگلہ بن گیا۔ نیکیاں بڑھ گئیں تو کیا ہوگا۔ سکہ رائج الوقت تو پیسہ ہے نیکی نہیں۔ اس واسطے اس کی طرف کشش نہیں ہوتی۔ اس کی طرف دل میں حرکت نہیں ہوتی۔

جس روز یہ آنکھ بند ہوگئی۔ جس روز اس قلب کی حرکت رک جائے گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور حاضری ہوگی۔ اس دن پتہ چلے گا۔ کہ یہ نیکیاں کیا چیز تھیں۔
اور یہ وہ تھے۔ جن کی ہم قدر کیا کرتے تھے۔ جو آج بڑی قیمتی چیز ہیں۔ یہ کیا تھے۔

(درحقیقت مفلس کون ہے)

حدیث میں آتا ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا۔ کہ بتاؤ۔
مفلس کسے کہتے ہیں۔ مفلس کے کیا معنی ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔
مفلس تو اس کو کہتے ہیں۔ جس کے پاس دینار و درہم نہ ہوں۔ یعنی جس کے پاس
روپیہ پیسہ نہ ہو۔ اس زمانے میں درہم چلتے تھے۔ اشرفیاں سونے کی۔ اور درہم چاندی
کے۔ تو جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو۔ دولت نہ ہو۔ وہ مفلس ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔
وہ حقیقی مفلس نہیں۔ حقیقی مفلس کون ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ حقیقی مفلس
وہ ہے۔ کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ تو نیکیوں سے اس کی
میزان عمل کا پلڑا بھرا ہوا تھا۔ بہت سی نیکیاں لے کر آیا تھا۔ نمازیں پڑھیں تھیں۔ روزے رکھے
تھے۔ تسبیحات پڑھی تھیں۔ اللہ کا ذکر کیا تھا۔ تعلیم حاصل کی تھی۔ تبلیغ کی تھی۔ دین کی خدمت
انجام دی تھی۔ بہت ساری نیکیاں۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں لے کر آیا تھا۔

لیکن جب نیکیاں پیش ہوگئیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ نیکیاں تو بہت کی تھیں نمازیں
پڑھیں۔ روزہ بھی رکھا۔ زکوٰۃ بھی دی۔ حج بھی کیا۔ سب کچھ کیا۔ لیکن بندوں کے حقوق ادا نہ
کیے۔ کسی کو مارا۔ کسی کو برا کہا۔ کسی کا دل دکھایا۔ کسی کو تکلیف پہنچائی۔ کسی کی غیبت
کی۔ کسی کی جان پر حملہ آور ہوا۔ کسی کا مال کھایا۔ کسی کی آبرو پر حملہ کیا۔ یہ اللہ کے
بندوں کے حقوق ضائع کیے۔ نمازیں پڑھیں تھیں۔ روزے رکھے تھے۔ عبادتیں کی تھیں۔ قرآن
کی تلاوت کی تھی۔ سب کچھ کیا تھا۔ لیکن لوگوں کو اپنے ہاتھ سے۔ اپنی زبان سے۔ اور
مختلف طریقوں سے۔ تکلیف پہنچائی تھی۔ اب جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی
وہاں تو عدل ہے۔ انصاف ہے۔ جس جس کے حق مارے تھے۔ ان سے کہا۔ کہ تم اس سے

سے اپنا حق وصول کرو۔ جس کا پیسہ کھایا تھا۔ اس سے پیسے وصول کرے۔ اب یہاں۔
کوئی پیسے تو ہیں ہی نہیں۔ نہ روپیہ، نہ پیسہ نہ دولت۔ وہاں دنیا کی سب کرنسیاں
ختم ہو چکیں وہ حق کیسے ادا کرے۔ ۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے، یہاں کا سکہ
روپیہ پیسہ نہیں۔ یہاں کا سکہ تو نیکیاں ہیں۔ وہ نیک اعمال ہیں۔ جو اس نے
دنیا کے اندر کیئے تھے۔ لہٰذا اس کے ذریعے تبادلہ ہوگا۔ چنانچہ جس کے پیسے کھائے تھے۔
اس سے کہا جائے گا کہ اس کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں سے لے لو۔ اس نے بہت
ساری نفلی نمازیں پڑھی تھیں۔ وہ سب ایک صاحب حق کو مل گئیں۔ دوسری نمازیں
دوسرا صاحب حق لے گیا۔ روزے تیسرا صاحب حق لے گیا۔ حج چوتھا صاحب حق لے گیا
اور جتنے نیک اعمال کیے تھے۔ ایک ایک کر کے لوگ لے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ ساری
کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ وہ جتنا ڈھیر لے کر آیا تھا۔ کہ وہ سارے کا سارا
ختم ہو گیا۔ اب کچھ باقی نہیں۔ کچھ لوگ پھر بھی کھڑے ہیں۔ کہ پروردگار ہمارا حق تو رہ گیا
ہمارے بھی پیسے کھائے تھے۔ ہمیں بھی برا بھلا کہا تھا۔ ہماری بھی غیبت کی تھی۔ اس سے
ہمارا بھی بدلہ دلوائیے۔

لیکن اس کے پاس نیکیوں کا ذخیرہ تو ختم ہو گیا۔ بدلہ کیسے دلوائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں
گے کہ اب راستہ یہ ہے کہ تمہارے جو گناہ ہیں۔ وہ تمہارے نامہ اعمال سے مٹا کر اس کے
نامہ اعمال میں ڈال دیئے جائیں، تم نے غیبت کی تھی۔ تمہارے ہر گناہ معاف وہ گناہ
اس کو دے دیا جائے۔ تم نے کوئی اور ناجائز کام کیا تھا۔ اس ناجائز کام کا گناہ تمہارے
نامہ اعمال سے مٹا کر اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جائے۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ
نیکیوں کا ڈھیر لے کر آیا تھا۔ لیکن بندوں کے حقوق کا معاملہ ہوا۔ تو بجائے اس کے
کہ یہ نیکیاں باقی رہتیں۔ الٹا لوگوں کے گناہ بھی اس کی گردن پر ڈال دیئے گئے۔ فرمایا
حقیقت میں مفلس وہ ہے۔ جو نیکیاں لے کر آیا تھا۔ لیکن گناہوں کا بوجھ لے کر جا رہا ہے

(حقوق العباد کی اہمیت)

اس لئے یہ حقوق العباد بڑے ڈرنے کی چیز ہے۔ لوگوں کے حقوق مارنا۔ خواہ پیسے کی شکل میں ہو۔ یا عزت کی شکل میں ہو۔ یا جان کی شکل میں ہو۔ یہ اتنا خطرناک معاملہ ہے۔ کہ اور گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔

اگر کوئی شخص شراب پیئے معاذاللہ زنا کرے۔ جوا کھیلے کوئی اور گناہ کرے۔ اور کتنے ہی بڑے سے بڑے گناہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر سچے دل سے توبہ کر لے تو سرکار فرماتے ہیں۔ جو ایک بار گناہ سے تائب ہو جائے۔ تو ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔ سب معاف فرما دیتے ہیں۔

لیکن اگر بندوں کے حقوق مارے۔ مثلاً ایک پیسہ ہو۔ کسی کا ناجائز لیا۔ کسی کو برا بھلا کہا۔ کسی کا دل دکھایا۔ یہ ایسے گناہ ہے۔ کہ اس کی معافی کی کوئی شکل نہیں ہے۔ یہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ جب تک وہ صاحب حق معاف نہ کرے۔ جس کا حق سلب کیا ہے۔ اس واسطے اس معاملہ میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

(مسلمان کون ہے؟)

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے۔ جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے تمام مسلمان محفوظ رہیں اس کے ہاتھ سے بھی دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس کی زبان سے بھی کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ دیکھا۔ کہ ایک صاحب وعظ کہہ رہے ہیں۔ اور لوگ جمع ہیں۔ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن واعظ آواز بہت تیز نکال رہے ہیں۔ جو باہر دور تک جا رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا کر ان کو فرمایا اے واعظ اتنی آواز نکالو۔ جتنے تمہارے سننے والے موجود ہیں۔ اس سے باہر تمہاری

آواز نہیں جانی چاہیے۔ اگر آئندہ تمہاری آواز باہر آئے گی۔ تو سمجھ لو۔ میں اپنا دُرّہ کام میں لاؤں گا۔ اس لیے کہ باہر کے لوگ سُننے والے نہیں ہیں۔ جن کو سننا ہو گا وہ آپ کے پاس آ کر بیٹھ جائیں۔ اس زمانہ میں لاؤڈ سپیکر کا تو رواج ہی نہیں تھا۔ ویسے ہی آواز باہر جا رہی تھی۔ تب بھی فاروق اعظم نے روکا۔ اگر اس زمانہ میں فاروق اعظم ہوتے۔ تو نہ جانے۔ ہم میں سے کتنوں کی کمر پر فاروق اعظم کا دُرّہ ہوتا ~~تو جہاں~~ کہ دن رات جہاں دیکھو۔ دین کے نام پر ہم وہ کام کرتے ہیں۔ جو دین کے خلاف ہے اور شرعاً ناجائز ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرا مسجد نبوی کے ساتھ تھا۔ جہاں آپؐ آج آرام فرما ہیں۔ حضرت عائشہ کا معمول تھا۔ کہ وہ جمعہ کے بعد۔ کچھ آرام کیا کرتی تھیں۔ وہاں ایک صاحب وعظ کہنے کے لیے تشریف لے آتے تھے۔ اور وہ بڑی بلند آواز سے وعظ کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے پیغام بھجوایا۔ کہ آپ جب وعظ کریں۔ تو جتنے لوگ جمع ہوں۔ ان کے مطابق آواز نکالا کریں۔ باہر دور تک آواز نہ پہنچایا کریں۔ وہ نہیں مانے اور کہنے لگے، میں تو دین کا حکم سنا رہا ہوں۔ دین کی تبلیغ کر رہا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت فاروق اعظم کے پاس شکایت کی۔ اور کہا۔ کہ وہ شخص یہاں آ کر۔ وعظ کہتا ہے۔ اور میرے سونے میں خلل واقع ہوتا ہے۔ آپ اس کو منع کریں۔ تو

(تعلیم نبویؐ)

نبی کریم نے ہمیں یہ طریقہ سکھایا۔ آج ہم نے پتہ نہیں کس چیز کا نام دین سمجھ لیا سرکار دو عالم نے جو طریقہ سکھایا۔ وہ کیا ہے۔ آپ تہجّد کے لیے بیدار ہو رہے ہیں اور اس وقت بستر سے کس انداز سے اُٹھتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ قام رویداً آہستہ سے اُٹھتے ہیں۔ دروازہ آہستہ سے کھولتے ہیں۔ کیوں۔

کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ میرے اُٹھنے سے صدیقہ عائشہ کی نیند میں خلل آ جائے۔ وہ
صدیقہ عائشہ جو نبی کریم ﷺ کے ایک ایک کلمہ پر آپ کی ایک ایک ادا پر جان قربان کرنے
کے لیے تیار ہیں۔ اپنا نیند تو کیا، کہ ہزاروں نیندیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ سرکار دو عالم
پر۔ لیکن تکلیف نہ دے رہے ہیں۔ کہ اپنی عبادت انجام دینی ہے۔ تو اس طرح نہ دو
جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔
یہ حقوق العباد جو نبی کریم ﷺ نے سکھائے۔ آج اگر ہم کو کوئی دین کی بات
کر رہے ہیں۔ تو ساری دنیا کو سنانا ضروری ہے۔ چاہے کوئی سو رہا ہو۔ یا ہم
رہا ہو۔ یا کوئی بیمار ہو۔ اس بات کا کوئی لحاظ نہیں۔ کسی کے ذہن میں بھی نہیں آتا
کہ ہم یہ کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں۔

(مسلمان کی عزت و عظمت)

کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا۔ گناہ کبیرہ ہے۔ ایسا ہی گناہ ہے۔ جیسے شراب
پینا۔ ڈاکہ ڈالنا۔ چوری کرنا۔ زنا کرنا۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ ایک
مرتبہ بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ صحابی۔ حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے دیکھا۔ کہ نبی کریم ﷺ کعبہ کو خطاب فرما
رہے ہیں۔ اے اللہ کے گھر۔ تو کتنی حرمت والا ہے۔ کتنی عظمت والا ہے۔ کتنے
تقدس والا ہے۔ کتنا مقدس ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد۔ حضرت عبداللہ بن مسعود
فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے پھر فرمایا۔ کہ لیکن ایک ایسی چیز ہے۔ جس کی عظمت۔ جس کا
تقدس۔ تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ کعبہ سے اللہ سے خطاب کر کے فرمایا۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک دم سے میرے کان کھڑے ہو گئے (میں چونکا)
کہ وہ کون سی چیز ہے۔ کہ جس کی عزت و حرمت اور جس کی عظمت بیت اللہ سے بھی
زیادہ ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ وہ چیز ہے۔ ایک مسلمان کی جان۔ اس کا مال

اس کی عزت۔ مسلمان کی جان، مسلمان کا مال اور مسلمان کی آبرو۔ یہ تین
چیزیں ایسی ہیں۔ اے بیت اللہ ان کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ کیا مطلب
کہ اگر کوئی شخص ناجائز طور پر کسی مسلمان کی جان پر حملہ آور ہو۔ اس
میں جان سے مارنا، قتل کرنا، زخمی کرنا، نقصان کرنا، تکلیف پہنچانا، جسمانی
تکلیف کوئی بھی پہنچائے۔ وہ سب اس میں داخل ہیں۔ تو کسی مسلمان کی جان یا مال یا
عزت کو نقصان پہنچانا۔ اتنا بڑا گناہ ہے۔ کہ جیسے کوئی شخص کعبے کو ڈھا دے
کعبے کا گرا دینا۔ جتنا بڑا گناہ ہے اتنا ہی کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو پر
ناحق حملہ کرنا گناہ ہے۔

اب آپ اندازہ لگائیے۔ کہ نبی کریمؐ نے کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو کے
بارے میں کتنی تاکید فرمائی ہے۔ آج خدا نہ کرے۔ خدا نہ کرے۔ کوئی بدبخت یہ
جرأت کرے۔ کہ بیت اللہ شریف پر معاذ اللہ حملہ آور ہو۔ کہ اس کو گرانے کی کوشش
کرے۔ کیا کوئی مسلمان ایسا ہے۔ جو اس کی تکہ بوٹی چھوڑ دے۔ اگر اس کے
قابو میں آ گیا کبھی۔ اس کی غیرت گوارہ نہیں کرے گی۔ کہ اس کی آنکھوں کے سامنے
کوئی بیت اللہ پر حملہ آور ہو۔

لیکن صبح سے شام تک کتنے بیت اللہ ڈھائے جا رہے ہیں۔ کتنے کعبے
ڈھائے جا رہے ہیں۔ مسلمان کی جان جس کو نبی کریمؐ نے عظمت والا قرار دیا تھا۔
وہ مکھی اور مچھر۔ زیادہ بے حقیقت ہو کر رہ گئی ہے۔ کہ ایک مکھی یا مچھر کو مارا
یا کسی مسلمان کو مارا۔ اور مارنے کے علاوہ تکلیف پہنچانے کے جتنے راستے ہیں
جن کا میں نے ذکر کیا۔ وہ سب اس کے اندر داخل ہیں۔ اور ان سب کو نبی کریمؐ نے
کتنا بڑا گناہ قرار دیا۔ اور اسی وجہ سے آپ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا مفلس وہ
ہے۔ جو قیامت کے دن نیکیوں کا بڑا ذخیرہ لے کر آئے۔ لیکن بالآخر اس کے پاس اور

نیکی بھی نہ رہے۔ دوسروں کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں ڈال دیے گئے۔

(دین اسلام کی حقیقت)

آج ہم نے چند ظاہری عبادتوں کا نام دین رکھ لیا ہے۔ نماز پڑھی۔ روزہ رکھا۔ کچھ
زکوٰۃ دے دی۔ کچھ پیسے بھی دے دیئے۔ اور حج کرنے۔ اور عمرہ کرنے کی دولت مل گئی۔ یہ
عبادتیں اپنی جگہ بڑی نعمتیں ہیں۔ لیکن دین ان میں منحصر نہیں۔ دین کا جو علم ہے۔
جسے فقہ کہتے ہیں۔ اس کے چار حصے ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ عبادات سے متعلق
ہے۔ باقی تین حصے حقوق العباد سے متعلق ہیں۔ لیکن ہم نے حقوق العباد کو دین
سے بالکل خارج کر لیا۔ کسی کو یہ خیال تک نہیں آتا۔ کہ میں نے کوئی گناہ کا کام کیا۔
یا کوئی ناجائز کام کیا۔ یا اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا کام کیا ہے۔ اگر ایسا ناراض
کرنے والا کوئی کام کیا۔ تو اس کی توبہ کی کوئی شکل نہیں۔ جب تک وہ صاحب حق اس
کو معاف نہ کر دے۔

رشوتوں کا دور دورہ ہے۔ لوگوں کو ایذا پہنچا رہے ہیں۔ تکلیفیں پہنچائی جا رہی ہیں۔
ان کا حق لوٹا جا رہا ہے۔ یہ ساری کی ساری باتیں۔ حقوق العباد سے متعلق ہیں۔
تکلیف پہنچانے کی جو بھی چیزیں ہیں۔ وہ حقوق العباد کو تلف کرنے والی ہیں۔ بہر حال
یہ بات تو اس حدیث کے تحت زبان پر آگئی۔ لیکن بڑی اہم بات ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی عمل
کرنے کی توفیق دے۔ آپ حضرات کو بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کی
اہمیت اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے۔

یہ دین چند ظاہری عبادتوں کا نام نہیں ہے۔ یہ ہمیں ایک ایک چیز کے بارے
میں ہدایت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو۔ توفیق عطا فرمائے۔ عرض یہ کر رہا تھا۔ کہ
آج اس دنیا میں جب تک آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس وقت تک ہمیں۔ ان نیکیوں
کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہو رہی۔ ساری دولت روپے پیسے کو سمجھ رکھا ہے۔

(جنت کی راحت اور جہنم کی شدت)

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو بلائیں گے

جس نے ساری عمر تکلیفوں میں مشقتوں میں صدمات میں گزاری اور اس سے پوچھا

جائے گا۔ کہ تمہاری زندگی کیسی گزری۔ وہ عرض کرے گا پروردگار

میری زندگی کا آپ کیا پوچھتے ہیں۔ اتنے صدمات اٹھائے اتنی تکلیف سہی

اتنی پریشانیاں اٹھائیں۔ کہ ساری عمر کوئی خوشی یاد نہیں۔ ساری عمر

صدمات ہی میں گزری اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے۔ کہ اس کو

ذرا جنت کی باہر سے ہوا لگاؤ۔ اس کو فرشتے لے جائیں گے۔ اور

جنت کے باہر سے اس طرح سے ایک چکر لگا کر لے آئیں گے۔ کہ جنت

کی ہوا کا کوئی جھونکا لگ جائے گا۔ اس کے بعد اس سے پوچھیں گے۔

کہ اب بتا کیسی زندگی گزری۔ وہ کہے گا۔ پروردگار میری زندگی تو اتنی

عافیت میں گزری۔ کہ میں نے کسی غم کی شکل دیکھی ہی نہیں ہے۔

میں تو ساری عمر بستروں میں، عیش و عشرت میں۔ اور بہت خوشی

میں بسر کرتا رہا ہوں۔ اور میں نے کوئی تکلیف نہیں دیکھی۔ وہ جو

ذرا سی جنت کی ہوا لگ گئی اس کی لذت۔ اس کی راحت۔ اس کا

سکون۔ اس کا اطمینان۔ قلب میں اتنا پیارا ہوگا۔ کہ ساری

دنیا کی تکلیفوں کو بھول جائے گا۔

پھر فرمائیں گے۔ ایسے شخص کو بلاؤ۔ کہ جس نے دنیا کے اندر کبھی

غم کی شکل نہیں دیکھی۔ کوئی صدمہ نہیں دیکھا۔ بلکہ آرام میں۔ عیش

میں ساری عمر گزاری۔ اور اس سے پوچھا جائے گا۔ کہ تمہاری زندگی

کیسے گزری۔ وہ کہے گا۔ کہ یا اللہ۔ میری زندگی تو بڑے آرام کے

ساتھ گزری۔ بڑے عیش و عشرت میں گزری۔ کوئی صدمہ بھی

پاس نہیں پھٹکا۔ کہا جائے گا۔ کہ اس کو ذرا سی ایک ہوا جہنم

کی گھالاؤ۔ یا باہر ہی سے اندر داخل مت کرنا۔ فرشتے اس کو

لے جائیں گے۔ اور جہنم کے پاس اس طرح سے گزار کر لے آئیں گے۔

کہ جہنم کی لپیٹ کا ذرّا سا جھونکا اس کو لگ جائے گا۔

اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا اب بتاؤ۔ تمہاری زندگی

کیسی گزری۔ وہ کہے گا۔ یا اللہ۔ میں تو ساری عمر تکلیف میں رہا۔

ساری عمر صدمات میں گزاری ہے۔ خوشی کی کوئی شکل نہیں دیکھی۔

وہ چند لمحات کی جہنم کی ہوا۔ اس کی جو شدت ہے۔ اور اس

میں جو سختی ہے۔ وہ اتنی زیادہ ہے۔ کہ اس کی وجہ سے

ساری عمر کی راحتیں، مسرتیں بھول جائے گا یہ ہے جنت

و جہنم کی راحت و شدّت کا حال۔ کہ اس کے مقابلہ میں۔

ہم دنیا کو بھول جائیں گے۔

(ہماری زبوں حالی)

اور ہمارا حال یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک ہمارے دماغ پر اور دل پر جو فکر مسلط رہتا ہے جو سوچ و بچار ہے جو دوڑ دھوپ ہے۔ وہ اس دنیا کی بے حقیقت مال و متاع کے لئے۔ ہے، آخرت کی زندگی کو درست کرنے کی فکر نہیں ہے۔

میں عرض کر رہا تھا۔ کہ دنیا میں کوئی بات ایسی نہیں ہے، جس پر ساری دنیا کے انسان متفق ہوں۔ ہر بات میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہے۔ لیکن ایک بات ایسی ہے۔ اس سے کسی فرد بشر کا اختلاف نہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ مجھے ایک دن مرنا ہے موت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے خدا سے انکار کر دیا۔ خدا کے وجود سے انکار کر دیا۔ رسالت سے انکار کر دیا۔ لیکن موت سے

انکار کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ بڑے سے بڑے دھریہ۔ بڑے

سے بڑے ملحد کوئی بھی یہ نہیں کر سکتا۔ کہ موت نہیں آئے گی۔

ہر شخص اس کو مانتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کو بھی مانتا ہے۔ کہ اس

مرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ ہو سکتا ہے۔ اگلے لمحہ آ جائے۔

ہو سکتا ہے۔ کل آ جائے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ دو دن کے بعد آ جائے۔

ہو سکتا ہے مہینے کے بعد آ جائے۔ ہو سکتا ہے۔ سال بھر میں آ جائے

بہت زیادہ جی لئے۔ تو ستر سال اسی سال۔ پھر بہت ہی زیادہ

جی لئے۔ تو سو سال اس کے بعد تو جانا ہی جانا ہے۔

(ایک سبق آموز واقعہ)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔ اور یہ بڑا عجیب واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت فاروق اعظم

سفر پر جا رہے ہیں۔ جاتے جاتے سفر کے دوران کچھ بھوک

لگی۔ وہ ہوٹلوں ریسٹورنٹوں کا زمانہ تو تھا نہیں۔ کہ بھوک لگی

تو کسی ہوٹل میں گھس گئے۔ اور وہاں جا کر کھانا کھا لیا۔ حضرت عمر

فاروق نے تلاش کیا۔ کہ آس پاس بستی ہو۔ لیکن وہاں کوئی

بستی بھی نہیں۔ تلاش کرتے کرتے دیکھا۔ کہ ایک بکریوں والا

بکریاں چرا رہا ہے۔ خیال ہوا کہ بکری والے سے کچھ دودھ لے کر

پی لیں۔ تاکہ بھوک مٹ جائے۔ تو دیکھا۔ کہ چرواہا بکریاں چرا رہا ہے

اس سے جا کر کہا۔ کہ میں مسافر ہوں۔ اور مجھے بھوک لگی ہے۔ مجھے

ایک بکری کا دودھ نکال دو۔ تو میں پی لوں۔ اور اس کی قیمت تم جو چاہو۔ وہ

میں تم کو ادا کر دوں۔

چرواہے نے کہا۔ کہ جناب ضرور آپکو دودھ دے دیتا۔ لیکن

یہ بکریاں میری نہیں ہیں۔ میں تو ملازم ہوں۔ نوکر ہوں بکریاں
چرانے کے لیے۔ مجھے میرے مالک نے رکھا ہوا ہے۔ اور جب تک اس سے
اجازت نہ لے لوں۔ اس وقت تک مجھے آپ کو دودھ دینے کا حق
نہیں۔ حضرت عمر لوگوں کو آزمایا کرتے تھے۔ آپ نے اس سے کہا
کہ میں تمہیں تمہارے فائدے کی ایک بات بتاتا ہوں۔ اگر تم اس پر
عمل کرلو۔ پوچھا کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا کرو۔ کہ ان بکریوں میں
سے۔ ایک بکری میرے ہاتھ بیچ دو۔ پیسے میں تمہیں ابھی دیتا ہوں۔
میرا فائدہ تو یہ ہوگا۔ کہ مجھے دودھ مل جائے گا۔ ضرورت ہوگی تو
میں اسے کاٹ کر گوشت بھی کھالوں گا۔ اور پھر مالک جب تم سے
پوچھے۔ ایک بکری کہاں گئی۔ تو کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔ اور
اس کی وجہ سے وہ تباہ و برباد ہوگئی۔ اور بھیڑیا تو بکریوں

کو کھا ہی جاتا ہے۔ کہاں مالک تمہاری تحقیق کرتا پھرے گا۔ بھیڑیے

نے کھا لیا یا نہیں کھایا۔ تم ان پیسوں کو اپنی جیب میں رکھ کر ان

کو اپنی ضرورت میں استعمال کرنا ایسا کرو۔ اس میں تمہارا بھی

فائدہ ہے۔ اور میرا بھی فائدہ ہے۔

اس چرواہے نے یہ بات سنی اور سنتے ہی بے ساختہ جو

کلمہ اس کی زبان سے نکلا۔ وہ یہ تھا۔ یا ابن الملک! فاین اللہ۔

شہزادے تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں مالک سے جا کر جھوٹ بول دوں

اور یہ کہہ دوں۔ کہ بکری کو بھیڑیا کھا گیا۔ تو اللہ میاں کہاں گئے۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہے۔ بے شک میرا مالک مجھے نہیں دیکھ رہا ہے۔

لیکن مالک کا مالک تو دیکھتا ہے۔ اس کے پاس جا کر کیا جواب

دوں گا۔ مالک کو تو خاموش کر سکتا ہوں۔ لیکن مالک کا مالک

کو کیسے خاموش کرو۔

فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ کہ جب تک تجھ جیسے انسان
اس امت کے اندر موجود ہیں۔ اس وقت تک اس امت پر
کوئی فساد نہیں آسکتا۔ جن کے اندر اللہ کے سامنے جواب
دہی کا احساس موجود ہے۔ جب تک یہ احساس باقی ہے
اس وقت تک۔ دنیا میں۔ امن و سکون باقی ہے۔ اور جب
یہ ختم ہوگیا۔ تو اس وقت انسان انسان نہ رہے گا۔ بلکہ
بھیڑیا بن جائے گا۔ جیسا کہ آج کل بنا ہوا نظر آرہا ہے
انسان انسان نہیں درندہ بنا ہوا ہے۔ دوسرے کی بوٹیاں
نوچنے کی فکر میں ہے۔ دوسرے کی کھال اتارنے کی فکر میں
ہے۔ دوسرے کا خون پینے کی فکر میں ہے۔ صرف اس دنیا کے

کچھ فائدہ ہے۔ حاصل کرنے کا یعنی کہ اس کے کچھ فائدے حاصل

ہو جائیں۔ بس اسی فکر میں ہے۔

(ابدی زندگی کی فکر)

نبی کریم نے یہ فکر پیدا فرمائی۔ کہ دنیاوی زندگی تو تھوڑا جانے

گنتی دن کی ہے۔ کب ختم ہو جائے گی۔ اللہ کے سامنے جواب دہ

ہونا ہے۔ جو ابدی زندگی چلنے والی ہے۔ اس کی فکر کرو۔ اور

وہاں کا سکہ۔ روپیہ پیسہ نہیں ہے۔ تم لاکھ جمع کرلو۔ کروڑ کرلو

ارب کرلو۔ کھرب کرلو۔ سب یہیں دنیا میں چھوڑ کر جاؤ گے۔

کوئی تمہارے ساتھ جانے والا نہیں ہے۔ وہاں اگر کوئی چیز

جانے والی ہے۔ تو وہ نیک عمل ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم

نے فرمایا۔ جب کوئی مردہ قبرستان کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

تو تین چیزیں ہیں۔ اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ ایک اس کے عزیز

جاتے ہیں۔ اس کو چھوڑنے کے لیے۔ دوسرا اس کا مال جاتا ہے۔

یعنی وہ کپڑے جو اس کے اوپر ہیں۔ اور چارپائی ہے۔ جن میں

اس کو لپیٹ کر لٹا کر لے جایا جاتا ہے۔ اور تیسری چیز جو

اس کے ساتھ جاتی ہے۔ وہ اس کا عمل ہے۔ فرمایا پہلی دو چیزیں یعنی

عزیز و اقارب۔ اور مال قبر کے کنارے جانے کے بعد واپس ہو جاتے

ہیں۔ آگے جانے والی چیز ایک ہی ہے۔ وہ اس کا عمل ہے۔ خواہ

وہ نیک عمل ہے۔ یا اس کا برا عمل ہے۔

اس واسطے وہاں کا سکہ یہ روپیہ پیسہ نہیں۔ یہ

مال و دولت نہیں۔ وہاں کا سکہ نیکیاں ہیں۔ اور ان نیکیوں کے

حصول کے لیے سب سے بڑی دولت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں

عطا فرمائی۔ وہ یہ قرآن کریم کی دولت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے

یہ قرآن کریم اس امت کے واسطے نسخہ شفا بناکر بھیجا۔

اس کا پڑھنا۔ اس کا سمجھنا۔ اس پہ عمل کرنا۔ اس کی دعوت دینا

اس کی تبلیغ کرنا۔ سب انسانوں کے لئے موجب اجر و ثواب ہے۔

اور موجب سعادت ہے۔

(قرآن کریم کی قدر کا طریقہ)

نبی کریم نے فرمایا۔ کہ میں ایک ایسی چیز کو چھوڑ کر جا رہا

ہوں۔ جب تک اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے۔ اس وقت

تک کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ اور وہ ہے۔ اللہ کی کتاب۔ یہ چھوڑ

کر۔ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور اس کی قدر پہچاننے کا طریقہ

یہ ہے۔ کہ کم از کم اتنا تو کرے۔ کہ ہم مسلمانوں چاہیے۔ کسی کا

بچہ بھی قرآن کی تعلیم کے بغیر نہ رہے۔ جب تک قرآن مجید ناظرہ
نہ پڑھ لے۔ اس وقت تک اس کو کسی اور کام میں نہ لگایا جائے۔

ایک وقت تھا۔ جب صبح کے وقت مسلمانوں کی بستیوں
سے ہر طرف سے قرآن کریم کی تلاوت کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔
لیکن اب قرآن کریم کی تلاوت کو کان ترستے ہیں۔ اب فلمی
گانوں کی آوازیں آئیں گی۔ اور طرح طرح کے خرافات کی آوازیں
آئیں گی۔ نہیں آئے گی تو قرآن مجید کی آواز نہیں آئے گی۔
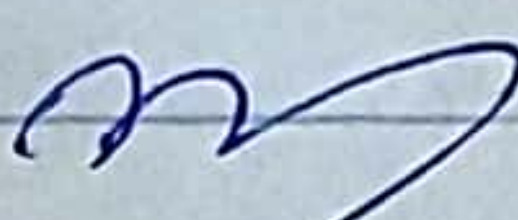
---

nizami
Muhammad. abbas.
Muhammad. Abbas. nizami

3 / 3 / 98

محمد عباس بقلم خود۔

ماہ رمضان کے مطالبات

مولانا عبدالشکور

اور کون مسلمان ہے۔ جو اس مہینے کی عظمت اور برکت سے
واقف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ اپنی عبادت کے لیے بنایا ہے
اور نہ معلوم کیا کیا۔ رحمتیں اللہ تعالیٰ اس مہینے میں اپنے بندوں
کی طرف مبذول فرماتے ہیں۔ ہم اور آپ ان رحمتوں کا
تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس مہینے کے اندر بعض اعمال ایسے
ہیں۔ جن کو ہر مسلمان جانتا ہے۔ اور اس پر عمل بھی کرتا ہے

مثلاً یہ اس ماہ میں روزے فرض ہیں۔ الحمدللہ مسلمان کو روزہ
رکھنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اور تراویح کے بارے میں معلوم ہے
کہ یہ سنت ہے۔ اور مسلمانوں کو اس میں شرکت کی سعادت
حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اس وقت ایک اور پہلو کی طرف توجہ
دلانا ہے۔

عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے۔ کہ رمضان کی خصوصیت
صرف یہ ہے۔ کہ اس میں روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور رات کے
وقت تراویح پڑھی جاتی ہے۔ اور بس۔ اس کے علاوہ اور کوئی
خصوصیت نہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ کہ یہ دونوں
عبادتیں۔ اس مہینے کی بڑی اہم عبادات میں سے ہیں۔ لیکن بات
صرف یہاں تک ختم نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ درحقیقت رمضان المبارک

ہم سے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور قرآن کریم میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (56) (الذٰریٰت)

یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو صرف ایک کام کے لئے پیدا کیا

وہ یہ کہ میری عبادت کریں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ

نے انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد یہ بتایا۔ کہ وہ اللہ کی

عبادت کریں۔

(کیا فرشتے کافی نہیں تھے)

یہاں بعض لوگوں کو خاص کر نئی روشنی کے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا

ہے۔ کہ اگر انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت تھا۔ تو اس

کام کے لیے انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام

تو فرشتے پہلے سے بہت اچھی طرح انجام دے رہے تھے۔ اور
اللہ کی عبادت تسبیح اور تقدیس میں لگے ہوئے تھے۔ یہی وجہ
ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو تخلیق فرمانے کا ارادہ
کیا۔ اور فرشتوں کو بتایا کہ میں اس طرح کا ایک انسان پیدا
کرنے والا ہوں۔ تو فرشتوں نے بے ساختہ یہ کہا۔ کہ
آپ ایک ایسے انسان کو پیدا کر رہے ہیں۔ جو زمین میں فساد
مچائے گا۔ اور خونریزی کرے گا۔ اور عبادت تسبیح و تقدیس ہم
انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح آج کل
اعتراض کرنے والے۔ یہ اعتراض کر رہے ہیں۔ کہ اگر انسان
کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہوتا تو اس کے لیے
انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ کام تو پہلے

فرشتے بھی سر انجام دے رہے تھے۔

فرشتوں کا کوئی کمال نہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے تھے۔

لیکن ان کی عبادت بالکل مختلف نوعیت کی تھی۔ اور انسان کے

سپرد جو عبادت کی گئی۔ وہ بالکل مختلف نوعیت کی تھی۔ اس لئے

کہ فرشتے جو عبادت کر رہے تھے۔ ان کے مزاج میں اس کے خلاف

کرنے کا امکان ہی نہیں ہے۔ اگر وہ چاہیں کہ عبادت نہ کریں

تو ان کے اندر عبادت چھوڑنے کی صلاحیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

ان کے اندر گناہ کرنے کا امکان ہی ختم فرما دیا۔ اور نہ انہیں

بھوک لگتی ہے۔ نہ ان کو پیاس لگتی ہے۔ اور نہ ان کے اندر

شہوانی تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے دل میں گناہ کا

وسوسہ بھی نہیں گذرتا۔ گناہ کی خواہش اور گناہ پر اقدام

تو دور کی بات ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر

کوئی اجر و ثواب بھی نہیں رکھا۔ کیونکہ اگر فرشتے گناہ نہیں کرتے

ہیں۔ تو اس میں ان کا کوئی کمال نہیں۔ اور جب کوئی کمال نہیں۔

تو پھر جنت والا اجر و ثواب بھی مرتب نہیں ہوگا۔

نابینا کا کچھ کمال نہیں۔

مثلاً ایک شخص بینائی سے محروم ہے۔ جس کی وجہ سے ساری

عمر اس نے نہ کبھی فلم دیکھی۔ نہ کبھی ٹی وی دیکھا۔ اور نہ کبھی غیر

محرم پر نگاہ ڈالی۔ بتائیے کہ ان گناہوں کے نہ کرنے میں

اس کا کیا کمال ظاہر ہوا۔ اس لئے کہ اس کے اندر گناہوں

کے کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ لیکن ایک دوسرا شخص جس کی

بینائی۔ بالکل ٹھیک ہے۔ جو چیز چاہے۔ دیکھ سکتا ہے۔ لیکن دیکھنے کی صلاحیت موجود ہونے کے باوجود جب کسی غیر محرم کی طرف دیکھنے کا تقاضہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ فوراً حق اللہ تعالیٰ کے خوف سے نگاہ نیچی کر لیتا ہے۔ اب بظاہر دونوں گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلا شخص بھی گناہ سے بچ رہا ہے۔ اور دوسرا شخص بھی گناہ سے بچ رہا ہے۔ لیکن پہلے شخص کا گناہ سے بچنا کوئی کمال نہیں۔ اور دوسرے شخص کا گناہ سے بچنا کمال ہے۔

(یہ عبادت فرشتوں کے بس کی نہیں ہے)

لہذا اگر فرشتے صبح سے شام تک کھانا نہ کھائیں تو یہ کوئی کمال نہیں۔ اس لئے کہ انہیں بھوک ہی نہیں لگتی۔ اور انہیں کھانے کی

حاجت ہی نہیں۔ لہٰذا ان کے نہ کھانے پر کوئی اجر و ثواب نہیں۔

لیکن انسان ان تمام حاجتوں کو لے کر پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا کوئی

انسان کتنے ہی بڑے سے بڑے مقام پر پہنچ جائے۔ حتیٰ کہ سب

سے اعلیٰ مقام یعنی نبوت پر پہنچ جائے۔ تب بھی وہ کھانے سے

مستغنی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کفار نے انبیاء پر کبھی یہی

اعتراض کیا کہ

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي

الْاَسْوَاقِ ط اور بولے رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا

ہے۔ اور بازاروں میں چلتا ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ

تھی۔ کہ آپ نبی ہوتے تو نہ کھاتے نہ بازاروں میں چلتے۔

تو کھانا کھانے کا تقاضہ انبیاء کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے

اب اگر انسان کو بھوک لگ رہی ہے۔ لیکن اللہ کے حکم کی
وجہ سے کھانا نہیں کھا رہا ہے۔ تو یہ کمال کی بات ہے۔ اس لئے
اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا۔ کہ میں ایک ایسی مخلوق پیدا
کر رہا ہوں۔ جس کو بھوک بھی لگے گی۔ پیاس بھی لگے گی۔ اور اس
کے اندر شہوانی تقاضے بھی پیدا ہونگے۔ اور گناہ کرنے کے داعیے
بھی ان کے اندر پیدا ہونگے۔ لیکن جب گناہ کا داعیہ پیدا ہوگا
اس وقت وہ مجھے یاد کرے گا۔ اس کی یہ عبادت اور گناہ
سے بچنا۔ ہمارے یہاں قدر و قیمت رکھتا ہے اور جس کا اجر
و ثواب اور بدلہ دینے کے لئے ہم نے ایسی جنت تیار کر رکھی ہے۔ جس
کی صفت عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ہے اس لئے
اس کے دل میں یہ داعیہ اور تقاضہ ہو رہا ہے۔ اور خواہشات

پیدا ہو رہی ہیں۔ اور گناہ کے محرکات سامنے آرہے ہیں لیکن

یہ انسان ہمارا خوف اور ہماری عظمت کے تصور سے اپنی

آنکھ کو گناہ سے بچا لیتا ہے۔ اپنے کان کو گناہ سے بچا لیتا

ہے۔ اپنی زبان کو گناہ سے بچا لیتا ہے۔ اور گناہوں کی طرف اٹھتے

ہوئے قدموں کو روک لیتا ہے۔ تاکہ میرا اللہ مجھ سے ناراض

نہ ہو جائے۔ یہ عبادت فرشتوں کے بس میں نہیں تھی۔

اسی عبادت کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا۔

(حضرت یوسفؑ کا کمال)

حضرت یوسفؑ کو جو فتنہ زلیخا کے مقابلے میں پیش آیا کون

مسلمان ایسا ہے۔ جو اس کو نہیں جانتا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ

زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو گناہ کی دعوت دی۔ اس وقت

زلیخا کے دل میں بھی گناہ کا خیال پیدا ہوا۔ اور حضرت

یوسف ؑ کے دل میں بھی گناہ کا خیال آگیا۔ عام لوگ تو اس

سے حضرت یوسف ؑ پر اعتراض اور تنقیص بیان کرتے ہیں۔

حالانکہ قرآن کریم یہ بتلاتا ہے۔ کہ گناہ کا خیال آجانے کے باوجود

اللہ تعالیٰ کے خوف اور ان کی عظمت کے استحضار سے اس گناہ

کے خیال پر عمل نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم

خم کر لیا۔ لیکن اگر گناہ کا خیال بھی دل میں آتا اور گناہ

کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہوتی۔ اور گناہ کا تقاضہ ہی پیدا نہ

ہوتا۔ تو پھر نہ اس پر زلیخا گناہ کی دعوت دے۔ اس

سے بچنے میں کمال کی کوئی بات نہیں تھی۔ کمال تو یہ تھا۔

کہ گناہ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور ماحول بھی موجود

حالات بھی سازگار اور دل میں خیال بھی آرہا ہے۔ لیکن ان سب

چیزوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے فرمایا معاذ اللہ

کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ یہ عبادت ہے۔ جس کے لیے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا۔

(ہماری جانوں کا سودا ہو چکا)

جب انسان کا مقصدِ تخلیق عبادت ہے۔ تو اس کا

تقاضہ یہ تھا۔ کہ جب انسان دنیا میں آئے۔ تو صبح سے

لے کر شام تک عبادت کے علاوہ کوئی اور کام نہ کرے۔ اور

اس کو دوسرا کام کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے۔ چنانچہ

(111) سورۃ التوبہ دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم

بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۝۱۱۱ بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں

سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں۔ اس بدلے پر کہ ان کے

لئے جنت ہے۔ ہماری جانیں بک چکی ہیں۔ تو یہ

جانیں جو ہم لئے بیٹھے ہیں۔ وہ ہماری نہیں ہیں۔ بلکہ بکا ہوا مال ہے

اس کی قیمت لگ چکی ہے۔ جب یہ جان اپنی نہیں ہے۔ تو اس کا

تقاضہ یہ تھا۔ کہ اس کی جان اور جسم کو سوائے اللہ کی عبادت

کے دوسرے کام میں نہ لگایا جائے۔ لہذا اگر ہمیں اللہ تعالیٰ

کی طرف سے یہ حکم دیا جاتا کہ تمہیں صبح سے شام تک

دوسرے کام کرنے کی اجازت نہیں۔ بس صرف مسجد میں

پڑے رہا کرو۔ اور اللہ اللہ کیا کرو۔ دوسرے کاموں کی اجازت

نہیں۔ نہ کمانے کی اجازت ہے۔ نہ کھانے کی اجازت ہے

تو یہ حکم انصاف کے خلاف نہ ہوتا۔ اس لئے کہ پیدا ہی عبادت کے لئے کیا گیا ہے۔

(ایسے خریدار پر قربان جاؤ)

لیکن قربان جاؤ۔ ایسے خریدار پر۔ کہ اللہ تعالیٰ نے۔ ہماری جان و مال کو خرید بھی لیا۔ اور اس کی قیمت بھی پوری لگا دی۔ یعنی جنت۔ پھر وہ جان و مال ہمیں واپس بھی لوٹا دیا۔ کہ یہ جان و مال تم اپنے پاس رکھ لو۔ اور ہمیں اس بات کی اجازت دے دی۔ کہ کھاؤ پیئو۔ کماؤ۔ اور دنیا کے کاروبار کرو۔ بس پانچ وقت کی نماز پڑھ لیا کرو۔ اور فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کرو۔ باقی جس طرح چاہو کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت اور عنایت ہے۔

(اس ماہ میں اصل مقصد کی طرف آؤ)

لیکن جائزہ کرنے کا نتیجہ کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ یہ جانتے تھے
کہ جب یہ انسان دنیا کے کاروبار اور کام دھندوں میں لگے گا
تو رفتہ رفتہ اس کے دل پر غفلت کے پردے پڑ جایا کریں گے۔
اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں کھو جائے گا۔ تو اس
غفلت کو دور رکھنے کے لئے وقتاً فوقتاً کچھ اوقات مقرر
فرما رکھے ہیں۔ ان میں سے ایک رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔
اس لئے کہ سال کے گیارہ مہینے تو آپ تجارت میں زراعت
میں - مزدوری میں - اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں
کھانے کمانے اور ہنسنے بولنے میں لگ رہے۔ اور اس کے نتیجہ
میں دلوں پر غفلت کا پردہ پڑنے لگتا ہے۔ اس لئے ایک

مہینہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے مقرر فرما دیا۔ کہ اس مہینے میں

تم اپنے اصل مقصد تخلیق یعنی عبادت کی طرف لوٹ کر آؤ۔ جس

کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اس ماہ میں اللہ کی عبادت میں

لگو۔ اور گیارہ مہینے تک تم سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں ان کو

بخشواؤ۔ اور دل کی صلاحیتوں پر۔ جو میل گرد و غبار

آ چکا ہے۔ اس کو دھلواؤ۔ اور دل میں جو غفلت کے پردے

پڑ چکے ہیں۔ ان کو اٹھواؤ۔ اس کام کے لئے ہم نے یہ مہینہ

مقرر کیا ہے۔

(اپنے گناہوں کو بخشالو)

لیکن علماء نے فرمایا۔ کہ اس ماہ کو رمضان اس لئے کہا گیا ہے

کہ اس مہینے میں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے۔ اپنے فضل و کرم سے

بندوں کے گناہوں کو جھلسا دیتے ہیں۔ اور جلا دیتے ہیں۔

اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ مقرر فرمایا۔ گیارہ مہینے

دنیاوی کاروبار دنیاوی دھندوں میں لگے رہنے کے نتیجے میں غفلت

دل پر چھا گئی۔ اور اس عرصہ میں۔ جو گناہوں اور خطاؤں کا

ارتکاب ہوا۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر انہیں

بخشوا لو۔ اور غفلت کے پردوں کو دل سے اٹھا دو۔ تاکہ زندگی

کا ایک نیا دور شروع ہو جائے۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا۔ کتب علیکم الصیام کما کتب علی

الذین من قبلکم لعلکم تتقون (سورۃ البقرہ 183)

یعنی روزے تم پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں۔ تاکہ تمہارے اندر

تقویٰ پیدا ہو جائے۔ تو رمضان کے مہینے کا اصل مقصد یہ ہے۔

کہ سال بھر کے گناہوں کو بخشوانا۔ اور غفلت کے حجاب دل سے اٹھانا۔ اور دلوں میں تقویٰ پیدا کرنا۔ جیسے کسی مشین کو جب کچھ عرصہ استعمال کیا جائے۔ تو اس کے بعد۔ اس کی سروس کرانی پڑتی ہے۔ اس کی صفائی کرانی ہوتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی سروس اور صفائی کے لیے یہ رمضان المبارک کا مہینہ مقرر فرمایا ہے۔ تاکہ اس مہینے میں اپنی صفائی کراؤ۔ اور اپنی زندگی کو ایک نئی شکل دو۔

(اس ماہ کو فارغ کر لیں)

لہٰذا صرف روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کی حد تک بات ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس مہینے کا تقاضہ یہ ہے۔ کہ انسان اپنے آپ کو اس مہینے میں دوسرے کاموں سے فارغ کر لے۔

اس لئے گیارہ مہینے تک زندگی کے دوسرے کام دھندوں میں

لگے رہے۔ لیکن یہ مہینہ انسان کے لئے اس کی اصل مقصد تخلیق

کی طرف لوٹنے کا مہینہ ہے۔ اس لئے اس مہینے کے تمام اوقات

ورنہ کم از کم اکثر اوقات یا جتنا زیادہ سے زیادہ ہوسکے۔ اللہ

کی عبادت میں صرف کرے۔ اور اس کے لئے انسان کو پہلے سے

تیار ہونا چاہیے۔ اور اس کا پہلے سے پروگرام بنانا چاہیے۔

استقبال رمضان کا طریقہ

آج کل عالم اسلام میں ایک بات چل پڑی ہے۔ جس کی

ابتداء عرب ممالک خاص کر مصر اور شام سے ہوئی۔ اور پھر

دوسرے ملکوں میں بھی آگئی ہوگی۔ اور ہمارے یہاں بھی۔ آگئی

وہ یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے محفلیں منعقد ہوتی

ہیں۔ جس کا نام محفل استقبال رمضان رکھا جاتا ہے۔
جس میں رمضان سے ایک دو دن پہلے ایک اجتماع منعقد
کیا جاتا ہے۔ اور اس میں قرآن کریم اور شعر پر۔ امور وعظ رکھا
جاتا ہے۔ جس کا مقصد لوگوں کو یہ بتانا ہوتا ہے۔ کہ ہم رمضان
المبارک کا استقبال کر رہے ہیں۔ اور اس کو خوش آمدید کہہ
رہے ہیں۔ رمضان المبارک کے استقبال کا یہ جذبہ بہت اچھا
ہے۔ لیکن یہی اچھا جذبہ جب آگے بڑھتا ہے۔ تو کچھ عرصہ کے
بعد بدعت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ بعض جگہوں سے
اس استقبال کی محفل نے بدعت کی شکل اختیار کر لی۔
لیکن رمضان المبارک کا۔ اصل استقبال یہ ہے
کہ رمضان آنے سے پہلے اپنے نظام الاوقات بدل کر اپنا

بنانے کی کوشش کرو۔ کہ اس میں زیادہ سے زیادہ وقت
اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف ہو۔ رمضان کا مہینہ آنے سے
پہلے یہ سوچے۔ کہ یہ مہینہ آرہا ہے۔ کس طرح میں اپنی مصروفیات
کم کرسکتا ہوں۔ اس مہینے میں۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بالکلیہ
عبادت کے لیے فارغ کرلے تو سبحان اللہ۔ اور اگر کوئی شخص
بالکل اپنے آپ کو فارغ نہیں کرسکتا تو پھر یہ دیکھے۔ کہ
کون کون سے کام ایک ماہ کے لیے چھوڑ سکتا ہوں۔ ان کو چھوڑ دے
اور کن مصروفیات کو کم کرسکتا ہوں۔ ان کو کم کرے۔ اور
جن کاموں کو۔ رمضان کے بعد تک موخر کرسکتا ہے۔ ان کو
موخر کرے۔ اور رمضان کے زیادہ سے زیادہ اوقات کو
عبادت میں لگانے کی فکر کرے۔ میرے نزدیک استقبالِ رمضان

کا صحیح طریقہ یہ ہے۔ اگر یہ کام کر لیا۔ تو انشاء اللہ رمضان
المبارک کی صحیح روح اور اس کے انوار و برکات حاصل ہونگے
ورنہ یہ ہوگا کہ رمضان المبارک آئے گا۔ اور چلا جائے گا۔ اور
اس سے صحیح طور پر فائدہ ہم نہیں اٹھا سکیں گے۔

روزہ اور تراویح سے ایک قدم آگے۔

جب رمضان المبارک کو دوسرے مشاغل سے فارغ کر لیا۔
تو اب اس فارغ وقت کو کس کام میں صرف کرے۔ جہاں تک
روزوں کا تعلق ہے۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ روزہ رکھنا فرض ہے۔
اور جہاں تک تراویح کا معاملہ ہے۔ اس سے بھی ہر شخص واقف
ہے لیکن ایک پہلو کی طرف خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔
وہ یہ ہے۔ کہ الحمدللہ۔ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی

ایمان ہے۔ اس کے دل میں رمضان المبارک کا ایک احترام اور اس

کا تقدس ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ

اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کچھ زیادہ کرے۔ اور کچھ

نوافل زیادہ پڑھے۔ جو لوگ عام دنوں میں پانچ وقت کی نماز ادا

کرنے کے لئے مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں۔ وہ لوگ بھی تراویح

جیسی لمبی نماز میں بھی روزانہ شریک ہوتے ہیں۔ یہ سب الحمد للہ اس

ماہ کی برکت ہے۔ کہ لوگ عبادت میں نماز میں۔ ذکر و اذکار میں

اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں۔

(ایک مہینہ اس طرح گذار لو)

لیکن ان سب نفلی نمازوں نفلی عبادات نفلی ذکر و اذکار اور نفلی

تلاوت قرآن کریم سے زیادہ مقدم ایک اور چیز ہے۔ جس کی طرف

توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس مہینے کو گناہوں سے

پاک کر کے گزارنا کہ اس ماہ میں ہم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔

اس مبارک مہینے میں آنکھ نہ بہکے۔ نظر غلط جگہ پہ نہ پڑے۔ کان

غلط چیز نہ سنیں۔ زبان سے کوئی غلط کلمہ نہ نکلے۔ اور اللہ تبارک وتعالی

کی معصیت سے مکمل اجتناب ہو۔ یہ مبارک مہینہ اگر اس طرح

گزار لیا۔ پھر چاہے۔ ایک نفلی رکعت نہ پڑھی ہو۔ اور تلاوت زیادہ

نہ کی ہو۔ اور نہ ذکر واذکار کیا ہو۔ لیکن گناہوں سے بچتے ہوئے۔

اللہ کی معصیت اور نافرمانی سے بچتے ہوئے۔ یہ مہینہ گزار دیا۔ تو

آپ قابل مبارک باد ہیں۔ اور یہ مہینہ آپ کے لئے مبارک ہے

گیارہ مہینے تک ہر قسم کے کام میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور یہ اللہ

تبارک کا ایک مہینہ آرہا ہے۔ کم از کم اس کو تو گناہوں سے

پار کر لو۔ اس میں تو اپنے کی نافرمانی نہ کرو۔ اس میں کم ازکم

جھوٹ نہ بولو۔ اس میں تو غیبت نہ کرو۔ اس میں تو بدنگاہی کے اندر

مبتلا نہ ہو۔ اس مبارک مہینے میں تو کانوں کو غلط جگہ پر استعمال

نہ کرو۔ اس میں تو رشوت نہ کھاؤ۔ اس میں سود نہ کھاؤ۔ کم ازکم

یہ ایک مہینہ اس طرح گزار لو۔

یہ کیسا روزہ ہوا؟

اس لئے کہ آپ روزے تو ماشاءاللہ بڑے ذوق شوق سے

رکھ رہے ہیں۔ لیکن روزے کے کیا معنی ہیں۔ روزے کے معنی یہ ہیں

کہ کھانے سے اجتناب کرنا۔ پینے سے اجتناب اور نفسانی خواہشات

کی تکمیل سے اجتناب روزے میں ان تینوں چیزوں سے

اجتناب ضروری ہے۔ اب یہ دیکھیں۔ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں

جو فی نفسہ حلال ہیں۔ کھانا حلال۔ پینا حلال۔ اور جائز طریقے

سے زوجین کا نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا حلال اور روزے

کے دوران آپ ان حلال چیزوں سے تو پرہیز کر رہے ہیں۔ نہ کھا رہے

ہیں۔ اور نہ پی رہے ہیں۔ لیکن جو چیزیں پہلے حرام تھیں۔ مثلاً

جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا۔ بدنگاہی کرنا۔ جو ہر حال میں حرام تھیں

اور جھوٹ بول رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے۔ اور غیبت کر رہے

ہیں روزہ رکھا ہوا ہے۔ اور بدنگاہی کر رہے ہیں۔ اور روزہ

رکھا ہوا ہے۔ لیکن وقت پاس کرنے کے لئے گندی گندی

فلمیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ کیا روزہ ہوا۔ کہ حلال چیز تو چھوڑ

دی اور حرام چیز نہیں چھوڑی۔ اس لئے حدیث شریف میں

نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ جو شخص روزہ

کی حالت میں۔ جھوٹ بولنا۔ نہ چھوڑے۔ تو مجھے اس کے بھوکا اور

پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اس لئے جب جھوٹ بولنا نہیں

چھوڑا۔ جو پہلے سے حرام تھا۔ تو کھانا چھوڑ کر اس نے کونسا بڑا

عمل کیا ہے۔

روزے کا ثواب ملیا میٹ ہو گیا۔

اگرچہ فقہی اعتبار سے روزہ درست ہو گیا۔ اگر کسی مفتی سے

پوچھو گے۔ کہ میں نے روزہ بھی رکھا تھا۔ اور جھوٹ بھی بولا تھا۔ تو وہ

مفتی یہی جواب دے گا۔ کہ روزہ درست ہو گیا۔ اس کی قضا واجب

نہیں۔ لیکن اس کی قضا واجب نہ ہونے کے باوجود اس روزے

کا ثواب اور برکات ملیا میٹ ہو گیا۔ اس واسطے کہ تم نے اس روزے

کی روح حاصل نہیں کی۔

(روزے کا مقصد تقوای کی شمع روشن کرنا)

میں نے آپ کے سامنے جو یہ آیت تلاوت کی ہے۔

یاایھاالذین امنوکتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من

قبلکم لعلکم تتقون = اے ایمان والوں تم پر روزے فرض

کیے گئے ہیں۔ جیسے پچھلی اُمتوں پر فرض کیے گئے۔ کیوں

روزے فرض کیے گئے۔ تاکہ تمہارے اندر تقوای پیدا ہو۔

یعنی روزہ اصل میں اس لئے تمہارے ذمہ فرض کیا گیا۔ تاکہ

اس کے ذریعے۔ تمہارے دِل میں۔ تقوای کی شمع روشن ہو۔

روزے سے تقوای کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

روزہ تقوای کی سیڑھی ہے۔

لبعض علماء نے فرمایا۔ کہ روزے سے تقوای کا اس طرح پیدا

ہوتا ہے۔ کہ بندہ انسان کی قوت حیوانیہ اور قوت بہیمیہ کو توڑتا ہے۔ جب آدمی بھوکا رہے گا۔ تو اس کی وجہ سے اس کی حیوانی خواہشات اور حیوانی تقاضے کچلے جائیں گے جس کے نتیجے میں گناہوں پر اقدام کرنے کا داعیہ اور جذبہ سست پڑ جائے گا۔

بلکہ بات دراصل یہ ہے۔ کہ جب آدمی صحیح طریقے سے روزہ رکھے گا۔ تو یہ روزہ خود تقویٰ کی ایک عظیم سیڑھی ہے اس لئے کہ تقویٰ کے کیا معنی ہیں۔ تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے استحضار سے اس کا گناہوں سے بچنا۔ یعنی یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر

مجھے جواب دینا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

اس تصور کے بعد۔ جب انسان گناہوں کو چھوڑتا ہے۔

تو اس کا نام تقوٰی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں۔ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ

عَنِ الْهَوَىٰ ۝ سورۃ النّٰزعٰت = آیت نمبر (40)

یعنی جو شخص اس بات سے ڈرتا ہے۔ کہ مجھے اللہ تعالیٰ

کے دربار میں پیش ہونا ہے۔ اور کھڑا ہونا ہے۔ اور اس

کے نتیجے میں۔ وہ اپنے آپ کو ہوائے نفس اور خواہشات

سے روکتا ہے۔ یہی تقوٰی ہے۔

(میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے)

لہٰذا۔ روزہ حصول تقوٰی کے لئے بہترین ٹریننگ

اور بہترین تربیت ہے۔ جب روزہ رکھ لیا۔ تو آدمی چاہے کیسا
ہی گنہگار، خطا کار اور فاسق و فاجر ہو۔ جیسا بھی ہو
لیکن روزہ رکھنے کے بعد اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ کہ سخت
گرمی کا دن ہے۔ اور سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ اور کمرہ
میں اکیلا ہے۔ کوئی دوسرا پاس موجود نہیں۔ اور دروازے
پر کنڈی لگی ہوئی ہے۔ اور کمرہ میں فریج موجود ہے۔ اور
اس فریج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے۔ اس وقت یہ انسان
کا نفس یہ تقاضہ کرتا ہے۔ کہ اس شدید گرمی کے عالم میں
ٹھنڈا پانی نکال کر پی لے۔ مگر نہیں پی گا۔ حالانکہ اگر
وہ پانی پی لے۔ تو کسی بھی انسان کو کانوں کان خبر نہ
ہوگی۔ کوئی لعنت اور ملامت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور

دنیا والوں کے سامنے وہ روزہ دار ہی رہے گا۔ اور شام کو

باہر نکال کر آرام سے لوگوں کے ساتھ افطاری کھالے۔ تو کسی

شخص کو بھی پتہ نہیں چلتا ہے۔ کیوں نہیں چلتا۔ پانی نہ

پینے کی اس کی علاوہ کوئی اور وجہ نہیں ہے۔ کہ وہ یہ سوچتا

ہے۔ کہ اگرچہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا ہے لیکن میرا مالک جس

کے لئے میں نے روزہ رکھا ہے۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ الصوم لی وانا اجزی بہ

یعنی روزہ میرے لئے ہے۔ لہذا میں ہی اس کا اجر دوں گا

اور اعمال کے بارے میں۔ تو یہ فرمایا۔ کہ کسی عمل کا دس

گنا۔ اجر۔ کسی عمل کا ستر گنا اجر۔ اور کسی عمل کا سو گنا اجر

حتیٰ کہ صدقہ کا اجر سات سو گنا ہے۔ لیکن روزہ کے بارے
میں فرمایا کہ روزے کا اجر میں دوں گا۔ کیونکہ روزہ اس
نے صرف میرے لئے رکھا تھا۔ اس لیے شدید گرمی کی وجہ
سے جب حلق میں کانٹے لگ رہے ہیں۔ اور زبان پیاس سے
خشک ہے۔ اور فریج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے۔ اور
تنہائی ہے۔ اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود
میرا بندہ صرف اس لئے پانی نہیں پی رہا ہے۔ کہ اس کے دل میں
میرے سامنے کھڑا ہونے اور جواب دہی کا ڈر اور احساس
ہے۔ اسی احساس کا نام تقویٰ ہے اگر یہ احساس
پیدا ہو گیا۔ تو تقویٰ بھی پیدا ہو گیا۔ لہٰذا تقویٰ روزے
کی ایک شکل یہ بھی ہے۔ اور اس کے حصول کی۔ ایک سیڑھی

سبب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے روزے اس لیے فرض کیے تاکہ تقویٰ کی عملی تربیت دیں۔

—o—

Muhammad abbas nizami

3 / 3 / 98

—o—

مسائل روزہ

ریڈیو پاکستان پروگرام حی علی الفلاح

(1) قصداً رمضان کا روزہ توڑ دیا تو قضا اور کفارہ لازم ہیں

(2) قصداً کھانے پینے سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہونگے۔

(3) سرمہ لگانے اور سر کو تیل لگانے والے نے سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا۔ کچھ کھا لیا۔ تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہونگے۔

(4) روزہ توڑنے والا شخص پر جو کفارہ لازم آتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ دو مہینے کے روزے رکھے۔ جو شخص روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اس کے لئے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی نہیں۔ ہاں شخص ساٹھ روزے نہ رکھتا ہو۔ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اگر دونوں روزے۔ ایک ہی رمضان کے توڑے تو دونوں کا کفارہ ادا ہوگیا

اگر الگ الگ رمضان کے روزے تھے۔ تو دونوں روزوں کا کفارہ

الگ الگ ہے۔ مساکین کو تلاش کرنے کی خواہ مخواہ زحمت

کی۔ کسی دینی مدرسہ جا اتنی رقم بھیج دیں کر طلبہ کو کھلا دیا جا

(5) روزے دار نے اگر جماع کر لیا۔ تو اس پر کفارہ لازم

ہوگا۔

(6) روزہ کے دوران اگر میاں بیوی نے صحبت کر لی تو کفارہ

دونوں پر لازم ہوگا۔

(7) بیماری کی وجہ سے کفارہ کے روزے درمیان سے رہ جائیں

تو پورے دوبارہ رکھنے ہوں گے۔

(8) نفل روزہ کی نیت رات سے کی۔ لیکن عذر کی وجہ سے نہ

رکھ سکا۔ تو کوئی حرج نہیں۔ اور نفل روزہ توڑا تو کر قضا لازم

(9) اگر کوئی منت کے روزے نہیں رکھ سکتا تو کیا کرے۔ تو ہر روزے
کے بدلے کسی محتاج کو صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا اس کی
قیمت دے دے۔

(10) منت کے روزے دوسروں سے رکھوانا درست نہیں۔

(11) صرف پانچ دن ایسے ہیں۔ جن میں روزہ رکھنے کی اجازت
نہیں۔ دو دن عیدین۔ اور تین دن ایام تشریق یعنی
ذوالحجہ کی گیارھویں بارھویں، تیرھویں تاریخ

(12) روزے چھوڑ دے تو قضا کرے۔ ورنہ مرتے وقت
فدیہ کی وصیت کرے۔

(13) ایام کے دنوں روزوں کی قضا ہے۔ نمازوں
کی نہیں۔

(14) ایامِ حیض کے روزوں کی صرف قضا ہے کفارہ نہیں۔

(15) نفاس سے فراغت کے بعد قضا روزے رکھے۔

(16) تندرست آدمی قضا روزوں کا فدیہ نہیں دے سکتا۔

(17) دوسرے کی وفات نماز روزہ کی قضا نہیں ہو سکتی۔

(18) غروب سے پہلے اگر غلطی سے روزہ افطار کر لیا تو

صرف قضا لازم ہے۔

(19)
روزے کا فدیہ اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کو دینا جائز

نہیں۔

(20) دینی مدرسہ کے غریب طلبہ کے کھانے کے لیے

فدیہ روزے کا دینا۔

(21) قضا روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو ایک ہی وقت میں دینا

جائز ہے۔

(22) مرحومین کے قضا شدہ روزوں کا فدیہ ادا کرنا
اشد ضروری ہے۔ اور نمازوں کا فدیہ صدقہ فطر کے برابر

(23) اور جو شخص روزہ بھی نہ رکھ سکتا ہو۔ اور اس کے پاس فدیہ
ادا کرنے کے لئے بھی کچھ نہ ہو۔ وہ صرف استغفار کرے۔ اور
نیت رکھے۔ کہ جب بھی اس کو گنجائش میسر آئے گی۔ وہ روزوں
کا فدیہ ادا کرے گا۔

(24) انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(25) روزہ دار نے زبان سے چیز چکھ کر تھوک دی
روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(26) منہ سے نکلا ہوا خون مگر تھوک سے کم نگل لیا تو روزہ
نہیں ٹوٹتا۔

(27) تھوک کے نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مگر تھوک جمع کر کے نگلنا مکروہ ہے۔

(28) بلغم پیٹ میں چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(29) بلاقصد حلق کے اندر مکھی، دھواں، گرد و غبار چلا گیا، تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(30) ناک اور کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(31) اور اگر زخم پیٹ میں یا سر میں ہو۔ اور اس پہ دوائی لگانے سے دماغ یا پیٹ کے اندر دوائی سرایت کر جائے۔ تو روزہ ٹوٹ جائے گا

(32) کسی بھی انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور رگ اور بازو میں انجکشن لگانے کا ایک ہی حکم ہے

(33) گلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ یہ گلوکوز کسی عذر کی وجہ سے لگایا جائے۔ بلا عذر چڑھانا مکروہ ہے۔

(34) خون دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(35) روزہ میں دانت سے خون نکلنے کا حکم۔
وضو تو خون نکلنے سے ٹوٹ جائے گا اور روزے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر خون حلق سے نیچے چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ورنہ نہیں۔

(36) دانت نکلوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بشرطیکہ خون حلق میں نہ گیا ہو۔

(37) سوتے میں غسل کی ضرورت پیش آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(38) ٹوتھ پیسٹ کا استعمال روزہ کی حالت میں مکروہ ہے۔ تاہم اگر حلق میں نہ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(39) بچے کو پیار کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(40) زہریلی چیز کے ڈس لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور نہ ہی مکروہ ہوتا ہے۔

(41) مرگی کے دورہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(42) بھول کر کھانے والا۔ اور قے کرنے والا اگر قصداً کھالے تو صرف قضا ہو گی۔

(43) روزہ میں مخصوص جگہ میں دوا رکھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(44) وضوء، غسل یا کلی کرتے وقت غلطی سے پانی

حلق سے نیچے چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر اس

صورت میں صرف قضا لازم ہے۔ کفارہ نہیں۔

(45) روزہ میں غرغرہ کرنا۔ اور ناک میں اوپر تک

پانی چڑھانا ممنوع ہے۔

(46) روزہ کی حالت میں حقہ پینے یا سگریٹ پینے سے

روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر یہ عمل جان بوجھ کر کیا ہو

تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

(47) اگر ایسی چیز نگل جائے جو غذا یا دوا نہ ہو۔ تو صرف

قضا واجب ہوگی۔

(48) چنے کے دانے کے مقدار دانتوں میں پھنسے ہوئے۔

گوشت کے ریشے نگلنے سے روزہ ٹوٹ گیا۔

(49) امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسواک تو مکروہ نہیں۔ مگر بار بار کلی کرنا۔ دیر تک پانی میں بیٹھے رہنا مکروہ ہے

(50) کسی عورت کو دیکھنے یا بوسہ دینے سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ لیکن ملمس، مصافحہ اور بوسہ لینے سے۔ انزال ہو جائے۔ تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور صرف قضا واجب ہوگی۔ کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

(51) کفارہ صرف کھانے پینے سے یا جماع سے لازم آتا ہے۔ ہاتھ کے استعمال سے اگر روزہ خراب کیا۔ ہو تو صرف قضا لازم ہے۔

(52) مجبوری۔ حیض و نفاس کے دنوں میں عورت کو روزہ

رکھنا جائز نہیں۔ بعد میں قضا رکھنا فرض ہے۔

(53) روزہ کے دوران اگر ایام شروع ہو جائے تو روزہ ختم ہو جاتا ہے۔

(54) غیر رمضان میں روزوں کی قضا ہے۔ تراویح کی نہیں۔

(55) چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا چاہیے بسلسل رکھیں چاہے وقفہ وقفہ سے۔

(روزوں کی قضا اور کفارہ)

(56) عورتوں کے ایام حیض میں روزے چھوڑ دے۔ اور پاک ہوتے ہی بغیر وقفہ کے روزہ شروع کر دیا کرے۔ یہاں تک کہ سارے روزے پورے ہو جائیں۔

Abbas

12 : 3 : 98

(۱۸۷)

رسولِ اکرم کی رسالتِ عامہ

حضور رحمتِ عالم نورِ مجسم ؐ کے احاطہ رسالت کے ان گنت اور

بے شمار پہلو ہیں۔ ہم یہاں صرف اس ایک پہلو پر قدرے

تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آنحضرت ؐ کائنات کے ذرہ ذرہ عالم

علوی و سفلی کے ہر حصہ میں ہر جگہ جلوہ گر ہیں۔ اور وہ نورِ مجسم ؐ جہاں

چاہیں، جب چاہیں، بیک وقت جتنے مکانوں میں چاہیں۔ جسے

چاہیں۔ جس کو چاہیں۔ خواب میں یا بیداری میں بنفسِ

نفیس زیارت سے مشرف فرما سکتے ہیں۔

دلیل (۱)

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ : اور نہیں بھیجا ہم نے آپ

کو اے محبوب مگر گھیرنے والے تمام انسانوں کو۔

دلیل (۲)

(وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ) اور نہیں بھیجا ہم نے

آپ کو اے محبوب مگر رحمت واسطے تمام جہانوں کا۔

دلیل (3)

ورحمتی وسعت کل شیء اور میری رحمت ہر چیز کو

گھیرے ہوئے ہے۔ ان آیات میں حصر و عموم کے حقیقی

معنی مراد ہیں۔ جیسا کہ محققین نے تصریح فرمائی ہے۔ تو

واضح ہوا کہ حضور سرور عالم ہر جگہ جلوہ گر ہیں اور اولین

و آخرین سب کے رسول ہیں۔

دلیل (4)

یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا : اے غیب کی خبریں

دینے والے بے شک ہم نے آپ کو بھیجا حاضر و ناظر تمام عالم

کے قائدہ مسلمہ کے مطابق یہاں مرسل الیہ اور شاہد کے مفعول

کا حذف عموم پر دلالت کر رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کائنات

کی طرف بھیجے گئے۔ اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور بصیر ہیں۔

(ی) دلیل

النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم یعنی تمام ایمان داروں

سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ اس وضاحت

کے بعد حضورؐ کے حاضر و ناظر ہونے کا وہی انکار کرے گا

جو یا تو اپنے آپ کو مومن نہ جانے یا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

حضور پرنورؐ کو نبی نہ سمجھے کیونکہ ہمارے نبی تو ایک

مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب ہیں ؎

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است

دلیل 6

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم ؛

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن
پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ اس آیت سے معلوم
ہوا۔ حضور سب کے پاس تشریف فرما ہیں۔ نیز جبکہ ہر
ایک کی تکلیف آپ پر گراں ہے۔ تو اس لئے بھی کہ آپ علم
غیب کلی کے عالم ہیں۔ اور اس لئے بھی آپ حاضر و ناظر
ہیں۔ کیونکہ ما عنتم اپنے عموم کے لحاظ سے محسوس
و غیر محسوس ہر قسم کی مشقت کو شامل ہے۔ اور یہ
تو ظاہر ہے۔ کہ جب کسی کو مشکل کا ادراک و علم ہوتا
ہے۔ تب ہی گراں گذر سکتی ہے۔

دلیل (7) . احادیث

ارسلت الی الخلق کافۃ کہ میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس قدر صراحت ووضاحت کے بعد کسی بھی عقلمند کو جو ایمان بالغیب کے ساتھ بہرہ ور رہے۔ ہرگز انکار کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ البتہ یہ بات کہ ایک جسم متعدد مکانوں میں بیک وقت کیسے موجود ہوسکتا ہے تو اس کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل احادیث اور قول ملاحظہ کیجیے۔

دلیل (8) .

شب معراج نبی کریم ؐ نے حضرت موسیٰ ؑ کو کثیب احمر کے پاس اپنی قبر کے اندر نماز پڑھتے موجود دیکھا۔ جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں تمام انبیاء ورسل اور موسیٰ ؑ کو

موجود تھے۔ پھر آسمانوں پر بھی حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ

حضرت ابراہیم اور حضرت آدم موجود پائے۔ یہ سب مختلف و

متعدد مکان ہیں۔

دلیل (9)

منکر نکیر میت سے پوچھتے ہیں کہ تو اس مرد (محمد ؐ) کے

بارے میں کیا کہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر قبر میں بھی سرکار

دو عالم جلوہ گری فرماتے ہیں۔ روئے زمین پر بیک وقت

فوت ہونے والے۔ اور مشرق و مغرب کے دور دراز مقابر میں

آن واحد میں دفن ہونے والے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں

سے بیک وقت یہی سوال کیا جاتا ہے۔ اور اس ایک آن میں

نبی کریم ؐ ہر قبر میں موجود تشریف لاتے ہیں۔ اس طرح منکر

نکیر۔ دونوں فرشتے اسی آنِ واحد میں ان تمام ہزاروں

لاکھوں قبروں میں آکر سوال کرتے ہیں۔ تو ایک فرد کا

ایک ہی وقت میں متعدد مکانوں میں موجود ہونا واضح ہوگیا

دلیل (5).

ایک سوال کے جواب میں کہ ملک الموت ایک ہے۔ جنگ کے

دوران مشرق و مغرب میں لوگ مرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا ملک الموت کے لئے اس طرح

جمع کر دی ہے۔ جس طرح تھال ہمارے سامنے تھالی۔ ایسے

خود حضرت عزرائیل سے کسی نے سوال کیا۔ کہ ایک ہی

وقت میں کوئی مشرق میں فوت ہوتا ہے۔ اور دوسرا

مغرب میں بیک وقت ان دونوں کی روح تم کیسے

طرح قبض کرتے ہو رہا تو حضرت ملک الموت نے کہا، کہ اللہ

تعالیٰ نے میرے لئے ساری دنیا کو سمیٹ کر اس طرح میرے

سامنے کر دیا ہے۔ جس طرح غذا کھانے والے کے سامنے پیالہ

تو اس سے بھی ایک فرد کا بیک وقت متعدد مکانوں میں

حاضر و ناظر ہونے کا پتہ چل گیا۔

دلیل (11)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ساری زمین سمیٹ دی ہے۔

پس میں نے اس کی مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا ہے۔

یہاں یہ نہیں بتایا گیا۔ کہ سرکار دو عالم کے لئے زمین کس

قدر جمع کی گئی ہے۔ البتہ قصیدہ غوثیہ میں

غوث پاک فرماتے ہیں۔ کہ ساری زمینیں میرے ساتھ

اس طرح ہے جس طرح ہتھیلی پر رائی کا دانہ رکھا ہو۔

تو حضور سرورِ کائنات ﷺ کے لئے اس سے بھی زیادہ جمع

کر دی ہے۔

دلیل (12)

حضور فرماتے ہیں قیامت کے دن سورج کو تمام مخلوق

سے ایک میل کی مقدار قریب کر دیا جائے گا۔ کیوں جناب

اب بھی مسئلہ حاضر و ناظر میں کچھ باقی ہے یہ وہ میدان

ہے۔ جہاں تمام مخلوق تھی جن و انس، چرند پرند۔ اکٹھے

ہونگے۔ اور سورج سب سے ایک ہی میل پر قریب ہوگا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ

کا ایک وصف سراجِ منیر بیان فرمایا ہے۔ یعنی آفتاب

چمکانے دینے والا۔ اگر محمد کا آفتاب ہر ایک سے

برابر قریب ہو سکتا ہے. تو مدینہ منورہ کے آفتاب ؐ ہر ایک کے پاس ہر جگہ حاضر و ناظر کیوں نہیں ہو سکتے۔ واللہ علی کل شیئ قدیر۔

دلیل (13)

حضرت علامہ نور الدین حلبی الرحمۃ فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کے لئے اس قدر وسعت بنا دیا ہے۔ کہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ میں موجود رہتے ہوئے۔ ہر جگہ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ تو اس میں کون سی تعجب کی کیا بات ہے۔ کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم ؐ کے سبز گنبد قبر انور کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہو کہ حضور وہاں ہوں۔ اور ہر جگہ بھی موجود ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دلیل (16)۔

حضور سارے مخلوقات کے لئے روح ہیں۔ حتیٰ کہ ارواح کے بھی روح ہیں۔ حضرت شیخ اکبر ابن عربی فرماتے ہیں کہ بے شک ہمارے تمام روحوں کا اصل محمد کا روح ہے تو آپ روحوں کے لحاظ سے اول باپ ہیں۔ اور آدم جسموں کے لحاظ سے اول باپ ہیں۔ اب دیکھیے۔ کہ روح کا اصل مکان دل ہے۔ مگر جسم کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں۔ جہاں روح نہ ہو۔ اور جب حضور جان جہان ہیں۔ تو ضرور ثابت ہوا۔ کہ تمام جہان میں ہر جگہ موجود ہیں۔ اگر بظاہر مدینہ میں موجود ہیں۔

دلیل (15)

شیخ ابو العباس طنجی فرماتے ہیں۔ مجھے میرے شیخ نے نبی کریم ؐ کی زیارت کے لئے بیت المقدس جانے کا حکم فرمایا۔ جس وقت میں مسجد میں داخل ہوا۔ تو دیکھا۔ کہ زمین و آسمان و کرسی و عرش بھرے ہے۔ ہر جگہ رسول اللہ ہی جلوہ گر ہیں

دلیل (16)

ایک صحابی کو خواب میں نبی کریم ؐ کی زیارت ہوئی۔ خیال آیا۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ بیداری میں بھی دیکھے گا۔ اس فکر میں حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ تو انہوں نے نبی کریم ؐ کا آئینہ دکھایا۔ وہ صحابی کہتے

ہیں۔ میں نے جب وہ آئینہ دیکھا۔ تو نبی کریم ﷺ کا دیدار

نصیب ہو گیا۔ سبحان اللہ آئینہ بھی اپنے سینہ میں تصویر

یار نقش کیے ہوئے تھا۔

دلیل (17)۔

علامہ نورالدین علی فرماتے ہیں۔ جسم اقدس حضور

پر نور ﷺ سے کوئی زمانہ کوئی مکان خالی نہیں۔ عرش فرش

لوح و قلم کرسی۔ بحر و بر برزخ و حشر ہر جگہ موجود رہیں

عالم علوی عالم سفلی میں ہر جگہ جلوہ فگن ہے۔ اس طرح

ہے۔ جیسے نفخہ الروح میں۔ اور جب نبی کریم ﷺ علوی و سفلی

تمام جہانوں کے روح ہیں۔ تو ضروری ہے۔ جب تک

جہان ہے اس کی ہر جز میں جان ہے۔

دلیل (18):

ٹیلی ویژن میں غور کرنے سے نئے ذہنوں کے لئے یہ
مسئلہ بآسانی واضح ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی ٹیلی ویژن
اسٹیشن پر سامنے آتا ہے۔ اور ہزاروں میل میں مختلف
ہزاروں مکانوں میں جہاں جہاں ٹیلی ویژن رکھا ہوتا ہے
ہر جگہ وہ آدمی بیک وقت نظر آتا ہے۔ ہاتھ، سر، منہ، پاؤں
ہلاتا ہے۔ آنکھیں بند کرتا ہے۔ بولتا ہے۔ ان تمام جگہوں
میں دکھائی دیتا ہے۔ اور اس کی گفتگو بھی سارے لوگ
باقاعدہ سنتے ہیں۔ فرق یہ ہے۔ کہ لوگ اُسے دیکھتے ہیں
وہ نہیں دیکھتا۔ لوگ اس کی بات سنتے ہیں۔ وہ نہیں
سنتا۔ یہ تو انسان کی بنائی ہوئی ایجاد کا کرشمہ ہے۔

محبوب خدا ﷺ کی قوت روحانیت کے سامنے اگر عالم کا
ذرہ ذرہ ٹیلی ویژن بنا دیا گیا ہو۔ اور گنبد سبز اس کا
اسٹیشن مقرر کیا۔ یہ قدرت خدا تعالیٰ کے لئے مشکل ہے

(دلیل ۱۹)

روایت کیا گیا۔ کہ ابراہیم بن ادھم کو آٹھویں ذی الحجہ کو
لوگوں نے بصرہ میں دیکھا۔ اور اس سال آپ مکہ مکرمہ
میں بھی دیکھے گئے۔

دلیل (۲۰)

حضرت مہران بھیک رح کے احوال میں منقول ہے۔
کہ آپ ایک درخت کے سایہ میں قرآن حکیم کی تلاوت
فرما رہے تھے۔ ایک برہمن آکر عرض کرنے لگا۔ کہ میرا دل

کے پیشوا امام سے ثابت ہے۔ کہ وہ ایک رات میں چالیس
عورتوں کے پاس تمام رات رہتا تھا۔ کیا آپکے پیغمبر سے ایسا
کمال ثابت ہے۔ آپ نے جوش میں آکر فرمایا۔ آقا کا کیا
پوچھنا ہے۔ غلام کو دیکھ۔ اوپر نظر اٹھا۔ اس نے اوپر
جو دیکھا۔ تو درخت کے ہر پتہ پر میراں شاہ بھیک بیٹھے ہیں
اور سامنے رحل پر قرآن کریم کھلا پڑا ہے۔ تلاوت کر رہے
ہیں یہ دیکھ کر وہ برہمن تو مسلمان ہو گیا۔

دلیل (21)

سرکار دوعالم ﷺ کے جسم اقدس اور جامہ بشریت بے مثل و بے
مثال ہے۔

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ نہیں جسکا مثل اور آئینہ
نہ کسی کے وہم و خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں۔

ساری کائنات حتیٰ کہ زمین اور وہ مبارک مٹی جس

سے آنحضرت ﷺ کا جسم مقدس بنا بھی حضور ﷺ کے نور سے

ہی پیدا ہوئی۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ چیز اپنے اصل

کے ساتھ مل جائے۔ تو منقلب ہو کر وہی بن جاتی ہے۔

مثلاً۔ کوئلوں کے ڈھیروں پر ایک آگ کا انگارہ رکھ

دیا جائے۔ تو تھوڑی ہی دیر میں وہ سارا ڈھیر آگ

بن جائے گا۔ بلا تمثیل وہ مقدس مٹی جس وقت

اپنے اصل نور کے ساتھ ملی تو نور بن گئی۔ یہی وجہ ہے

کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

دلیل ۔ (22)

صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ کہ نبی کریم کا سایہ نظر

نہیں آتا تھا۔ سورج کی دھوپ میں۔ اور نہ چاند کی چاندنی

میں (23) دلیل۔

حضرت حسان بن ثابت سے ثابت ہے کہ میں نے

جب نبی کریم کے انوار کی طرف نظر کی تو میں نے آنکھوں

پر رکھ لی۔ اندھا ہونے کے ڈر سے

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

-o-

abbas

25 : 2 : 98

حضرت اسماعیل ؑ

حضرت سیدنا ابراہیم ؑ نے دعا کی رب ھب لی
من الصالحین ۔ الٰہی مجھے لائق اولاد دے۔ رب تعالیٰ
فرماتا ہے فبشرنٰہ بغلٰمٍ حلیم یعنی ہم نے اُسے ایک
دانشمند لڑکے کی خوشخبری سنائی۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کی
۹۹ سال کی عمر شریف میں حضرت سیدہ ہاجرہ کے بطن شریف
سے حضرت اسماعیل ؑ کی پیدائش مبارک ہوئی۔

اور جب اسماعیل ؑ تیرہ سال کی عمر شریف کو پہنچے اور
اپنے پیارے باپ کے ساتھ کام کاج کرنے کے قابل ہوگئے
تو ابراہیم ؑ کو ۸ ذی الحجہ کی رات کو خواب میں حکم الٰہی ہوا کہ
اپنے بیٹے کو ذبح کردو۔ جب صبح ہوئی۔ تو حضرت ابراہیم ؑ نے
حضرت اسماعیل کی والدہ حضرت حاجرہ سے فرمایا۔

کہ اسماعیل کو نہلاؤ دھلاؤ۔ انہوں نے نہلایا۔ تیل لگایا۔ اور
آپ حضرت اسماعیلؑ کو لے کر نکلے تو حضرت ہاجرہ کے پاس
شیطان آموجود ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ ابراہیمؑ اسماعیل کو
آج ذبح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے پوچھا کیوں۔ اس
نے کہا۔ انہیں گمان ہو گیا ہے۔ کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ وہ بولیں
اگر خدا کا حکم ہے۔ تو ہم خدا کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں
پھر شیطان اسماعیلؑ کے پاس پہنچا اور آپ سے بھی وہی کہا۔
جو آپکی والدہ ماجدہ حضرت حاجرہ سے کہا تھا۔ انہوں نے
وہی جواب دیا۔ جو آپ کی والدہ نے دیا تھا۔ پھر شیطان حضرت
ابراہیم کے پاس آیا۔ اور کہا۔ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کرنا چاہتے
ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہنے لگا۔ کہ آپ کے پاس تو خواب

میں شیطان آیا تھا (معاذ اللہ) آپ نے کنکریاں ماریں ۔
اور فرمایا اے دشمن خدا ۔ میرے سامنے سے دور ہو جا ۔ پھر
جب منیٰ میں پہاڑ کے پاس پہنچے تو اسماعیل سے فرمایا ۔
اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح
کرتا ہوں ۔ اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے ۔ قال یا ابت
افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ۔
اسماعیل نے کہا ۔ اے میرے باپ ۔ جس بات کا آپ کو
حکم ہوتا ہے وہ کر دیں ۔ خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ
مجھے صابر پائیں گے ۔

(نکتہ)

اگر کہا جائے کہ حضرت ابراہیم جب آتشکدہ نمرود میں
ڈالے گئے ۔ تو جبرئیل سے بھی مدد نہ لی ۔ اور یہاں وہ بات

نہ کی۔ مگر اپنے صاحبزادہ کے ذبح کے وقت اُن کی رائے
دریافت فرمائی۔ تو انہوں نے بڑی مضبوطی کا مظاہرہ فرمایا
آگ میں حضرت ابراہیم کی پیشانی استقلال کا زیادہ مظاہرہ
نظر آتا ہے۔ اور ذبح کے وقت بظاہر حضرت اسماعیل ؑ کے
استقلال کا زیادہ مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے
تو جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم جب آگ میں ڈال دیے گئے
تھے۔ تو نورِ محمدی ان کی پیشانی میں تھا۔ اور ذبح کے وقت
وہ نور اسماعیل ؑ کی پیشانی میں منتقل ہو چکا تھا۔

ظہورِ پاک سے پہلے بھی صدقے تھے نبی تم پر
تمہارے نام ہی کی روشنی تھی بزمِ خوباں میں۔

بہرحال جب دونوں باپ بیٹا تیار ہو گئے۔ تو اسماعیل ؑ

نے عرض کیا۔ ابا جان مجھے ذبح فرمائیے۔ لیکن جب مجھے لٹاؤ
تو میرے ہاتھوں اور پیروں کو مضبوط باندھ دیں۔ تاکہ میں
مضطرب نہ ہوں۔ اور میں میرا خون آپ پر نہ پڑ جائے۔
اور میرا اجر کم نہ ہو جائے۔ اور صبر فرمائیے۔ اور میرا یہ کرتہ
میری والدہ کے حوالے کر دیں۔ اور اگر میری نسبت دریافت
کریں۔ تو فرمائیے۔ میں اُسے اس کے پاس چھوڑ آیا ہوں
(جو حق تعالیٰ) مجھ سے اور تجھ سے بہتر ہے۔ جب بالکل ذبح کی
تیاری ہو گئی۔ تو حضرت اسماعیلؑ نے عرض کی۔ کہ ابا جان
میرے بندھن کھول دیجئے۔ تاکہ کہیں یہ نہ کہا جائے۔ کہ میں
گرفتار ہو کر مجبوراً اطاعت کر رہا ہوں۔ اور لوگ یہ نہ
کہیں۔ کہ میں زبردستی ذبح کیا گیا ہوں۔ میں کو اپنے

اختیار و خوشی کے ساتھ اپنی جان پیش کرتا ہوں (ابن کثیر)

اب وہ وقت آگیا۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نے سیدنا اسماعیل

کو ماتھے شریف کے بل لٹایا اور گردن مبارک پر تیز چھری

چلا دی۔ مگر بحکم الٰہی چھری نے کچھ کام نہ کیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ

نے جبرائیل کو فرمایا۔ اُڑ کر خبر لے میرے پیارے بندے

کو دیکھ۔ اگر چھری نے ذرا بھی کام کیا۔ تو دفتر ملائکہ سے تیرا

نام مٹا دوں گا۔

جب ابراہیم نے دیکھا کہ چھری کچھ کام نہیں کرتی،

تو آپ نے جلال میں آکر چھری کو پھینک دیا۔ چھری نے

عرض کیا۔ حضور آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا

کہ تو نے کچھ بھی نہیں کاٹا۔ چھری نے عرض کیا کہ حضور جب

نمرود کی آگ میں تھے۔ تو اس نے آپ کا بدن شریف کیوں
نہیں جلا دیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اسے خدا کا حکم تھا۔ کہ
اے آگ ابراہیم پر سلامتی والی ہو جا۔ چھری بولی حضور
مجھے ستر مرتبہ فرماتا ہے۔ کہ خبردار کاٹنا مت۔ پھر میں
اسماعیل کی گردن کیسے کاٹ سکتی ہوں۔ (تفسیر نعیمی)
مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ
جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی۔ اور باپ نے بیٹے
کو ماتھے کے بل لٹایا۔ تو اس وقت کا حال نہ پوچھ آسمان
کے دروازے کھل گئے۔ فرشتے رونے لگے۔ اس وقت جو حال گزر
رہا تھا۔ کہنے میں نہیں آتا۔ ایک عجیب ماجرہ اور حیرت انگیز
منظر ہو رہا تھا۔ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا

إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِينُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ

اور ہم نے اسے ندا فرمائی۔ کہ اے ابراہیم بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ نیکوں کو۔ بے شک یہ روشن جانچ تھی۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر بچا لیا۔ اور اسے یادگار کے طور پر قیامت تک باقی رکھا۔ مولا تعالیٰ کی طرف سے جب یہ ندا آئی اور ابراہیم ؑ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی تو دیکھا، کہ جبرائیل ؑ جنت سے وہ مینڈھا لے کر آئے ہیں جس کی حضرت ھابیل ابن آدم ؑ نے قربانی کی تھی۔ ابراہیم ؑ اس مینڈھے کو پکڑنے چلے۔ تو وہ بھاگ گیا۔ جبرائیل ؑ نے کہا

حضور کیا آپ کے لئے میں نہ ایسے پکڑے رہوں۔ ابراہیم نے جواب
دیا نہیں۔ جبرائیل نے پوچھا کیوں۔ آپ نے فرمایا۔ اس لئے۔ کہ
جب مجھے آگ میں ڈالا گیا تھا۔ تو اس وقت میں نے تم سے مدد
نہیں مانگی تھی۔ حالانکہ تم ہوا میں تھے۔ تو بھلا اب تم سے کیسے مدد
مانگوں۔ حالانکہ تم زمین پر ہو۔ ادھر حضرت اسمٰعیل نے منظر
کو دیکھا۔ تو آپ رو پڑے۔ جب کہا گیا۔ آپ خوشی کے وقت بھی
روتے ہیں۔ تو فرمایا جب میرے رب العزت نے جن کی قربانی منظور
نہ فرمائی۔ وہ کیسے نہ روئے۔ جبرائیلؑ نے کہا۔ اے ابراہیم خدا
نے آپ کے صبر کی بدولت ایک خاص دعا مستجاب فرمائی ہے
آپ جو چاہیں خدا سے مانگیں۔ ابراہیم نے دعا کی۔ اے اللہ
نبی آخر الزمانؐ کی امت میں سے کسی کو عذاب نہ فرمانا۔

حضرت جبرائیل نے اللہ اکبر کہا۔ حضرت اسمٰعیل نے کہا۔ لا الہ الا اللہ
واللہ اکبر۔ ابراہیمؑ نے کہا ولله الحمد جب حضرت ابراہیمؑ کے
بیٹے کی قربانی دی گئی۔ (تذکرۃ المجالس)

یہ ہے۔ وہ عظیم الشان قربانی جس کی محض آج مسلمان
یادگار منا رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ قیامت تک مناتے رہیں گے
اس واقعہ شریفہ میں حضرت ابراہیم کی شان محبت و خلت
اور پیارے ابراہیم و اسماعیل ؑ کی اطاعت باری ایثار و
خلوص اور صبر و رضا کا کمال مظاہرہ اور ان پر مولا تعالیٰ
کے خاص انعامات کا بیان ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو اپنے
پیارے کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[signature]
25 / 3 / 98

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

یہ مبارک مہینہ جس میں نبی پاک ﷺ اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔ اس ماہ
ربیع الاول تیری عظمتوں کو سلام تیرے دامن میں اللہ کے محبوب
کی ولادت باسعادت کے اور حضور کے پیدائش کے جلوے نظر آ رہے
ہیں۔ جو مومن کے دلوں کو روشن کر رہے ہیں۔ میرا ایمان ہے
کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت نے حقائق کائنات کو منور
کیا۔ حضور ﷺ خود نور ہیں۔ اور اس نور سے تمام عالم کو نور علی نور
کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ
نے قرآن پاک میں فرمایا۔ هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى
یہاں حضور کے بھیجنے کا ذکر ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اللہ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا۔ کہ ان میں سے رسول
کو بھیجا۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ

تمہارے پاس نور آیا۔ اور روشن کتاب "یا ایھا النبی انا

ارسلناک شاھدا۔" اے پیارے نبی ہم نے آپ کو

شاہد بنا کر بھیجا۔ (الاحزاب) قرآن پاک کے عنوانات

کو دیکھیے۔ کہ حضور ؐ کے آنے، بھیجے جانے، مبعوث ہونے،

جلوہ گر ہونے کے لیے کیسے عنوانات اللہ تعالیٰ نے قرآن

پاک کے اندر بیان فرمائے ہیں۔ جن سے حضور کے تشریف

لانے کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ایک مقام پہ فرمایا

"وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔" تو بتا کر ہم ؐ کی ذات

مقدسہ تمام کائنات کے لیے رحمت ہے۔ اور حضور تمام عالم

کے لیے ہدایت بن کر تشریف لائے۔ اور قرآن نے صاف

کر دیا۔ (ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی) حضور علیہ

کی ولادت باسعادت کا مضمون جب ذہن میں آتا ہے۔

تو تین چیزیں اپنے ساتھ لاتا ہے۔ (1) خلقتِ محمدی

(2) ولادت محمودی (3) بعثت محمدی خلقتِ محمدی سے مراد

ساری کائنات سے پہلے حضور کا پیدا ہونا۔ زبانِ نبوت نے فرمایا

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا

ایک حدیث میں ارشاد ہوا۔ یا جابر اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ

نُوْرَ نَبِیِّکَ اے جابر جو چیز اللہ نے سب سے پہلے

پیدا کی وہ تیرے نبی کا نور ہے۔

امام مجدد الف ثانی سیدی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ نے

مکتوبات شریف میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ اس کے

الفاظ ہیں۔ قال رسول اللہ۔ خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ حضور

نے فرمایا۔ میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔ یہ ہمارا
عقیدہ ہے۔ یہ ہمارا مسلک ہے۔ ہمارا مذہب ہے۔ کہ نبی پاکؐ
نور ہیں۔ اور حضور اللہ کے نور سے پیدا ہوئے۔ اور حضورؐ
نے فرمایا۔ اَنَا اَوَّلُهُمْ خَلْقًا میں سب سے پہلے پیدا ہوا ہوں
وَآخِرُهُمْ بَعْثًا۔ اور سب نبیوں کے بعد آیا۔ نبی اکرمؐ
نے اپنی اولیت کا ذکر اور مقامات۔ یہ بھی فرمایا ہے۔ ایک
حدیث میں آیا۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔
میں نبی تھا۔ جب آدم مٹی اور پانی میں تھے۔ ایک اور مضمون
اسی حدیث کا ترمذی شریف میں بروایت حسن امام ترمذی نے
روایت کیا ہے۔ قال رسول اللہؐ كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ
وَالْجَسَدِ۔ فرمایا میں نبی تھا۔ اور آدم ابھی جسم اور روح

میں تھے۔ ان کی روح ان کے جسم میں داخل نہیں ہوئی تھی

تب بھی میں نبی تھا۔ ہمارا مسلک ہے کہ حضور علیہ السلام

مخزن کائنات ہیں۔ حضور منشاء کائنات ہیں۔ اور مجھے

کہنے دیں کہ حضور مقصودِ کائنات ہیں۔ ایک حدیث میں آیا

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا۔ پیارے تو نہ ہوتا۔ تو میں

دنیا کو نہ بناتا۔ ایک حدیث میں آیا۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ

الْاَفْلَاکَ۔ میرے حبیب اگر تجھے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا۔ تو

میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔ اور تفسیر حسینی میں ایک

حدیث نقل کی گئی ہے۔ لَوْلَاکَ لَمَا اَظْہَرْتُ الرُّبُوْبِیَّۃَ

پیارے اگر تو نہ ہوتا۔ تو میں اپنے رب ہونے کو ظاہر نہ کرتا

اب لوگ کہتے ہیں۔ یہ حدیثیں ضعیف ہیں۔ یہ نہیں مانتے

کہ ہمارا عقیدہ ضعیف ہے۔ اور میں حضور کی اولیت کا

مضمون قرآن سے سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جب اللہ نے صاف

فرما دیا۔ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ۔ پیارے

جب ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے عالموں کے لیے

رحمت کرنے والا بنا کر۔ تم بتاؤ۔ کہ سارے عالموں میں

سوائے اللہ کے سب شامل ہیں۔ ہم سے جو پہلے تھے۔ وہ بھی

العالمین میں شامل ہیں۔ اور ہمارے بعد میں آئیں گے وہ

بھی العالمین میں شامل ہیں۔ تو بتاؤ۔ کہ اللہ کے سوا حضور

سب کے لیے رحمت کرنے والا ہیں کہ نہیں ہیں (یہاں اصل عربی میں

رحمت مصدر ہے۔ اور مصدر میں زور ہم کے ہیں (صاحب روح المعانی

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین) کا

ترجمہ فرماتے ہیں۔ کہ پیارے جب ہم نے آپ کو نہیں بھیجا
مگر سارے عالموں کے لئے رحمت کرنے والا بنا کر۔ اب میں آپ
سے پوچھتا ہوں۔ کہ سارے عالموں میں اللہ کے سوا سب کچھ
ہے۔ کیونکہ ہم سے پہلے بھی العالمین میں شامل تھے۔ حضرت
آدمؑ سے لے کر۔ اب تک سب العالمین میں ہیں۔ زمین بھی آسمان بھی
فرش بھی عرش بھی۔ فلک بھی ملک بھی۔ تمام جواہر بھی اعراض بھی
عناصر بھی۔ تمام عالم اجسام تمام عالم ارواح ـــــ تمام کائنات
العالمین میں داخل ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ میرے پیارے میں
نے آپ کو سارے عالموں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے
صاحب روح المعانیؒ نے عارفین کا ایک قول نقل کیا ہے۔ اور
بتاتا ہے کہ حضورؐ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی وجہ کیا ہے۔ فرماتے

ہیں۔ وجہ یہ ہے۔ (حضور اصل ہیں اور العالمین فرع)

اصل کہتے ہیں جڑ کو۔ اور فرع کہتے ہیں شاخ کو۔ یہ بتاؤ۔ کہ درخت

کی جڑ نہ ہو تو درخت کی شاخیں باقی رہیں گی۔ اگر درخت کی جڑ

سوکھ جائے۔ شاخیں ہری رہیں گی۔ درخت کی جڑ کو جلا دو تو

شاخیں موجود رہیں گی۔ (نہیں بالکل نہیں) اور درخت کی جڑ سے

تو سارا کام ہوتا ہے۔ جڑ جو ہے تنے کو غذا پہنچا رہی ہے

اور وہ جو تنے کو غذا پہنچ رہی ہے۔ وہ جڑ کی پہنچائی ہوئی غذا۔

تنے سے موٹی موٹی شاخوں میں پہنچتی ہے۔ اور پھر چھوٹی چھوٹی شاخوں

میں پہنچتی ہے۔ پھر پتوں میں پہنچتی ہے۔ اور وہ پھلوں میں پہنچتی

ہے۔ پھولوں میں پھل۔ تو معلوم ہوا۔ کہ سارا تنا جڑ کا

محتاج ہے۔ اور ساری شاخیں اس جڑ کی محتاج ہیں۔ اور

ہر شے اس جڑ کا محتاج ہے۔ اور ہر پھول اس جڑ کا محتاج ہے۔
اور ہر پھل اس جڑ کا محتاج ہے۔ جب تک اس جڑ کا فیض
جاری ہے۔ تو شاخیں ہری ہیں۔ اور جڑ کا فیض ختم ہو جائے۔
تو شاخیں سوکھ جائیں گی۔ میرے آقا؟ تمام کائنات کے
ذرے ذرے کے لیے۔ اصل ہیں۔ اور اس کائنات کا ہر ذرہ
اوپر ہے۔ خواہ وہ زمین کے نیچے ہیں۔ وہ ہواؤں میں ہے۔ وہ
فضاؤں میں ہے۔ وہ کہیں ہے زمین میں ہے آسمان میں ہے۔
فرش میں ہے۔ عرش میں ہے۔ جہاں بھی کوئی ذرہ ہے مصطفیٰ کی
جڑ کے لیے شاخ ہے۔ اور حضور کا فیض اس طرح کائنات کے
ذرے ذرے کو پہنچ رہا ہے۔ جیسے جڑ کا فیض شاخ شاخ پر جز
کو پہنچ رہا ہے۔ اب آپ یہ بتائیں کہ جڑ پہلے ہو گی یا شاخیں

ہو گئی۔ (جڑ پہلے ہو گئی) تو کہہ لیجیے کہ شاخیں تو عالمین ہیں۔

اور جڑ حضور ﷺ ہیں (تو حضور پہلے ہوئے۔ اور العالمین بعد میں)

اب آپ یہ بتائیں کہ شاخ کو جڑ کی حاجت ہے کہ نہیں ہے۔

(حاجت ہے) اللہ اکبر۔ یوں کہو کہ ساری کائنات کو مصطفیٰ کی حاجت

ہے۔ اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جس کی حاجت ہو وہ پہلے ہوتا ہے

اور حاجت والا بعد کو ہوتا ہے۔ تو مصطفیٰ کی حاجت ہے اس

لئے حضور پہلے ہیں اور حاجت والی کائنات ہے لہٰذا کائنات بعد

میں ہوئی۔ میرا ایمان ہے کہ مصطفیٰ اگر نہ ہوں۔ تو کائنات

زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ کیا شعور ہے۔ کہ وہ تو مر کر مٹی میں

مل گئے ہیں۔ (نعوذ باللہ) وہ مر گئے تو ہم کیسے زندہ رہ گئے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ بجلی گھر میں بجلی ختم ہو گئی ہے۔ مگر میرا گھر

کے تمام بلب روشن ہیں۔ آپ مان لیں گے۔ اس بات کو (یعنی بالکل نہیں

خدا کے بندے۔ بجلی گھر میں بجلی ہے نہیں۔ تو شہر کے گھر کے

بلب کیسے روشن ہیں۔ ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ بجلی گھر میں بجلی

موجود ہے۔ اور شہر کے گھر میں اندھیرا ہو۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ

اس لئے کہ تو نے فٹنگ بھی نہ کرائی ہو۔ اور شاید فٹنگ بھی کرائی ہو تو

تو کنکشن نہ لیا ہو۔ کیسے روشنی ہو گی۔ اور ممکن ہے کہ کنکشن بھی لیا

ہو تو ابھی بلب نہ لگایا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بلب لگا لیا ہو۔

مگر فیوز ہی اڑ گیا ہو۔ پھر بھی اندھیرا رہا۔ پتہ چلا کہ بجلی گھر

میں اگر بجلی ہو۔ تو شہر کے گھر میں اندھیرا ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو

سکتا کہ بجلی گھر میں بجلی نہ ہو۔ اور شہر کے گھر میں روشنی ہو۔ سمجھ

گئے ہم۔ تو یہ تو ممکن ہے کہ مصطفی امام زندہ ہوں اور ہم مردہ ہو جائیں

لیکن یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ مصطفیٰ مردہ ہوں۔ اور ہم زندہ رہیں۔ کیونکہ

اس لئے مصطفیٰ اصل ہیں۔ حضور مخزنِ حیات ہیں۔ معدنِ حیات ہیں۔

اور ساری کائنات کے لئے بنیاد ہیں۔ بنیاد کے بغیر کوئی چیز زندہ

نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

(وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ) اب آپ کے دل میں یہ

شبہ ہو گا۔ کہ حضور بھی پانی پیتے تھے۔ حضور زمین پر چلتے تھے ہوا

میں سانس لیتے تھے۔ تو پھر حضور کو بھی حاجت ہوئی۔ اگر کوئی اپنے

ذہن میں یہ تصور رکھتا ہے۔ تو معراج کی رات کا تصور قائم کرے۔

اگر زمین ہمارے پیروں تلے نہ ہو۔ تو ہم کیسے ٹھہریں گے۔ ہوا نہ

ہو۔ تو ہم سانس کیسے لیں گے۔ پانی نہ ہو تو ہم کیسے پئیں گے

کس طرح ہماری زندگی برقرار رہے گی۔ لیکن جب معراج کی رات

آئی تو مسئلہ حل ہو گیا (کیا ہو) اماں نے کہا۔ زمین نیچے

رہی۔ مصطفیٰؐ اوپر چلے گئے۔ تم زمین چھوڑ کے ذرا اوپر جا کے

تو دیکھو۔ پتہ چلے گا۔ معراج کی رات یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اللہ بتا دیا

کہ دیکھ لو۔ زمین نیچے ہے مصطفیٰ اوپر ہیں۔ اگر وہ اس کے محتاج

ہوتے۔ جو کسی کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تو زمین کے بغیر مصطفیٰؐ رہ گئے۔ سمجھ لو۔ مصطفیٰ محتاج نہیں ہیں۔ اور

جب حضور معراج پر گئے۔ تو اماں نے کہا۔ کہ پانی نیچے رہا۔ کہ مٹی

پانی نیچے رہا۔ آگ نیچے رہی۔ ہوا نیچے رہی۔ پتہ چلا کہ مصطفیٰ۔

نہ آگ کے محتاج تھے۔ نہ پانی کے۔ نہ زمین کے محتاج تھے۔ شاید

کوئی یہ گمان کر لیتا۔ کہ حضور آسمان کے محتاج ہیں۔ تو اللہ نے

فرمایا۔ پیارے پیچھے کو چھوڑ کر قدم سے پرے آ جا۔ کہ تو آسمان

کا کبھی محتاج نہیں۔ شاید کوئی یہ سمجھتا۔ کہ یہ کمرے کے محتاج ہیں
اللہ نے فرمایا۔ پیارے مدینے کو چھوڑ کر شہر سے پرے آ جا۔ تاکہ لوگوں
کو پتہ چلے۔ کہ یہ مدینے کے کبھی محتاج نہیں ہیں۔ پھر چوتھے پر بلا لیا
پانچویں چھٹے ساتویں پر بلا لیا۔ پھر عرش پر بلا لیا۔ حضور جب
عرش پر پہنچے۔ تو شاید لوگ سمجھے کہ یہ عرش کے محتاج ہیں
تو اللہ نے فرمایا۔ پیارے عرش کو نیچے چھوڑ دے۔ تو اوپر چلا آ۔
اور اگر مجھ سے پوچھتے ہو۔ تو میں ایک بات بتاتا ہوں
کہ مصطفےٰ تو وہاں گئے۔ جہاں نہ مکان تھا۔ نہ لامکان۔ کیا
مطلب ہوا۔ مکان نیچے رہا۔ مصطفےٰ اوپر ہوئے۔ لامکان نیچے
رہا۔ مصطفےٰ اوپر ہوئے۔ معلوم ہوا جو کسی کا محتاج ہو۔ اس
کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اور ہمارے مصطفےٰ۔ نہ زمین کے محتاج

ہیں نہ آسمان کے۔ نہ وہ مکان کے محتاج ہیں نہ لامکان کے محتاج

ہیں۔ وہ تو ساری کائنات میں کسی کے محتاج نہیں۔ کائنات

ان کی محتاج ہے۔ وہ فقط خالق کائنات کے محتاج ہیں۔

یہاں ایک اور شبہ پیدا ہو گیا۔ اس کو بھی دور کر دیں۔

شاید کوئی پوچھے۔ کہ جو کسی کا محتاج ہو۔ اس کے بغیر نہیں رہ

سکتا۔ کیوں کہ پرندہ ہوا کا محتاج ہے۔ اور مچھلی پانی کی محتاج ہے

اور مچھلی کو پانی سے الگ کر دو۔ تو پانی کے بغیر مچھلی مر جائے گی۔ اور

پرندوں کو ہوا سے الگ کر دو۔ پرندے ہوا کے بغیر مر جائیں گے۔ اگر

یہ بات ہے۔ تو بتاؤ۔ کہ معراج کی رات حضور ساری کائنات کو چھوڑ

کر۔ لامکان پر چلے گئے۔ بلکہ لامکان کو بھی چھوڑ کر اوپر چلے گئے۔ اگر

یہ کائنات۔ حضور کی محتاج ہے۔ تو یہ حضور کے بغیر کیسے زندہ رہ گئی۔

کیونکہ جو کسی کا محتاج ہو۔ وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ کیا بات ہے۔

معاذاللہ نہیں نہیں اور زمین ہے۔ معاذاللہ نہیں نہیں اور آسمان ہے۔ معاذاللہ نہیں

نہیں اور پانی ہے۔ معاذاللہ نہیں نہیں اور جواہر نہیں۔ معاذاللہ نہیں نہیں اور

آگ ہے۔ معاذاللہ نہیں نہیں اور اجسام ہیں۔ اور ارواح ہیں۔ اور معاذاللہ

نہیں نہیں اور فرش ہے۔ اور معاذاللہ نہیں نہیں عرش ہے۔ تو یہ کیسے رہے۔

کیونکہ یہ پاک ہیں نہیں۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم خدا نہیں ہیں۔ وہ خدا کے شریک

نہیں ہیں۔ حضور خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔ خدا بیٹے سے پاک ہے۔

خدا شریک سے پاک ہے۔ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ حضور نہ خدا

ہیں۔ نہ خدا کے شریک ہیں۔ وہ تو خدا کے حبیب ہیں۔ اور

خدا کے علیہ مقدس ہیں۔ اب آپ سمجھیں گے۔ کہ کیا ہے۔ جب وہ علیہ مقدس

ہیں۔ تو مخلوق ان کے پیچھے رہ گئی۔ میں یہ بات آپکو سمجھانا
چاہتا ہوں۔ بات یہ ہے۔ کہ قرآن نے ان سب مسائل کو ہمارے
سامنے رکھ دیا۔ اور فرمایا۔ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ یعنی
اللہ تعالی لوگوں کے لیئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔ اللہ کی بیان کی ہوئی
مثالوں کو دیکھو۔ اور حقائق کو سمجھو۔ اور اپنے پیارے صاحب
کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ انا ارسلنٰک شاہدًا و مبشرًا
و نذیرًا و داعیًا الی اللہ باذنہٖ و سراجًا منیرًا۔ ہمارے محبوب ہم
نے آپکو۔ شاہد بنا کر بھیجا۔ ہم نے آپکو مبشر بنا کر بھیجا ہے۔
ہم نے آپکو نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے آپکو۔ اپنی طرف اپنے
حکم سے دعوت دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور ہمارے ہم نے
آپ کو سراج بنا کر بھیجا۔ بھائی جیسا ماحول ہوگا ویسا سراج

ویسا ہی ہوگا۔ ٹھیک ہے میرے آقا کو سراج کس لئے بنایا العالمین

کے لئے۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ

لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۔ کوئی کسی چھوٹے کمرے کا چراغ ہوگا کوئی

کسی بڑے ہال کا چراغ ہوگا۔ کوئی کسی پورے گھر کا چراغ ہوگا۔ کوئی

پورے صحن کا چراغ ہوگا۔ کوئی پورے شہر کا چراغ ہوگا۔

کوئی پورے ملک کا چراغ ہوگا۔ میں عرض کرتا ہوں —

کہ مصطفیٰ تو ساری کائنات کے چراغ ہیں۔ اللہ فرماتا ہے

لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔ چراغ ایک جگہ ہوتا ہے اس کی لو ایک

جگہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کی روشنی کہاں تک جاتی ہے۔ اگر اس

کی روشنی کہیں نہ جائے۔ تو وہ روشنی کہاں نظر آئے گی۔ بعد

تو اندھیرا رہا۔ چراغ اتنا سا ہے۔ مگر اس کی روشنی چھتوں

پر بھی ہو۔ اس کی روشنی دیواروں پر بھی ہو۔ اس کی روشنی زمین

پر بھی ہو۔ اس کی روشنی کمروں کے اندر بھی ہو۔ اس کی روشنی

صحن میں بھی ہو۔ (اللہ اکبر) تو اب وہ تو

ایک جگہ ہے۔ مگر اس کی روشنی سب جگہ ہے کہ نہیں ہے۔

میرے دوستو۔ میرے آقا تو سراجِ منیرا ہیں۔ اس لفظ

کو دیکھ کر سمجھ لو۔ کہ میرے آقا۔ فرش پر ہیں۔ تو اس کی

روشنی عرش پر جاتی ہے۔ اور وہ مدینے کا چراغ عرش پر ہے۔

تو اس کی روشنی فرش تک جا رہی ہے۔ اور اگر وہ چراغ

لامکان میں ہے۔ تو اس کی روشنی مکان کی طرف جا رہی ہے۔

تو جہاں اس کی روشنی ہے۔ وہاں مصطفےٰ موجود ہیں۔ اور

جب موجود ہیں۔ تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کہ ان کے بغیر

کائنات زندہ رہ سکے۔

میرے لیے تو اعزاز یہ ہے یہ مصطفیٰؐ کا کمال - یہ حضورؐ

کا کمال - یہ حضورؐ کا حُسن ۔ یہ حضور کا جمال حضور کا نور

حضورؐ تو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا آئینہ ہیں - میں نے کہا۔

اے زبان نبوت تجھ پر کروڑوں سلام حضور نے فرمایا۔ قال

رسول اللہ ﷺ من رانی فقد رای الحق ۔ فرمایا جس نے مجھے دیکھا۔

اس نے حق کو دیکھا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے ۔ بخاری میں

بھی ہے۔ مسلم میں بھی ہے۔

ہم حضور کو خدا کا شریک نہیں مانتے ۔ ہم حضور کو

خدا کا مثیل نہیں مانتے ۔ ہم حضور کو خدا کا نظیر نہیں مانتے

اللہ تعالیٰ نظیر سے پاک ہے ۔ وہ مثیل سے پاک ہے - وہ شریک

سے پاک ہے۔ اور حضورؐ اللہ کے شریک نہیں ہیں۔

(واللہ باللہ ثم تاللہ) حضورؐ تو خدا کی ذات و صفات کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال الوہیت کو اپنے حبیبؐ کی ذات میں

ظاہر کیا۔ میں حیران ہوں۔ کہ اگر یہ شرک ہے۔ تو ساری

کائنات شرک سے بھری پڑی ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔

کہ آپ میں اور مجھ میں کوئی خوبی ہے۔ تو وہ کس کی ہے۔ میری

اور تمہاری ہے یا خدا کی دی ہوئی ہے۔ یقیناً خدا کی عطا کردہ

ہے۔ تو جب خدا کا کمال تم میں اور مجھ میں ظاہر ہو تو شرک

نہیں۔ اور حضورؐ میں ظاہر ہو تو شرک ہو جائے کیا تماشہ ہے

میرے دوستو۔ ہم حضور کو خدا کا جز نہیں سمجھتے

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں۔ کہ تم تو حضور کو خدا کے نور سے مانتے

ہو۔ تو جتنا نور حضور میں آیا۔ تو اتنا نور خدا میں گم ہو گیا۔

لہذا ہم نے حضور کے نور کو خدا کے نور سے مان کر خدا کے

نور کو ناقص کر دیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

عزیزان گرامی دیکھیں۔ یہ بات خوب ہو۔ کہ جب

خدا کا کوئی جز ہو۔ اور وہ جز سے پاک ہے اور مجھے کہنے

دیں۔ وہ جز نہیں بلکہ وہ تو کل سے بھی پاک ہے۔ نہ خدا

کو جز کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ کل کہہ سکتے ہیں۔ ہاں وہ جز کا

بھی خالق ہے۔ اور کل کا بھی خالق ہے۔ خود نہ جز ہے۔

اور نہ کل ہے۔ جز اس لئے نہیں۔ کہ اگر ہم خدا کو جز

مان لیں۔ تو ترکیب ہو گئی۔ اور جہاں ترکیب ہو گئی وہاں حدوث

ہو گا۔ اگر حدوث ہو تو خدا کا وجود ختم ہو گیا۔ اور اگر ہم خدا

کو کل مان لیں گے تب بھی یہ بات ہو گئی۔ کیونکہ کل کے معنی تو

یہ ہیں۔ کہ بہت سے اجزاء کو جمع کر لو۔ اور سب کو ملا لو۔ اجزاء

کے مجموعے کا نام کُل ہوتا ہے۔ اجزاء ہوں گے تو مجموعہ ہوگا۔ اور

اگر مجموعہ نہیں تو کل نہیں۔ اور اجزاء نہیں تو کل نہیں۔ اگر خُدا کو

کل کہو گے۔ تو پہلے اجزاء ماننے پڑیں گے۔ ایمان سے کہنا۔ کیا

خُدا کے اجزاء ہیں۔ اگر اجزاء نہیں۔ تو مجموعہ کہاں سے آئے گا

مجموعہ نہیں۔ تو کُل کس کو کہو گے۔ اس لئے مان لو۔ کہ خُدا کل نہیں

خُدا تو ہر کل کا مالک ہے۔ ہر کُل خُدا نے پیدا کیا۔ خُدا جزو

نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو ہر جُزو کا خالق ہے۔ اور ہر جُزو کو خُدا نے پیدا کیا

لہٰذا حضور خُدا کا جزو نہیں ہیں۔

اس سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضور خُدا کے نور سے کیسے پیدا

ہو گئے۔ کیونکہ خدا کا نور تو کہیں جز نہیں ہوا۔

میں سمجھاتا ہوں۔ دیکھیں۔ سورج آسمان پر چمک رہا ہے۔ آپ
نیچے زمین پہ آئینہ رکھ دیں۔ ایمان سے کہنا کہ اس شیشے میں سورج
چمکتا ہوا نظر آئے گا کہ نہیں۔ اس آئینے میں روشنی اور نور نظر
آئے گا یا نہیں۔ یقیناً آئے گا۔ اب بتائیں۔ جو اس میں روشنی ہے
وہ سورج کی ہے یا نہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے یہ نہیں جناب
یہ سورج کی روشنی نہیں۔ اگر یہ روشنی سورج کی ہے۔ تو جتنی
روشنی اس میں آئی ہے اتنی روشنی سورج میں کم ہو جانی چاہیے کیا
آپ اس بات کو مان لیں گے۔ یقیناً نہیں مانیں گے۔ آپ دس
آئینے رکھ دیں۔ ہزار رکھ دیں۔ لاکھوں کروڑوں شیشے زمین پر بچھا دیں
ہر شیشے میں پورا سورج نظر آئے گا۔ مگر وہاں کوئی کمی نہیں

آ جائے گی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ نہیں صاحب کمی تو ہو ہی گئی۔ تو میں
ان سے یہ پوچھتا ہوں۔ کہ ایک دو شیشے رکھنے سے کچھ کمی ہو اور اگر
ہزار سو لاکھوں شیشے رکھ دیئے جائیں۔ تو سورج کا بالکل صفایا
ہو جائے۔ اور سورج کا سارا نور ان آئینوں میں تقسیم ہو کر
ختم ہو جائے۔ تو بھائی۔ اگر کروڑوں شیشے رکھ دیئے جائیں
تو وہاں کمی نہیں آئے گی۔ جب وہاں کمی نہیں آئی۔ تو پتہ چلا
کہ شیشہ جو سورج کے نیچے رکھا ہے۔ وہ سورج کا جز نہیں ہے۔
اور سورج جو اس میں چمکتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ آپ اس شیشے
کے نور کو۔ کہتے نہیں کہ سورج کا جز نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ سورج
کا جلوہ کہیں گے۔ کیونکہ نہ تو اصل سورج شیشے میں ہے۔ اور نہ
ہمارا شیشہ سورج کا حصہ بنا۔ بلکہ شیشہ سورج کے نور کا مظہر بنا۔

میرے آقا نے فرمایا۔ میں تو حق کے جمال کا آئینہ ہوں۔
شیشے میں جو نظر آئے گا۔ وہ آفتاب کا نور ہوگا۔ اور حضور
میں جو نور نظر آئے گا وہ خدا کا نور ہوگا۔ بس میں یہ سمجھا ہوں
کہ حضور میں جو علم نظر آیا۔ وہ حضور کا نہیں۔ بلکہ خدا کا علم
ہے۔ جو قدرت حضور میں نظر آئی۔ وہ حضور کی نہیں
وہ خدا کی ہے۔ اگر حضور میں خدا کی قدرت کا ظہور نہ ہوتا
تو یہ کب ممکن تھا۔ کہ جبلِ ابو قبیس پہ حضور نے چاند کو انگلی کا
اشارہ فرمایا۔ اور چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ یہ حضور کی قدرت
نہ تھی بلکہ خدا کی قدرت کا ظہور تھا۔

میرے دوستو۔ ہمیں دین ملا۔ تو حضور کی زبان سے خدا
کی معرفت ملی تو حضور کی زبان سے۔ قرآن ملا تو حضور کی زبان سے

قرآن اللہ کا کلام ہے۔ لیکن اللہ کا کلام ہونے کے باوجود وہ رسول

کا کہا ہوا ہے۔ میں نہیں کہتا۔ قرآن کہتا ہے۔

انہٗ لقول رسول کریم ۔ قرآن کلام میرا ہے قول

رسول کریم کا۔ اگر رسول کریم کہہ کر نہ بتاتے تو تمہیں

کیا پتہ چلتا۔ کہ کیا ہے لہذا۔ خدا کے کلام کا جلوہ حضور کے

کلام میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا جلوہ حضور کا علم۔ اللہ

تعالیٰ کی قدرت کا جلوہ حضور کی قدرت میں۔ اللہ تعالیٰ کی سمع

کا جلوہ حضور کی سمع میں۔ سبحان اللہ وہ کیسی سمع ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے۔

نبی کریم معراج سے واپس تشریف لائے۔ تو حضرت بلال

کو فرمایا۔ تو وہ عمل بتا دے۔ جو تو کرتا ہے۔ میں نے جنت میں تیرے

چلنے کی آواز اپنے آگے اپنے کانوں سے سُنی۔ لوگوں نے کہا۔
حضورؐ کو پتہ ہی نہیں تھا۔ ورنہ وہ معلوم کر لیتے۔ یہ بات نہ تھی۔
کیوں کہ حضرت بلال نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا۔ جس کا علم حضورؐ
کو نہ ہو۔ کیونکہ جس عمل کا علم رسول کو نہ ہو۔ وہ رسول بتائیں گے
ہی نہیں۔ اور جو عمل رسول نہ بتائیں۔ تو کرنے والا جنت میں
کیسے جائے گا۔ وہ تو بدعتی ہو گا۔ اور بدعتی دوزخ میں جائے گا۔
یہ تو بات غلط ہے۔ بات اور تھی۔ کہ بلال اپنے منہ سے کہو تاکہ
لوگوں کو شوق پیدا ہو۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے۔ حضرت بلال نے
کہا۔ میرے آقا۔ میں تو تحیۃ الوضو نفل پڑھتا ہوں۔ تحیۃ المسجد
میں پڑھتا ہوں۔ اب میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ کہ جب
آپ معراج کو تشریف لے گئے۔ تو حضرت بلال ساتھ گئے تھے (ہنس گئے)

جب گئے نہیں۔ وہ وہاں تھے نہیں۔ اور جب گئے۔ نہیں تو چلے نہیں۔
اور جب چلے نہیں تو آواز پیدا نہیں ہوئی۔ اور جب آواز پیدا نہیں
ہوئی۔ تو حضور ﷺ نے سنا کیا۔ اچھا یہ ممکن ہے۔ کہ جو
بات نہ ہو حضور کا کان سن لے۔ ہو سکتا ہے (نہیں ہو سکتا) جو
چیز ہوئی ہی نہیں۔ اس کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ تو اب غور
کرو۔ کہ یہ بات کیا ہوئی۔ تو اب دو باتیں ہیں۔ شاید کوئی یہ کہے۔
بھائی بلال زمین پر چل رہے تھے۔ حضور ﷺ وہاں ان کی آواز سن لی
اگر یہ بات کہو گے۔ تب بھی تمہاری مصیبت ہے۔ تم تو کہتے ہو۔
کہ رسول اللہ ﷺ کو یا رسول اللہ ﷺ مت کہو۔ جو جنت میں ہو کر۔
یہاں کی آواز سن لے۔ تو وہ یا رسول اللہ ﷺ کی آواز کیسے نہیں
سنیں گے۔ مگر بات یہ نہیں ہے۔ زمین پر چلنے کی بات نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ بلال جنت میں تو میرے آگے آگے چل رہا ہے۔

اور میں تیرے چلنے کی آواز اپنے کانوں سے سُن رہا ہوں۔

بات تو جنت میں چلنے کی ہے۔ اور حضور کے ساتھ بھی بلال گئے

ہیں۔ اور جب گئے ہیں تو وہاں تھے ہیں۔ اور تھے ہیں تو چلے

ہیں۔ اور چلے ہیں تو آواز حضور نے کیسے سُن لی۔ کیا ہو گیا۔

بات یہ ہے۔ کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ جنت میں

کوئی نبی داخل نہ ہوگا۔ حضور جب تک داخل نہ ہو جائیں۔ اور

کسی نبی کی امت داخل نہ ہوگی۔ جب تک حضور کی اُمت داخل نہ

ہو جائے۔ جب سے پہلے جنت میں حضور داخل ہوں گے۔

حدیث میں ہے۔ سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا

میں ہوں۔ اور حضور بڑی شان سے جنت میں جائیں گے۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس شان سے حضورؐ جائیں گے۔ کہ اپنی
مبارک سواری پہ سوار ہوں گے۔ اور اس کی مہار بلال کے ہاتھ
میں ہوگی۔ آپ اجازت سے کہنا۔ کہ جس ہاتھ میں مہار ہو۔ پہلے
وہ آگے ہوگا کہ پیچھے ہوگا۔ وہ آگے ہوگا۔ ا (الله حمید)
شاید آپ دل میں یہ سوچیں کہ ہم سنتے تھے۔ کہ حضورؐ سے
پہلے جنت میں بھی نہیں جائیں گے۔ یہاں تو بلال پہلے چلے گئے۔ تو
سنو حضرت بلال نہیں گئے۔ یہ تو مہار کی برکت ہے۔ وہ مہار چھوڑ
دیں۔ پھر دیکھیں۔ بلال کیسے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا۔ جو آواز
لاکھوں برس کے بعد پیدا ہوگی۔ مصطفیٰ نے پہلے سن لی۔

وہ نزدیک سے سننے والے وہ کان۔
مصطفیٰ کی سماعت پہ لاکھوں سلام

(جنت کی معلومات)

(۱) جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ قرآن کریم۔

(۲) جنتیں کل آٹھ ہیں۔ ۱۔ دار الجلال (۲) دار القرار (۳) دار السلام (۴) جنت عدن (۵) جنت الماویٰ (۶) جنت خلد (۷) جنت الفردوس (۸) جنت النعیم۔ تفسیر روح البیان (صفحہ 82 / جلد 1)

مشکوٰۃ 492

(۳) جنت کے سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان ایک برس کی مسافت کی ہے۔

(۴) جنت کے پھاٹک اتنے بڑے بڑے ہیں کہ اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان چالیس سال کا راستہ ہے۔ مگر جنتی جنت میں داخل ہونے لگیں گے۔ تو ان پھاٹکوں پر ہجوم کی وجہ سے تنگی محسوس ہونے لگے گی۔

(۵) جنت کے ستر ہزار باغات ہیں ہر باغ میں ستر ہزار درخت ہوں گے۔ اور ہر درخت پر ستر ہزار پتے ہوں گے۔ اور پتے پر یہ لکھا ہوگا۔ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) اور ہر پتے کی چوڑائی مشرق سے مغرب تک کے برابر ہوں گے۔ (روح البیان)

(۶) جنت کی بعض عمارتیں نور کی اور بعض یاقوت سرخ کی اور بعض زمرد کی ہیں۔

(۷) جنت کی عمارتوں میں ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے۔ اور اس کا گارا نہایت خوشبودار مشک ہے۔ اور اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہیں۔ اور اس کی دھول زعفران ہے۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ 497

(۸) جنت میں چار نہریں بہہ رہی ہیں۔ ۱) شربت پانی۔ شہد۔ دودھ۔ شراب۔ یہ چاروں نہریں ایک حوض میں گر رہی ہیں۔ جسے حوض کوثر کہا جاتا ہے۔ مشکوٰۃ صفحہ 500

(۹) جنت میں ہر جنتی کی عمر 30 سال کی رہے گی۔ اس سے کبھی اس کی عمر نہیں بڑھے گی۔ ترمذی شریف صفحہ 80 / جلد 2

واقعات میلاد

(محمد رسول اللہ)

کہاں طاقت بشر کو جو مدح مصطفٰے ٹھہرے۔
مدحِ ذاتِ پاکِ احمدی جب خود خدا ٹھہرے۔
نبیوں میں نبی ایسے کہ ختم الانبیاء ٹھہرے۔
حسینوں میں حسین ایسے محبوب خدا ٹھہرے۔

حضرت آدمؑ نے جب حضور پر نورؐ کے نام پاکؐ کا واسطہ دے کر بارگاہِ الٰہی میں معافی چاہی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم تجھے نبی پاکؐ کے نام پاکؐ کی پہچان کس طرح ہوئی حضرت آدمؑ نے عرض کی۔ اے خالق وارض السما۔ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اور روح ڈالی۔ میں نے اپنا سر اٹھایا۔ تو عرش معظم کے پاؤں پر (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) لکھا دیکھا۔ اس سے یقین جانا۔ کہ تو نے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا ہوا ہے۔ وہ تجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب اور پیارا ہوگا۔

تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سچ کہا۔ تو نے اے آدم۔ اور اگر محمد
نہ ہوتے تو تجھے بھی نہ بنایا ہوتا۔

حضرت آدمؑ نے حضرت شیثؑ کو فرمایا۔ اے میرے لڑکے
جب تو کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ساتھ ہی محمدؐ
کے نام پاکؐ کا ذکر بھی کرنا۔ اس لئے میں نے ان کا نام عرش
کے پائے پر اس وقت لکھا دیکھا تھا۔ جس وقت میں روح اور کیچڑ
کے مابین ہی تھا۔ اس کے بعد میں نے تمام آسمانوں کی سیر کی۔
تو میں نے کسی آسمان میں کوئی جگہ نہ دیکھی۔ مگر اس میں محمدؐ لکھا تھا
اور میرے رب نے مجھے جنت میں ٹھہرایا۔ تو وہاں کوئی محل کوئی مکان
کوئی بالاخانہ نہ دیکھا۔ مگر اس پہ محمدؐ لکھا تھا۔ اور اللہ کی قسم
حوروں کی چھاتیوں پر محمد لکھا تھا۔ اور جنت کے تمام محلوں

پر اور تمام برتنوں پر۔ اور درخت طوبیٰ کے برگ برگ
پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتے پتے پر۔ اور ہر پردے کی ہر چار
طرفوں پر۔ اور تمام ملائکہ کی آنکھوں کے عین وسط میں محمدؐ
لکھا تھا۔ سوائے فرزند۔ اس کا ذکر کثرت سے کیا کرتا۔ کیونکہ
تمام فرشتے ہر ساعت اور ہر وقت میں ذکر کرتے رہتے ہیں۔

حضور نبی پاکؐ نے فرمایا۔ معراج کی رات میں عرش پر
مکتوب تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر فاروق۔
عثمان ذوالنورین علی المرتضیٰ۔

نبی پاکؐ فرماتے ہیں معراج کی رات میں نے ایک سبز موتی
دیکھا۔ اس میں سفید نور سے مکتوب تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
ابوبکر الصدیق عمر فاروق۔ عثمان ذوالنورین۔ علی المرتضیٰ۔

حضرت عیسیٰ کی طرف وحی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے

عیسیٰ۔ محمدؐ پر ایمان لا۔ اور اپنی اُمت کو حکم دے۔ کہ

جو اس کا زمانہ پائے گے۔ اس کے ساتھ ایمان لائیں۔ کیونکہ اگر محمدؐ

نہ ہوتے۔ تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا۔ اور نہ ہی جنت و دوزخ کو۔

اور اللہ کی قسم میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا۔ تو وہ کانپتا تھرتھراتا

تھا۔ تو اس پر میں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا۔ تو فوراً ٹھہر گیا۔

اور اس کا زلزلہ جاتا رہا۔

حضرت سلیمانؑ کی انگشتری کا نگینہ آسمان

سے نازل ہوا تھا۔ اس میں نقش تھا۔ انا اللہ لا الہ الا انا محمد رسول اللہ

یعنی میں اللہ ہوں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور

محمد اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔ جس کا لڑکا پیدا ہو۔ اور وہ میری محبت اور میرے نام مبارک سے تبرک کے لیے اس کا نام محمد رکھے۔ وہ اور اس کا لڑکا دونوں بہشت میں جائیں گے۔

روز قیامت دو شخص اللہ کے حضور کھڑے کیے جائیں گے۔ حکم ہوگا انہیں جنت میں لے جاؤ۔ عرض کریں گے۔ یاالہٰی ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے۔ ہم نے تو کوئی کام جنت کا نہ کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا۔ جنت میں جاؤ۔ کیونکہ میں نے حلف (قسم) اٹھایا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہے وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ یعنی جبکہ مومن ہو۔

جب لڑکے کا نام محمد رکھو۔ تو اس کی عزت کرو۔ اور

میں اس کے لئے جگہ کشادہ کرو۔ اور ایسے برائی کی طرف

نسبت نہ کرو۔ یا اس پر برائی کی دعا نہ کرو۔ جب لڑکے

کا نام محمد رکھو۔ ایسے نہ مارو۔ اور نہ محروم رکھو۔

حضور نبی پاک کا نام پاک اذان میں

سنتے وقت انگوٹھے اور شہادت کی انگلیاں چوم کر آنکھوں

سے لگانا۔ یقیناً جائز ہے۔

سیدنا صدیق اکبر سے روایت ہے۔ کہ جناب نے

موذن کو اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے سُنا۔ اور دونوں شہادت

کی انگلیاں کے پورسا اندر کی طرف سے چوم کر آنکھوں سے

لگائے۔ اس پر حضور نے فرمایا۔ جو ایسا کرے گا جیسا میرے

اس پیارے نے کیا۔ اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے

حضرت سیدنا خضر علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ جو شخص مؤذن
سے اشہد ان محمد رسول اللہ سن کر کہے۔ مرحبا بحبیبی وقرۃ
عینی محمد بن عبداللہ ﷺ۔ پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر
رکھے۔ اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔ ایسے ہی حضرت امام حسن
نے فرمایا۔ جو شخص انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے۔ نہ اندھا ہو
نہ آنکھیں دکھیں۔

نہایت ہی اختصار سے معروض ہے۔ مروی
ہے۔ کہ حضور اکرم ﷺ اپنی والدہ محترمہ کے شکم اطہر میں
تشریف لائے۔ تو اس رات قریش کے جتنے جانور تھے۔ سب
انسانوں کی طرح بول کر کہنے لگے۔ کہ آج رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ
طیبہ طاہرہ کے شکم اقدس میں تشریف لے آئے۔ (سبحان اللہ)

آپ کے صدقے میں۔ جالوس کو کیا عجیب انکشاف ہوا۔ اور کہنے لگے

قسم ہے۔ کعبہ کے رب کی۔ وہ پناہ ہے تمام دنیا کے لئے

اور سورج ہے تمام دنیا والوں کے واسطے اور اس رات تمام

عرب کے کاہنوں اور ان کے شیطانوں کے درمیان پردہ ڈال

دیا گیا۔ اور تمام کاہن اپنا علم کہانت کھو بیٹھے۔ اور دنیا

بھر کے شہنشاہوں کے تخت اوندھے کر دیئے گئے۔ اور تمام

بادشاہ اس دن گونگے ہو گئے۔ شام تک بول ہی نہ سکے۔

یہ ہیبت و عظمت تھی اس پیارے مصطفیٰ کی۔ اور مشرق والے جو تھے

جانور مغرب والے وحشی جانوروں کی طرف مبارکباد یاں لے چلے۔

اور یوں ہی سمندر کے جانور ایک دوسرے کو بشارتیں

دینے لگے۔ پھر ہر مہینہ گزرنے پہ پورے نو ماہ تک زمین

اور آسمان میں ندائیں۔ اور اعلان ہوتے رہے۔ جن کا
حاصل مضمون یہ تھا۔ کہ خوشیاں مناؤ۔ اس لئے کہ وہ آ گیا ہے
وہ وقت کہ ابوالقاسم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم مبارک اور برکتیں لئے ہوئے
زمین پر تشریف لے آئیں۔ آپ کا حمل نو ماہ شکم پاک میں
رہا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے اس تمام مدت
میں ان تمام عوارضات سے محفوظ رہی جو اس مدت میں
عورتوں کو لاحق ہوا کرتے ہیں۔ اور درد تک کی شکایت نہ کی۔
حضرت عبداللہ آپ کی ولادت سے پہلے فوت ہوگئے۔ فرشتے
کہنے لگے اے ہمارے معبود۔ تیرا نبی یتیم ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ
نے فرمایا۔ میں اس کا والی اور نگہبان اور مددگار ہوں۔ اور اس
فرشتو تبرک حاصل کرو۔ اس کے میلاد کے ساتھ۔ کیونکہ

میلاد اس کا بڑی برکتوں والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حاضری کا حکم دیا۔ (بوقت تولد مکہ معظمہ میں) پس اترے تمام فرشتے۔ ایک دوسرے کو خوشخبریاں دیتے ہوئے۔ شیطان کو پکڑ کر ستر زنجیروں میں جکڑ کر سبز سمندر کی سخت گہرائی میں منہ کے بل پھینک دیا۔ دوسرے شیطانوں کو بھی طوق ڈال دیئے گئے۔

(فائدہ) ظاہر ہے۔ کہ جب حضور ؐ کی پیدائش سے پہلے تمام شیطانوں کو گرفتار کر لیا گیا تو یقیناً سیدہ ؑ بھی اس شیطان سے محفوظ رہے۔ اور اس دن سورج کو نہایت روشن چادر پہنا دی گئی۔ اور اس کے سر پر ستر ہزار حورعین ہوا میں کھڑی کر دی گئیں۔ اب پر حوریں۔ اور تمام فرشتے

سب ولادت باسعادت کا انتظار کر رہے تھے۔ اور آپ کے

احترام میں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ اس سال تمام حاملہ

عورتوں کے لڑکے ہی جنیں۔ اور کوئی درخت بے پھل نہ رہے۔

اور تمام خوف امن کے ساتھ بدل جائیں۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں۔ کہ ایک منادی نے ندا کی۔ اے

آمنہ۔ بے شک تیرے بطن میں خیر العالمین تمام جہانوں

سے بہتر ہے۔ تو جس وقت وہ مولود پیدا ہو تو اس کا نام

محمدؐ رکھنا۔ جب آثار شروع ہوئے۔ ایک پیالہ شربت

کا پایا جس کو سیر ہو کر پیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ عبدالمناف

کی بیٹیاں میرے گرد کھڑی ہیں۔ میں حیران ہو گئی۔ ان

میں ایک نے کہا۔ میں آسیہ فرعون کی عورت ہوں۔ دوسری

نے کہا۔ میں مریم بنت عمران ہوں۔ ہم سب بحیثیت بحکم خدا
جنت سے تمہاری خدمت کے لئے آئی ہیں۔ اس رات فارس
کا آتش کدہ سرد ہو گیا۔ نوشیرواں کے محل کے چودہ
کنگرے گر پڑے۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں
کے سامنے سے تمام پردے اٹھا لئے۔ اور میں نے اس وقت زمین کی
تمام مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا۔ اور تین جھنڈے لگے
ہوئے دیکھے۔ ایک مشرق میں ایک مغرب میں۔ اور ایک کعبہ
شریف کی چھت پر۔ پس آپکی پیدائش قریب ہوئی۔ پس
جنا میں نے حضرت محمدؐ کو۔ پس جب پیدا ہوئے۔ تو
دیکھا۔ کہ آپ سجدے میں ہیں۔ اور آسمان کی طرف دونوں

اُنگلیوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر گویا بڑی عاجزی

اور زاری کر رہے ہیں۔

اچانک دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں سبز ریشم

ہے۔ اور پھر کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا کہ واہ واہ قبضہ

کر لیا ہے محمدؐ نے تمام دنیا پر۔ اور تمام مخلوق اس کے قبضے

میں داخل ہو گئی۔ اور تمام دنیا نور سے بھرپور ہو گئی فرشتے

ایک دوسرے کو مبارکباد دیں اور بشارتیں دینے لگے۔ اور ہر آسمان

میں دو دو بلند ستونوں (ایک زبرجد کا۔ اور ایک یاقوت کا)

نصب کیے گئے۔ اور ان کی روشنی سے تمام آسمان منور ہو گیا۔

معراج کی رات دو ستون حضورؐ نے ملاحظہ فرمائے۔ اور

آپ سے عرض کیا گیا۔ کہ یہ ستون آپ کی ولادت کے وقت اظہار

خوشی اور فرحت کے لئے (بطور یادگار) نصب کئے گئے تھے۔

اس رات اللہ تعالیٰ نے نہر کوثر کے کنارے کستوری

خالص کے ستر ہزار درخت پیدا فرمائے۔ اور ان کا پھل

اہل جنت کے لئے بخور (خوشبودار دھونی اگر بتی کی مانند)

بنایا گیا۔ تمام بُت اوندھے گر گئے۔ لات و عزیٰ (کفار کے

دو بڑے بت) اپنی جگہ چھوڑ کر بے ساختہ پکار اٹھے (امین آگیا

صدیق آگیا) تین دن رات تک کعبہ جھولتا رہا۔ اور اس سے

کئی دن تک یہ آواز آتی رہی کہ اب میرا نور واپس کیا جائے

اب میری زیارت کرنے والے آیا کریں گے۔ اب مجھے جاہلیت

کی نجاستوں سے پاک کیا جائے گا۔ اے عزیٰ تجھے ہلاکت

(نیز روایت ہے) کہ رسول اکرمؐ پیدا ہوئے اور تمام

روئے زمین نور سے بھرپور ہوگئی۔ شیطان نے اپنے لشکریوں سے کہا۔ کہ ایک ایسا لڑکا پیدا ہوا ہے۔ جو ہمارے کام کو بگاڑ دے گا۔ لشکریوں نے کہا۔ کیا ہی اچھا ہوا۔ اگر تو اس کا عقل ہی بگاڑ دے۔ پس جب اس غرض سے حضور سے قریب ہوا۔ غالباً یہ شیطان کے رہا ہونے کے بعد کی بات ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل نے اپنے اس شیطان مردود کو ایسی ٹھوکر لگائی۔ کہ مکہ معظمہ سے اڑ کر عدن میں جا پڑا۔

J. abbas

17 : 3 : 98

باقی حصہ۔

حضرت عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ سے روایت کرتے

ہیں۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ میں رسول کریم کی ولادت باسعادت

کے وقت حضرت سیدہ آمنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس رات

مجھے ہر چیز سورج کی طرح روشن محسوس دکھائی دیتی تھی۔ میں نے

ستاروں کو دیکھا۔ تو یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے میری طرف چلے

آ رہے ہیں۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب فرماتی ہیں کہ

نبی کریم کی ولادت باسعادت کے وقت میں حضرت سیدہ

آمنہ کی خدمت انجام دے رہی تھی۔ کہ میں نے دیکھا۔ کہ آپ

کا نور چراغ کی روشنی پر غالب آ گیا۔ میں نے اس وقت دس

نشانیاں دیکھیں۔

(1) جب آپ پیدا ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے سجدہ کیا۔

(2) سجدے سے سر اٹھاتے ہی فصیح و بلیغ انداز میں کہا۔ لا الہ

الا اللہ رسول اللہ۔

(3) میں نے کاشانۂ نبوت کو آپ کے چہرہ انور کے نور سے

نور ~~سے~~ و نور پایا۔

(4) میں نے آپ کو غسل دینے کا ارادہ کیا۔ تو ہاتف نے

آواز دی۔ اے حلیمہ تم تکلیف نہ اٹھاؤ ہم نے اپنے حبیب

کو پاک و طاہر پیدا فرمایا ہے۔

(5) میں نے معلوم کرنا چاہا۔ کہ لڑکی ہے یا لڑکا؟ تو میں نے

دیکھا۔ آپ مختون اور ناف بریدہ تھے۔

(6) میں نے کپڑے میں لپیٹنے کے لئے اٹھایا۔ تو آپ کی پشت پر

مہر نبوت دیکھی۔

(7) آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت پر تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

(8) وہاں سے میں نے آپ کے انوار سے بصرہ و شام کے

محلات دیکھے (9) آپ کی آنکھیں سرمگیں اور چہرہ متبسم تھا۔

(10) کاشانہ نبوت پر نورانی پرچم لہراتا نظر آیا (شواہد نبوت)

حضرت عبدالمطلب بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ؐ کی

ولادت سعادت کی شب طواف کعبہ میں مصروف تھا۔ نصف رات

گزر رہی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مقام ابراہیم کی جانب

بیت اللہ شریف سجدے کر رہا ہے۔ اللہ اکبر کی آوازیں

بلند ہو رہی ہیں۔ پھر آوازیں سنائی دیں۔ کہ اب میں شرکین

کی نجاستوں اور زمانہ جاہلیت کی ناپاکیوں سے پاک

صاف کر دیا گیا ہوں۔ پھر وہاں پر تمام بت سرنگوں

دیکھے۔ ہبل کی طرف دیکھا۔ جو سب سے بڑا تھا۔ وہ بھی
اوندھے منہ ایک پتھر پر گر پڑا ہے۔ پھر صفا پر آیا۔ وہاں
خوشی و مسرت سے شور سنائی دے رہا تھا۔ مگر آواز
دینے والے نظر نہیں آ رہے تھے۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا۔
کہ پرندوں کی صورت میں ملائکہ مکہ مکرمہ پر بادل کی
طرح چھائے ہوئے ہیں۔ اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ
محمدؐ پیدا ہو چکے ہیں۔ پھر میں کاشانہ آمنہ کی طرف
آیا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے کہا دروازہ کھولیے۔ حضرت آمنہ
نے کہا۔ ابا جان محمدؐ کی ولادت باسعادت مبارک ہو۔
میں نے کہا۔ ذرا میرے پاس لاؤ۔ تاکہ زیارت سے شاد کام
ہو لوں۔ بولیں ابھی اجازت نہیں۔ پھر میں نے کہا۔ آمنہ

تین دن تک اس سعادت مند فرزند کو دکھائیے گا نہیں۔
پھر میں نے ایک نقاب پوش کو دیکھا۔ جو تلوار لئے کہہ رہا
ہے۔ عبدالمطلب واپس جاؤ۔ تاکہ ملائکہ مشغول ہیں اور
تمام علیین شہزادے کی زیارت سے فارغ ہو
جائیں۔ اس پر میرا جسم لرزنے لگا۔ اور میں فوراً
نکلا تاکہ قریش کو حضرت محمدؐ کی ولادت باسعادت کی
خبر دوں۔ لیکن ہفتہ بھر میری زبان بند رہی۔ میں کسی
سے بات بھی نہ کہہ سکا۔

جس رات نبی پاکؐ جلوہ افروز ہوئے۔ اس دن مکہ
کا ایک یہودی قریش سے پوچھنے لگا۔ کیا پیر کو تمہارے ہاں
کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہمیں خبر نہیں

پھر کہنے لگا۔ پس تو اس امت کا رسول پیدا ہوا ہے۔ جس

کے کندھوں کے درمیان چند خوبصورت بال ہوں گے۔ دو رات

تک وہ دودھ نہیں پیئے گا۔ کیونکہ اسے کوئی دودھ پینے سے روک

رکھے گا۔ قریش اس مجلس سے گروہوں میں گئے۔ تو انہیں پتہ چلا

کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں خدا تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا ہے

اور اس کا نام محمدؐ رکھا ہے۔ قریش نے یہ خبر یہودی کو

پہنچائی وہ حضرت سیدہ آمنہ کے گھر آیا ہے۔ جب آپ کی زیارت

سے مستفید ہوا تو آپ کے کندھوں کے درمیان وہ علامات

دیکھیں۔ تو اس کے ہوش اڑ گئے جب ہوش میں آیا۔ تو اس

نے کہا۔ خدا کی قسم بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہو کر قریش

کی طرف آ گئی۔ اور تو کھلا کر ہنسنے لگا۔ بخدا یہ تم پر ایسا غلبہ پائے

گا۔ کہ مشرق و مغرب تک کے لوگ جان لیں گے۔

حضرت سیدہ آمنہ فرماتی ہیں۔ ولادت باسعادت کے

وقت میری آنکھوں کے سامنے سے حجاب اٹھا لئے گئے۔ یہاں

تک کہ مشرق و مغرب دیکھ لیے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ کہ حضور کی ولادت باسعادت

کے وقت میرے لئے ایسا نور چھا کہ شام تک کے محلات روشن

ہو گئے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ سے میلاد مصطفیٰ کے وقت اتنے کثرت

سے نشانات مروی ہیں۔ جن کا احاطہ کرنا ممکن ہے

(صحابہ کرام اور محفل میلاد)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک دن اپنے گھر ایک اجتماع میں

نبی کریم کی ولادت باسعادت کے واقعات بیان فرما رہے تھے

صحابہ کرامؓ بڑے محظوظ ہو کر حمدالہٰی اور نبی کریمؐ پر صلوٰۃ
سلام پڑھ رہے تھے۔ کہ اسی اثنا میں نبی کریمؐ تشریف
لائے اور فرمایا۔ تمہارے لئے میری شفاعت حلال ہوگی۔
(تنویر لابی الخطاب الاندلسی ذکرہ الزرقانی)

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں۔ نبی کریمؐ کی معیت
میں۔ میں حضرت عامر انصاریؓ کے گھر گیا۔ وہ اپنے گھر
اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں کو واقعات ولادت مصطفیؐ کی
تعلیم دے رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے۔ کہ یہی وہ دن ہے۔
یہی وہ دن ہے۔ جس دن حضور نبی کریم جلوہ گر ہوئے۔
پس حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے۔
تمہارے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اور تمام فرشتے
تمہاری مغفرت کی دعا مانگ رہے ہیں۔ جو شخص تیری طرح

(محفلِ میلاد) منعقد کرے گا۔ وہ بشری طرح نجات پائے گا۔

فائدہ

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ محفلِ میلاد

منعقد کرنا صحابہ کرام کا معمول تھا۔ اور عین ولادت باسعادت

کے دن یعنی 12 ربیع الاول شریف کو بھی محفلِ میلاد کا

انعقاد صحابہ کرام کی سنت ہے۔

—

Tabbas

18 : 3 : 98

میلاد النبی ﷺ

(محمد محب اللہ نوری)
(محب نوری)

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ط۔

آپ فرما دیں۔ کہ ایمان والو۔ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ہی پر خوشی کرو۔ علماء فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کے فضل سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ جس کہ ارشاد ہوتا ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا

مومنوں کو بشارت ہو۔ کہ آپ کی ذات اُن پر اللہ کا سب سے بڑا کرم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت ہونے میں کون شک کرے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ رحمت باری تعالیٰ اور فضل خداوندی

پر فرحت و خوشی کرنا۔ رب ذوالجلال کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔

چونکہ حضور علیہ السلام کا اس بزم گیتی میں قدم رنجہ فرمانا۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسانِ عظیم ہے۔ اس لئے حضور رحمتِ عالم

جس یوم سعید کو اس دنیا کے آب و گل میں تشریف لائے

اس دن مسلمانوں پر لازم ہے۔ کہ وہ ابتہاج و مسرت

کی ہر ممکن صورت اختیار کریں۔ اور حضور ؐ کا ذکر خصوصی

کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔ اور اپنے رب کی نعمت

کا خوب چرچا کرو۔

بخاری شریف کے مطابق حضور ؐ نعمۃ اللہ ہیں۔ اس لئے

یوم میلاد کو حضور پاک ؐ کا خوب ذکر کرنا چاہیئے

سرکار مدینہؐ ہر پیر کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ

حضرت ابو قتادہ انصاریؓ سے روایت ہے۔ حضور نبی پاکؐ

سے سوال کیا۔ کہ آپ پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں

تو حضورؐ نے فرمایا۔ کہ میں اسی دن پیدا ہوا۔ اور اسی دن

مجھ پر وحی کی ابتداء ہوئی۔ اس سے واضح ہوگیا

کہ نبی پاکؐ۔ ہر ہفتے میں ایک بار یعنی پیر کے دن اپنے

میلاد دھایا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حضور نبی پاکؐ کی

حیاتِ طیبہ میں بھی آپ کی ولادت کا ذکر کر کے اظہار مسرت

کیا کرتے تھے۔ (حاکم و طبری) میں ہے۔ کہ جب

حضور نبی پاکؐ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ تو

حضرت عباسؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ مجھ کو اجازت دیں

کہ آپ کی کچھ مدح کروں۔ حضور نبی پاک ؐ نے ارشاد فرمایا۔

کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے۔ حضرت عباس ؓ

عرض کرتے ہیں۔

جب آپ پیدا ہوئے آپ کے نور سے زمین چمک اٹھی

اور آفاق روشن ہو گئے۔ تو ہم اسی ضیاء و نور میں ہیں۔ اور

ہدایت کے راستوں پر چل رہے ہیں۔

میلاد شریف پر فرحت و مسرت کا اظہار کرنے والوں

پر رب کریم کا فضل و انعام ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں

ابولہب کے مر جانے کے بعد بعض لوگوں کو خواب میں ملنے کا

واقعہ موجود ہے۔ جب ابولہب کو اس کی کنیز ثوبیہ نے

حضرت محمد ؐ کی ولادت کی نوید سنائی تو اس نے ثوبیہ کو

اس خوشی میں آزاد کر دیا۔

حضرت عروہؓ فرماتے ہیں ابولہب کے مرنے کے

بعد اہل خانہ میں سے بعض لوگوں نے اسے خواب میں

بری حالت میں دیکھا۔ اور اس سے پوچھا کیا حال ہے۔

اس نے کہا۔ یہاں میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔

کبھی اس سے راحت نہیں ہوتی۔ ہاں تھوڑا سا سیراب

کیا جاتا ہوں۔ اس لئے کہ میں نے نبی پاکؐ کی ولادت

کی خوشی میں ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حافظ ابن حجر عسقلانی

نے لکھا ہے۔ حضرت عباس فرماتے ہیں۔ کہ ابولہب

جب مر گیا۔ تو میں نے ایک سال کے بعد اسے خواب میں دیکھا

کہ میت بُرے حال میں ہے۔ اور کہہ رہا ہے کہ تمہارے بعد مجھے کوئی

راحت نصیب نہیں ہوئی۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے۔ کہ ہر پیر

کے دن مجھ سے عذاب کی تخفیف کی جاتی ہے۔ حضرت عباسؓ

نے فرمایا۔ یہ اس وجہ سے کہ نبی کریمؐ پیر کے دن پیدا ہوئے۔

اور ثویبہ نے ابولہب کو حضور کے پیدا ہونے کی خوشخبری

سنائی۔ تو ابولہب نے۔ اُسے آزاد کر دیا تھا۔

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدمشقی فرماتے ہیں

یہ ایک کافر تھا۔ اس کی مذمت میں۔ یہ آیت نازل ہوئی

(تبت یدا) اس کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔ وہ ہمیشہ جہنم

کی آگ میں جلتا رہے گا۔ روایت میں ہے۔ کہ پیر کو اس کا

عذاب ہمیشہ ہلکا کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ احمد مجتبیٰ ؐ کی

ولادت پر اسے خوشی ہوئی تھی۔ لہٰذا اس آدمی کے

بارے میں کیا خیال ہے۔ کہ ساری عمر حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ

کے ساتھ خوش رہا۔ اور ایک موحد کی حیثیت سے اپنے

اللہ سے جا ملا۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے تحت جگہ مشتمل عبارت یوں

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے بھی لکھا ہے۔

ابو لہب کافر نے ولادت نبوی کی خوشی میں اپنی کنیز

ثوبیہ کو آزاد کیا۔ تو اس کافر کو قبر میں ہر پیر کو سکون

بخش مشروب جو سے کو ملتا ہے تو اس مسلمان کا کیا حال

ہوگا جو میلاد النبی کی خوشی منائے۔

محدث ابن جوزی نے روایت اپنی کتاب مولد العروس

میں نقل کیا ہے۔

وَمَنْ اَنْفَقَ فِیْ مَوْلِدِہٖ دِرْھَمًا کَانَ الْمُصْطَفٰی لَہٗ

شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا وَّ اَخْلَفَ اللّٰہُ عَلَیْہِ بِکُلِّ دِرْھَمٍ

عَشْرًا =

جس نے نبی پاکؐ کے میلاد میں ایک درہم خرچ کیا

تو حضرت محمدؐ اس کے لیے شافع مشفع ہوں گے۔ اور میلاد

پر خرچ کیے گئے ہر درہم کے عوض اللہ تعالیٰ اس کو دس درہم

زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں۔

جس شخص نے میلاد پاکؐ کی تقریب میں ایک درہم بھی

خرچ کیا۔ وہ جنت میں میرا ساتھی ہو گا۔

سیدنا عمر فاروق فرماتے ہیں جس نے میلاد النبی

کی تعظیم کی پس ضرور اس نے اسلام کو زندہ کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے

میلاد پاک ﷺ کے لیے ایک درہم بھی خرچ کیا گویا کہ وہ غزوۂ

بدر حنین میں شریک ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ محفل میلاد پاک ﷺ

کا تعظیم و تکریم سے اہتمام کرنے والے کا خاتمہ بالخیر ہوگا

اور بلا حساب جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اگر میرے

پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہوتا تو میں اُسے

بھی میلاد نبی ﷺ کی نذر کر دیتا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں - جس شخص نے
میلاد پاک کی تقریب میں قدر و عزت سے حاضری دی
ضرور وہ اپنے ایمان میں کامیابی سے ہمکنار ہوا۔
حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں جس شخص نے
میلاد النبیؐ کی تعظیم کے لئے لوگوں کو جمع کیا - کھانا کھلایا - چراغاں
کیا - نئے کپڑے زیب تن کئے - اور خوشبو لگائی - قیامت کے
دن اللہ تعالیٰ اُسے نبیوں کی رفاقت عطا کرے گا۔
حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں - جو
شخص نمک گندم وغیرہ پر میلاد شریف پڑھ کر اُسے دیگر
ماکولات میں ملا دے - تو اس میں بڑی برکت ہوگی - اور
ہر اشیاء جس پر ختم پڑھا گیا ہو - کھانے والوں کے لئے

ذریعہ نجات بنیں گی۔ اگر شربت پر میلاد پاک پڑھا جائے

تو جو کوئی اُسے نوش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کا دل ہزار ہا

انوار و تجلیات سے منور کرے ہزار ہا کھوٹ اور بیماریوں

سے نجات دے گا۔ اور قیامت کے دن اس کا دل مُردہ نہیں ہوگا

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں جو شخص

محفل میلاد کا اہتمام و انتظام کرے۔ لوگوں کو جمع کرے

کھانا تیار کرائے اور اچھے کام کرے۔ اسکو روز قیامت

اللہ تعالیٰ اُسے صدیقین صالحین اور شہدا کے ساتھ

جنت میں جگہ عطا کرے گا۔

حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں

کسی محلہ گھر یا مسجد میں میلاد مصطفےٰ کی تقریب منعقد

ہوتو۔ فرشتے اس جگہ کو گھیر لیتے ہیں۔ ان کے مکینوں پر

اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ فرشتے دعائیں

کرتے ہیں۔ اور میلاد کا اہتمام کرنے والے کے لئے جبرائیل

میکائیل اسرافیل اور عزرائیل دعاگو ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور ذکر ولادت النبی

حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ وہ اپنے مکان میں

قوم کے سامنے ولادت نبوی کے حالات و واقعات بیان

کر رہے تھے۔ اور قوم حضور کی ولادت پر مسرت

و حمد کر رہے تھے۔ یکایک حضور تشریف لے آئے۔ آپ نے

فرمایا تمہارے لئے شفاعت مجھ پر واجب ہوگی۔

18.3.98

احسانات مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ واحد تمہارا ہے۔ جس نے تمہیں پیدا کیا۔

جس نے تمہیں آنکھ، کان، دل، ہاتھ، پاؤں، لاکھوں نعمتیں دیں۔

جس کی طرف تمہیں پھر لوٹ جانا۔ اور ایک اکیلے شہنشاہ بے یار و بے وکیل۔

اس کے دربار میں کھڑے ہو کر مددگاری ہونا ہے۔ اس کی عظمت

اس کی محبت۔ ایسی نہیں ٹھہری کہ فلاں فلاں کو اس پر ترجیح دے لی

اور اس کی عظمت اس کے احسان اور اس کے پیارے حبیب محمد ﷺ ہی کے

احسانات اگر یاد کرو تو والد، عظیم، ماں باپ، استاد، پیر، آقا، حاکم، بادشاہ

وغیرہ تمام جہانوں کے احسانات جمع ہو کر ان کے احسانوں کے کروڑویں حصے

کو نہ پہنچ سکیں۔ ارے وہ ہیں جو پیدا ہوتے ہی۔ اپنے رب کی وحدت

اپنی رسالت کی شہادت ادا فرما کر سب سے پہلی جو بات دل کی وہ تمہاری

تھی۔ دیکھو وہ آمنہ خاتون کی۔ آنکھوں کا نور جنتی بنی۔ وہ الٰہی ابر الحق

سا عرش کا تارا۔ اللہ نور السموٰت والارض کا نور شکم پاک مادر سے جدا

ہوتے ہی سجدہ میں گرا ہے۔ اور نرم و نازک شیریں آواز سے کہہ رہا ہے

(رب امتی امتی) اے میرے رب میری امت میری امت۔ کیا کبھی کسی باپ۔

استاد پیر۔ آقا۔ حاکم بادشاہ میں بیٹے شاگرد مرید غلام نوکر رعیت

کا ایسا خیال کیا۔ ایسا درد رکھا۔ حاشا اللہ۔ حاشا ثم حاشا۔ ارے وہ وہ

ہیں۔ کہ اس پیارے حبیب رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب

قبر انور میں اتارا ہے۔ لبہائے مبارک جنبش میں ہیں فضل یا قثم بن

عباس رضی اللہ عنہ نے کان لگا کر سنا ہے آہستہ آہستہ عرض کر رہے ہیں۔ (رب

امتی امتی – اے میرے رب۔ میری میری امت) سبحان اللہ۔ پیدا ہوئے

تو ہماری یاد۔ تشریف لے گئے تو ہماری یاد۔ کیا کبھی۔ کسی باپ استاد

پیر۔ آقا۔ حاکم بادشاہ نے بیٹے شاگرد۔ مرید۔ غلام نوکر رعیت کا

اپنا خیال کیا۔ ایسا درد دیکھا (استغفراللہ)

اے وہ وہ ہیں۔ کہ تم چادر تان کر شام سے خراٹے لیتے صبح کی
خبر لاتے ہو۔ تمہارے درد ہو۔ کرب ہو۔ بے چینی ہو۔ کروٹیں بدل رہے
ہو۔ ماں باپ۔ بھائی بیٹا۔ بیوی۔ اقرباء۔ دوست آشنا۔ دو چار راتیں۔
کچھ جاگے ہوئے۔ آخر تھک تھک جا پڑے۔ اور جو نہ اٹھے وہ بیٹھے بیٹھے اونگھ
رہے ہیں۔ نیند کے جھونکے آ رہے ہیں۔ اور وہ پیارے گناہ سے بے خطا ہے
کہ تمہارے لیے راتوں کو جاگا کیا۔ تم سوتے ہو اور وہ زار و زار رو رہا ہو۔ روتے
روتے صبح کر دی ہے۔ (کہ رب امتی امتی) اے میرے رب میری امت میری امت
کیا کبھی کسی باپ۔ استاد پیر۔ آقا حاکم۔ بادشاہ نے بیٹے شاگرد مرید۔ غلام
نوکر رعیت کا ایسا خیال کیا ہے۔ ایسا درد رکھا۔ حاشا وکلا۔

ارے ہاں ہاں۔ درد بیماری۔ مرض بیماری مصیبت میں ماں باپ کی۔ محبت

کا کیا جا بیٹھا۔ کہاں گئی۔ میں تمہاری خطا۔ نہ ماں باپ پر جفا یوں آزماؤ۔

کہ ماں باپ بے شمار نعمتوں سے بہیں نوازیں۔ اور تم نعمت کے بدلے

سرکشی کرو۔ نافرمانی کی لگاویں سو سو کیں۔ اور ایک نہ مانو۔ ماں

سے بُرے باپ سے بُرے۔ رات دن بُرے ہر وقت بُرے۔ دیکھو تو ماں باپ

کتنا اشد غصے کیلئے سے لگاتے ہیں۔ مگر وہ پیارا۔ وہ مجسم رحمت۔ وہ

نعمتوں والا۔ وہ ہمیشہ راحت ہے۔ کہ تمہاری۔ لاکھ لاکھ نافرمانیاں دیکھے

کر، مکر کر کے دو گنہگار رہا ہے۔ اس پر بھی۔ تمہاری محبت سے باز نہ آئے۔

دل تنگ نہ ہو۔ شرک نہ ہو جائے۔ سنو وہ کیا فرما رہا ہے۔ دیکھو تو

وہ فرماتا ہے۔ (هلمّ الی هلمّ الی) اے میری طرف آؤ۔

اے میری طرف آؤ۔ مجھے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ دیکھو

وہ فرماتا ہے۔ تم پروانے کی طرح آگ پر گرے پڑتے ہو۔

احمد میں تمہاری بند کمر پکڑے رو رہا ہوں۔ کیا کبھی کسی باپ، استاد،

پیر، آقا، حاکم، بادشاہ نے بیٹے، شاگرد، مرید، غلام، نوکر، رعیت

کا ایسا خیال کیا۔ اب درد رکا۔ استغفراللہ۔ اب دنیا کی

ساعت بہت شدید ہے۔ آنکھ بند ہے سویرا ہے۔ قیامت بہت جلد

آنے والی ہے۔ جانتا ہے کہ قیامت کیا ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ

وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ جس دن

بھاگے گا آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، جورو بیٹوں سے۔ ہر ایک

اس دن اپنے ہی خیال حال میں۔ غلطیوں و پیچاں ہو گا نہ دوسرے

کا خیال بھلا سکے گا۔ اس دن جانے کہ۔ فلاں فلاں تیرا کام

آ سکیں۔ حاشا نہ۔ واللہ علیم۔ اس دن وہی پیارا حبیب؟

کام آئے گا۔ اس کے سوا۔ باقی انبیاء۔ مرسلینؑ کو تو مجال

عرض ہی کی نہیں۔ سب نفسی نفسی فرمائیں گے۔ اور پھر کیا کہیں کہ کیا

حقیقت ہے۔ ہاں وہ پیارے رسول کا سہارا بے یاروں کا یار

وہ شفاعت کی آنکھ کا تارا۔ وہ محبوب محشر آرا۔ وہ رحمت سلیم۔ ہمارا کر

فرمائے گا۔ آتا تھا آتا تھا۔ میں یوں شفاعت کے لیے ۔ پھر میں

پھر رب منظر کرتا ہے کہ مسلکوں کی بخشش گئیں میدان حشر ہر امتی

منزل کے فاصلوں پر مقام لاکھوں حساب کے لئے حاضر کیے گئے۔ میزان

عدل لائی گئی۔ نامہ اعمال پیش ہوئے۔ لاکھوں کو صراط پر چلنے کے

لیے لے گئے۔ جو بال کے چشم نصب ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز

اور بال سے زیادہ باریک۔ اور ہزاروں برس کی راہ اور نیچے

نظر کریں تو کٹھن منزل شک کا گھرا۔ اور اس میں وہ شرارے گ

شعلہ زن جس میں سے برابر پھول اڑ اڑ کر آ رہے ہیں

جانتے ہو۔ وہ پھول کیسے ہوں گے۔ اونچے اونچے محلوں کے برابر گویا

آگ کے قطعے ہیں۔ جھک کر در پے در چلے آتے ہیں

لاکھوں پیاس سے بے تاب ہیں۔ پچاس ہزار برس کا دن۔ تانبے

کی زمین سروں پر رکھا ہوا آفتاب۔ زبان پیاس سے باہر ہیں۔

دل ابل ابل کر گلے پر آ رہے ہیں۔ اتنا ازدحام اور اتنے

مختلف کام اور اتنے فاصلوں پر مقام اور خبر گیراں صرف ایک۔ وہ

محبوب ذی الجلال صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابھی وہ میزان پر آئے۔ اعمال تلوائے۔ حسنات کے پلے گراں

کرائے۔ ابھی صراط پر۔ کھڑے ہیں۔ وہ دردناک آواز سے عرض

کر رہے ہیں۔ رب سلم امتی امتی اسلسانی۔ الہی بچا لے بچا لے۔ پھر

حوض کوثر پہ۔ جلوہ فرمائیں۔ پیاسوں کو وہ شربت جانفزا
پلا رہے ہیں کہ گویا تنِ مُردہ میں جانِ رفتہ واپس لا رہے ہیں۔ حضرت
انس رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ۔ حضور میری شفاعت فرمائیں۔ فرمایا
میں ہی شفاعت کرنے والا ہوں۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس روز
میں حضور کو کہاں تلاش کروں۔ فرمایا سب سے پہلے صراط پر۔ عرض
کیا اگر وہاں نہ پاؤں۔ فرمایا میزان پہ۔ عرض کی وہاں بھی میں
نہ پاؤں۔ فرمایا: حوض کوثر پہ۔ ہم ان تینوں جگہوں سے کہیں
نہ جاؤں گا۔

نور المجتبیٰ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

.abbas

2013:98

میلادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی

دنیا کے تمام مذاہب میں مختلف تقریبیں منانے کا طریقہ عہدِ قدیم سے

قوم وملت کے افراد اپنی تقاریب کو نہایت خوشی اور مسرت سے مناتے ہیں

تقاریب کو قومی اور اجتماعی حیثیت سے خاص اہمیت حاصل ہے۔

خصوصاً مذہبِ اسلام میں جو تقاریب ہیں وہ ہر حیثیت سے بڑی

اہمیت رکھتی ہیں۔ مگر یہ تقاریب محض رسم ورواج ولہو ولعب کے لئے

نہیں۔ بلکہ اکابر کے کارہائے نمایاں اور حوادثِ ماضیہ کی یاد کو

تازہ رکھنا مقصد قرار پاتا ہے۔ تاکہ انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے

کے لئے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے عمل، جذبات، معلومات وخیالات ارتقاء

پذیر ہیں۔ اور اسلاف کا کردار انہیں عمل بخشتا رہے۔

کیا دن منانا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ

اعداد کو اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ لاریب کہ سب ایام ولیالی

کو خداتعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا۔ مگر اکثر المفسرین حضرت ابن عباس

حضرت ابی بن کعب۔ حضرت مجاہد۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بعد دیگر مفسرین فرماتے

ہیں۔ کہ ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں۔ جن میں اللہ نے اپنے

بندوں پر انعامات فرمائے۔ (ابن جریر خازن مدارک مفردات راغب)

اہل ایمان جانتے ہیں کہ باعث کون ومکان حضرت احمد مجتبیٰ ؐ

کی ذات گرامی اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ باقی تمام نعمتیں

آپ ہی کا صدقہ ہیں تو لوگوں کو یاد دلانا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے

نبی کریم ﷺ کو بھیج کر مومنوں پر بڑا احسان وانعام فرمایا۔ اس حکم کی تعمیل

ہے۔ اور تعمیل حکم الٰہی بدعت نہیں۔ بلکہ موجب رحمت وبرکت ہے

قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔ تو آپ

یعنی اے میرے محبوب آپ فرما دیں کہ اللہ کے فضل اور اس کی

رحمت کے ملنے پر چاہیے کہ لوگ خوشی کریں۔

یہ آیت کریمہ فضل و رحمت پروردگار پر اظہارِ خوشی کا

حکم دیتی ہے۔ بے شک نبی کریم ؐ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجنا اللہ تعالیٰ

کی رحمت اور فضل عظیم ہے۔ لہٰذا اِس نعمتِ عظمیٰ اور رحمتِ عالم

کی تشریف آوری کے سلسلے میں ہر جائز خوشی کا اظہار اس آیت

پر عمل ہے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ جب حضور اکرم ؐ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں

کے یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ آپ ؐ نے اِس کی

وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ یہ دن نہایت مقدس و مبارک ہے۔ کہ اس

دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمن فرعون سے نجات بخشی

کہا- ہم اس دن کا تعظیماً روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہم

موسیٰ کی فتح کا دن منانے میں تم سے زیادہ حقدار ہیں تو حضور ﷺ نے

خود بھی روزہ رکھا - اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔
(بخاری و مسلم ابوداؤد)

جب یوم نجات بنی اسرائیل اور یوم فتح موسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ کے نزدیک

بھی مبارک و مسلّم ہوا۔ اور تعظیم و تکریم کرنے میں اپنے آپ کو زیادہ

حقدار فرمایا۔ خود بھی منایا۔ اور صحابہ کرام کو بھی منانے کا حکم دیا

تو اسی پس منظر میں یوم بدر اور فتح مکہ کا دن بھی عالم اسلام

کے لیے لائق تعظیم و مقدس ہوا۔ تو جس دن وہ کائنات کا نجات

دہندہ تشریف لایا۔ جس کے تشریف لانے سے کائنات کو

کفر و شرک ظلم و ستم جہالت و گمراہی سے نجات حاصل ہوئی

وہ دن منانا کیونکہ باعث رحمت نہ ہوگا۔

علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں آیہ کریمہ محمد رسول

کے تحت فرماتے ہیں۔ وَمِنْ تَعْظِيْمِهٖ عَمَلُ الْمَوْلِدِ ... کہ میلاد شریف

کرنا بھی حضور کی ایک تعظیم ہے۔ جب وہ منکرات سے خالی ہو۔

امام سیوطی فرماتے ہیں۔ يَسْتَحِبُّ لَنَا اِظْهَارُ

الشُّكْرِ لِمَوْلِدِهٖ کہ ہمارے لئے حضور کی ولادت پر شکر

کرنا مستحب ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ یعنی حافظ ابن حجر

اور حافظ سیوطی نے میلاد کی اصل سنت سے ثابت کی ہے

اور ان لوگوں کا رد کیا ہے۔ جو کہ میلاد شریف کو بدعت

سیئہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔ امام ربانی مجدد

الف ثانی مکتوبات شریف میں میلاد شریف کے بارے میں

فرماتے ہیں۔ اچھی آواز کے ساتھ قرآن قصیدے نعت شریف

اور فضائل بیان کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ میں مکہ

معظمہ میں میلاد کے روز حضور کے مولد مبارک میں تھا۔ اس وقت

لوگ آپ پر درود سلام پڑھتے تھے۔ اور آپ کی ولادت کا ذکر کرتے

اور وہ معجزات بیان کرتے جو آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے

تھے۔ میں نے اس مجلس میں انوار و برکات دیکھے۔ (فیوض الحرمین صفحہ ۲۷)

کہ میرے غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ انوار ان ملائکہ کے ہیں۔ جو

ایسی مجالس اور مشاہد پر موکل مقرر ہوتے ہیں۔ اور میں نے

دیکھا کہ انوار ملائکہ اور انوار رحمت آپس میں ملے ہوئے ہیں

اور یہی شاہ صاحب دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میرے والد

نے مجھے والد ماجد نے مجھ کو بتایا۔ کہ میں میلاد کے دنوں میں حضور ؐ

کی ولادت کی خوشی میں کھانا پکواتا تھا۔ ایک سال سوائے بھنے ہوئے

چنوں کے کچھ میسر نہ آیا۔ تو وہی لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ تو حضور ؐ کو

خواب میں دیکھا۔ کہ بھنے ہوئے چنے آپ کے روبرو پڑے ہوئے ہیں اور

آپ بہت ہی مسرور و خوش ہو رہے ہیں۔

لوز الحبیب ماہ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

J. abbas
20 : 3 : 98

ولادت کا دن

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم

12 ربیع الاول ایسا مبارک دن ہے۔ جس کی صبح کو دعائے خلیل
نوید مسیحا مجسم بن کر ظاہر ہوئی۔ جس کے عالم وجود میں آتے
ہی کفر و ضلالت کی ظلمتیں کافور ہو گئیں۔ اور کائنات کا کونہ کونہ
بقعۂ نور بن گیا۔ فرزندانِ اسلام اس دن کو یاد کر کے مسرت و
شادمانی کا اظہار کرتے ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیہ
عقیدت اور تحفہ صلوٰۃ و سلام پیش کر کے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں
لیکن بعض بد نصیب ایسے بھی ہیں۔ جو نہ صرف اس سعادت عظمیٰ
سے خود محروم ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی محروم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے
رہتے ہیں چنانچہ ہر سال ماہ اس مبارک میں پمفلٹ چھپوا کر ہزاروں
کی تعداد میں مفت تقسیم کرتے ہوئے۔ اپنی بد بختی پر مہر تصدیق
ثبت کراتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ حضور کی ولادت کا دن منانا

بدعت ہے۔ شرک ہے۔ اور نہ جانے کیا کیا۔ طوفان بدتمیزی برپا کرتے

ہیں۔ عقل کے اندھے اور علم سے عاری یہ خیال ہی نہیں کرتے کہ جب

تک سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت کے علماء و مشائخ اس سرزمین پر موجود

ہیں ہماری یہ مکروہ چالیں کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

ایک عرصہ سے عید میلاد النبی ﷺ کا مبارک دن منانے پر کفر و شرک

کے اور بدعت کے فتوے لگائے جاتے تھے۔ لیکن جب بال کی کھال اتارنے

میں کامیاب نہ ہوئے۔ تو چند ریاضی دانوں کی تحقیق کا سہارا لے کر

دوبارہ عالم اسلام کی مسلمہ حقیقت کی مخالفت میں آسمان سر پر

اٹھا لیا۔ کہ حضرت محمد ﷺ کی تاریخ ولادت 8 یا 9 ربیع الاول ہے

اور 12 ربیع الاول کو ولادت باسعادت کا دن تسلیم کرنا۔

غلط فہمی ہے۔ آج کل زیادہ تر اسی نظریے پر زور دے رہے

ہیں۔ حالانکہ مولانا احمد رضا بریلوی نے کئی برس کی تحقیق سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ ولادت باسعادت سرکار مدینہ علیہ السلام 12 ربیع الاول ہی ہے۔ ان عاقبت اندیشوں اور بد مذہبوں کو نبی کریم ﷺ کی ولادت پاک 12 ربیع الاول ہونا گوارہ نہیں۔ مگر مولوی اسماعیل کی تاریخ پیدائش 12 ربیع الاول ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ یہ انہیں کے منہ پر طمانچہ ہے
(تقویۃ الایمان صفحہ نمبر ۷)

246

(1) ذکر ولادت نبی ﷺ اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ عقائد علمائے دیوبند حسام الحرمین صفحہ

(2) نبی پاک ﷺ کی ولادت باسعادت 12 ربیع الاول کو ہے۔ عند المحدثین صحیح قول ہے سیرت ابن ہشام صفحہ 167/12

(3) عاشق رسول علامہ یوسف نبہانی فرماتے ہیں نبی پاک ﷺ کی ولادت باسعادت پیر کے 12 ربیع الاول کو ہوئی (حجۃ اللہ علی العالمین 231)

(4) الحافظ ابی عبداللہ الحاکم النیشاپوری کا فیصلہ دیکھئے۔ محمد بن اسحاق نے کہا۔ کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت پیر کے دن 12 ربیع الاول کو ہوئی (مستدرک 603)

(5) علامہ حسن مومن شبلنجی فرماتے ہیں۔ نبی پاک مکہ میں طلوع فجر کے
وقت 12 ربیع الاول کو پیر کے دن پیدا ہوئے۔ نور الابصار ص 13

(6) مولانا معین الدین کاشفی فرماتے ہیں کہ مشہور یہ ہے ربیع الاول کے
مہینے میں آنحضرت تشریف لائے اور اکثر کہتے ہیں کہ ربیع الاول کی 12 تاریخ تھی
(شرح معارج النبوت فارسی ص 32 باب سوم)

(7) علامہ ابن حجر عسقلانی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ رسول پاک پیر کے دن
بارھویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے (سیرت محمدیہ ترجمہ مواہب لدنیہ) صفحہ 153 ج 1

(8) حضرت محدث سہیلی کا عقیدہ محمد بن اسحاق نے کہا کہ رسول پاک پیر کے
دن 12 ربیع الاول کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ (سیرت ابن ہشام ص 107 ج 1)

(9) شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ تاریخ ولادت 12 ربیع الاول ہے
اور یہی قول مشہور ہے اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے۔ کہ وہ اس روز
حضور کی جائے ولادت کی زیارت کرتے ہیں (ماثبت بالسنہ ص 57)

(10) حضرت محدث ابن جوزی فرماتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہ آپ 12
ربیع الاول کو پیدا ہوئے یہ قول زیادہ صحیح ہے (عید میلاد النبی ص 58)

(11) حضرت محمد بن الحسن فرماتے ہیں تاریخ ولادت میں اختلاف پایا
جاتا ہے لیکن مشہور اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ 12 ربیع الاول
کو پیدا ہوئے۔ (تاریخ الخمیس صفحہ 196)

(12) علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی مکی کا عقیدہ یہ ہے۔ یعنی نبی پاک کی
ولادت پاک 12 ربیع الاول کو ہوئی۔ (النعمۃ الکبریٰ ص 25)

(13) نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتا ہے۔ کہ ولادت شریف مکہ مکرمہ
میں وقت طلوع فجر کے روز دوشنبہ شب دوازدہم ربیع الاول عام الفیل
کو ہوئی۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے ابن جوزی نے اس پر اتفاق
کیا ہے۔ (الشمامۃ العنبریہ ص 7)

(14) مولوی صادق سیالکوٹی سیرالکونین میں لکھتا ہے ۔ بہار کے موسم

12 ربیع الاول شریف 22 اپریل سنہ 571ء سوموار کے دن نور کے تڑکے

حافظ ناموس آدم مشہور روایت حضور کی پیدائش کی۔ تو 12 ربیع الاول

ہے (سیرالکونین ص 60)

(15) مولانا احمد علی لاہوری لکھتے ہیں۔ احمد مجتبیٰ 10 م 12 ربیع الاول

20 اپریل سنہ 571ء پیر کے دن عرب دیس کے شہر مکہ میں پیدا ہوئے

(ہفت روزہ خدام الدین ص 7 18 مارچ سنہ 1967ء)

(16) مولوی عبدالستار وہابی کا اعتراف۔

ہ بارھویں ماہ ربیع الاول رات سوار نورانی۔

فضل کنوں تشریف لیایا پاک حبیب حقانی

اکرام محمدی ص 270

(17) حضور اکرم 12 ربیع الاول دوشنبہ کے دن فجر کے وقت کہ

ابھی ستارے آسمان پر نظر آ رہے تھے۔ پیدا ہوئے۔ (سیرت رسول عربی ص 63)

(18) حضورؐ کی ولادت با سعادت واقعہ اصحاب الفیل کے 55 دن بعد پیر کو

12 ربیع الاول کو ہوئی۔ (شواہد النبوت) صفحہ 22 از علامہ جامی)

(19) بلاشبہ حضور اکرمؐ کا مقام ولادت مکہ معظمہ ہے اور اہل مکہ کا

قدیم سے ہر سال 12 ربیع الاول کو جائے ولادت پر حاضر ہونا اور میلاد پڑھنا۔

اس کی سرکش دلیل ہے۔ کہ آپ کی تاریخ ولادت 12 ربیع الاول ہے۔

ذکر الحسین فی سیرت بنی اللہ ص 116 سطر 17/18

(20) علامہ امام محمد بن عبدالباقی المالکی الزرقانی فرماتے ہیں جمہور کے

نزدیک صحیح تاریخ ولادت 12 ربیع الاول ہے اور یہی مشہور ہے

زرقانی ص 132/1

(21) حضرت محمدؐ 12 ربیع الاول مطابق 22 اپریل 571ء کو رحمت

عالم بنا کر دنیا میں تشریف لائے۔ (سوئے حرم ص 106 سیرت النبی بافاطمہ)

(22) حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے اڑھائی ہزار سال بعد 12 ربیع الاول کو۔

اس ابراہیمی بستی شہر مکہ میں قبیلہ بنو قریش کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا دادا

نے محمد اور ماں نے احمد رکھا۔ (نورِ کامل صفحہ 36 از قاضی عبدالمجید)

(23) ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ ایک خوبصورت نوجوان حضرت آمنہ کے گھر۔

12 ربیع الاول مطابق 20 اپریل سنہ 571ء کو صبح کے وقت پیدا ہوئے
(اسلامیات سی ٹی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی صفحہ 80)

(24) آنحضرت کی تاریخ ولادت 12 ربیع الاول ہے آپ پیر کے روز حضرت

عیسیٰؑ کے 570 سال بعد سنہ 571ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ عرب اس

سال کو عام الفیل کہتے ہیں۔ (اسلامی تہذیب 347)

(25) آپؐ کی ولادت باسعادت 12 ربیع الاول مطابق 20 اپریل

571ء کو ہوئی۔ (اسلامیات اختیاری جماعت نہم دہم 195)

(26) حضرت محمدؐ 12 ربیع الاول 20 اپریل سنہ 571ء کو پیر کے دن

عرب کے مشہور رشتہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ دینیات جماعت پنجم صفحہ 55 1971ء

(27) عید میلاد النبی کا دن 12 ربیع الاول کو بڑے جوش عقیدت سے منایا

جاتا ہے۔ اس روز نبی پاکؐ کی ولادت کی خوشی منائی جاتی ہے بازار، گلیاں

اور گلیوں کو خوبصورتی سے سجایا جاتا ہے اور جلسے اور میلاد شریف منعقد کیے

جاتے ہیں۔ (مطالعہ پاکستان نہم دہم صفحہ 119 سن 1996ء/ 1/11)

(28) عید میلاد النبی ہر سال 12 ربیع الاول کو منائی جاتی ہے یہ مبارک دن

نبی پاکؐ کی ولادت با سعادت کا دن ہے یہی وہ دن ہے جس کی آمد سے کفر

و شرک کا اندھیرا دنیا سے مٹ گیا۔ (اسلامی اکیڈیمی کتاب ج صفحہ 3)

(یہ 12 ربیع الاول کی حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے)

G. abbas

21 10, 98

یومِ وصال

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

بعض نادان دوست ربیع الاول شریف کے موقع پر عید میلاد النبیؐ منانے والوں پر کئی دوسرے اعتراضات کے ساتھ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ حضورؐ کی ولادت باسعادت اور وصالِ مبارک ایک ہی دن اور ایک ہی ماہ میں ہوئے ہیں۔ لہٰذا حضورؐ کی ولادت کی خوشی منانے کی بجائے ان کے وصال فرما جانے کے افسوس میں غم منانا چاہئے۔ اور اس پر نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے ہیں۔ مگر جی دیکھو۔ حضورؐ کے یومِ وصال کا غم بھی ہے۔ لہٰذا اس دست موقع کی مناسبت سے ہم ان کے لئے اتنا ہی عرض کرنا چاہیں گے۔ کہ

اللہ کی نعمتوں کے بدلے شکر کرنا۔ اور شکر بجالاتے ہوئے خوشی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے

اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی شکر بجالانے ہوئے۔ غم واندوہ اور افسوس

کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ایسا کرنا۔ تو نعمت کی بے قدری ہے۔ اور

بے قدری کرنا۔ گویا کفرانِ نعمت کے زمرے میں آتا ہے۔ جس

کے لئے ارشاد فرمایا گیا۔ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

سورۃ ابراہیم (۱۴)

اور اگر تم میری نعمت کی ناشکری کروگے تو بے شک میرا عذاب

سخت ہے۔ لہٰذا اِس موقعے پر سوگ منانا۔ اور غم

کرنا۔ اُمتِ مسلمہ کا وطیرہ اور اس کا شیوہ نہیں۔ اس لئے کہ

(۲) غم نعمت کے فاتے پر کیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ غم اس وقت کیا جاتا ہے۔ جب کوئی چیز

ختم ہو جائے۔ چلی جائے۔ اس سے حاصل ہونے والے فوائد بھی

ختم ہو جائیں۔ اور اس کے اثرات و نتائج کا سلسلہ بھی

بند ہو جائے۔ مثلاً کسی کے ہاں بیٹا تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔

اب اس کے مرنے پر۔ تو ایسے غم ہو سکتا ہے۔ کہ بیٹے کی

نعمت اس سے چھن گئی۔ لیکن پھر بھی شکر گذار مومنین کا شیوہ

بھی نہیں۔ کہ مال و دولت اور اولاد کے اٹھ جانے پر۔ خدا سے شکوہ

کریں۔ کیونکہ یہ تو آزمائشیں ہوتی ہیں

چہ جائیکہ کوئی حضور نبی کریمؐ کے وصال پر غم کرے

یا حزن و ملال کی کیفیت اپنائے۔ اس لئے حضور کا وصال مبارک

بھی۔ اس طرح امت کے حق میں رحمت ہے۔ جس طرح آپؐ کی

ظاہری حیاتِ طیبہ تھی۔ مصنف حنیف۔ کو یہ اعتراض کرتے

ہوئے کم از کم حیاۃ النبی پر غور کرنا چاہیے۔ وہ اس میں

دھرمی میں آکر انبیاء اور تمام انسانوں کو۔ موت و حیات

کو یکجا تصور کرتے ہیں۔ وہ انتہائی نامناسب اور غیر علمی انداز

سے اس دلیل کا سہارا لیتے ہیں۔ جن میں سرے سے کوئی قرین

قیاس بات ہی نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آقا ﷺ تو موجود ہیں۔ تب تم کہہ

کہ حضور کا سایہ رحمت اُمت کے سر سے اُٹھ گیا ہو۔ یا واسطہ

اور تعلق منقطع ہو چکا ہو۔ حضور تو آج بھی اُمت کے احوال سے

باخبر ہیں۔ اور قدم قدم پر دستگیری فرماتے ہیں۔ یہاں حیات

النبی کے دلائل دینا تو باعث طوالت ہوگا۔ وہ ایک الگ موضوع ہے

جس پر مختلف مکاتب فکر کے علماء کی کتب موجود ہیں۔ تاہم

اس میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ حضور اپنے جسم اطہر کے

ساتھ اپنے روضہ مبارک میں بحیات تشریف فرما ہیں

③ حضور کی نبوت تا قیامت جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو کلمہ مسلمانوں کو عطا فرمایا۔ اس کے الفاظ میں اس حقیقت پر پختہ شہادت ہیں۔ کہ حضور کی نبوت جاری و ساری ہے۔ اور قیامت تک اسی طرح رہے گی۔ جس طرح حیات ظاہری میں تھی۔ کلمہ طیبہ کے کلمات ہیں۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اب جو شخص یہ کہے کہ محمد اللہ کے رسول تھے۔ اور یہ نہ کہے۔ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ماضی میں رسول سمجھنے کا عقیدہ کو سرے سے ختم کر دیا۔ اور حضور کی بات تھی۔ کہ جیسے نے کر تا

اجازت ہی نہیں دی اور سلسلہ نبوت کے آخر ہیں۔

حضور کو بھیج کر یہ واضح کر دیا۔ کہ لوگوں۔ اور نبی آئے۔ اور

چلے گئے۔ چونکہ وہ جاتے رہے۔ اور اس لئے۔ نئے نبی بھی آتے رہے

اگر حضور چلے گئے ہوتے تو کوئی نیا نبی آ جاتا۔ اور نیا نبی اب

نہیں آئے گا۔ خدا نے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم فرما دیا ہے

لہٰذا اسے طے سی بات ہے۔ حضور کی نبوت تا حال ہے اور

قیامت تک رہے گی۔ اس لئے یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے۔ کہ حضور اب

بھی اسی طرح اللہ کے رسول ہیں۔ جس طرح صحابہ کے لئے تھے

اور اسی طرح ہمارے لئے ہیں۔ اسی طرح بعد میں آنے والی قیامت

تک کی نسلوں کے لئے ہوں گے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ شرف صحابیت کو

پہنچ سکے۔ آپ ہر ایک کی آنکھ سے دکھائی دیتے تھے۔ اور وصال

پاکؐ کے بعد کسی دل کی آنکھ سے دکھائی دیتے ہیں پہلے حالت بیداری
میں ہر کسی کو نظر آتے تھے۔ اب کسی کسی کو خواب میں نظر آتے ہیں۔
اور جو شخص ان کی یاد اور محبت میں دل کو زندہ کرے وہ
اب بھی نہ صرف خواب میں بلکہ بیداری میں حضورؐ کو دیکھتا ہے
اور دل کی آنکھ سے نہیں بلکہ سر کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔
حضورؐ کی اُمت میں کئی عشاق ایسے ہیں۔ جن کے متعلق
مشہور ہے کہ وہ بیمار ہوئے۔ حضور سفید دن میں ان
کی عیادت اور احوال پوچھنے تشریف لائے اور لاتعداد بزرگوں
کے حالات ایسے ملتے ہیں۔ جن کے ہاں مرگ ہوئی۔ حضور
بنفس نفیس ان کے ہاں تعزیت اور دلجوئی کے لئے تشریف
لائے۔ حضور اپنے مخلص خادموں کی عیادت بھی کرتے ہیں

ان کی راہنمائی بھی کرتے ہیں۔ اپنے دل اور سر کی آنکھوں سے
شرف دیدار بھی بخشتے ہیں۔ اور جب وہ دنیا سے چلنے لگیں
تو ان کی روحوں کے استقبال کے بھی تشریف لاتے ہیں۔

حضرت ابوالعباس مرسی کا حال

حضور کے بعض امتی تو ایسے بھی ہیں۔ جنہوں نے قسم کھا کر
کہا۔ کہ اگر حضورؐ ایک لمحے کے لئے بھی میری نگاہوں
سے اوجھل ہو جائے تو اس لمحے میں خود کو مسلمان ہی تصور
نہیں کرتا۔
ان کے تو ایسے بھی خدام ہیں۔ جن کی نگاہوں
سے وہ اوجھل ہوتے ہی نہیں۔ ارے نادان انسان تو نے
کہہ لیا کہ حضور مجھے جو نظر نہیں آتے تو شاید چلے

ہی گئے ہیں۔ جو اِن کے ہو گئے ہوئے ہیں۔ اُن سے پوچھ کر دیکھو وہ کہتے ہیں ہمیں ہر گھڑی دیدار سے نوازا جاتا ہے اور ہر آن ان کا لطف و کرم جاری ہے۔ اور جس گھڑی وہ ہماری آنکھوں سے غائب ہوں ہم اپنے آپ کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔

جب سب کچھ ہے تو غم کس کا؟

نہ تو حضور کی عنایات میں کمی آئی۔ نہ اُن کی شفقتوں اور مہربانیوں میں کمی آئی۔ نہ اُن کی طرف سے ملنے والی ہدایات میں کمی آئی۔ نہ حضور کے تصرّف و کمال میں کمی واقع ہوئی۔ اور نہ اُن کے حسن و جمال میں کوئی نقص رونما ہوا۔ نہ اُن کے مرتبے میں کچھ فرق پڑا۔ نہ نبوت و رسالت اور ختم نبوت

میں کمی واقع ہوئی۔ جب سب اسی طرح موجود ہے۔ تو غم کس

بات کا ہے۔

بے شک حضور ؐ پر بھی موت آئی ہے۔ لیکن جب ایک عام

مومن اور کافر کی موت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تو حضور

کی موت اور عام انسانوں کی موت میں کتنا فرق ہوگا۔

حضور ؐ نے جو ظاہری دنیا سے پردہ فرمایا ہے۔ تو

عام انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ خواص تو آج بھی

حضور کو عالم بیداری میں دیکھتے ہیں۔ امام جلال الدین

سیوطی ؒ جیسے لوگ جنہوں نے زندگی میں کم و بیش 72 با

(1) کہ مرتبہ بار عالم بیداری میں حضور کی زیارت کی ہے۔

(1) (امام شعرانی۔ بحوالہ میزان الکبریٰ ص 44 مطبوعہ مصر)

آپ جب روضۂ اقدس پہ حاضری کے لئے جاتے ہیں تو کیا اس طرح جاتے ہیں۔ جس طرح ایک عام آدمی کی قبر پہ جایا جاتا ہے۔ بلکہ وہاں جاکر وہی آداب ملحوظ رکھنے فرض ہیں۔ جو آپ کی ظاہری حیات مقدسہ میں تھے۔ اور ہم جب حضور پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔ تو بعض سلام تو فرشتوں کے ذریعے ان تک پہنچائے جاتے ہیں۔ اور بعض خوش قسمت ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جن کا سلام سُن کر خود حضور اس کو جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

حضور نے اسی لئے فرمایا، کہ لوگوں میری وفات کو دوسروں کی موت کی طرح نہ سمجھنا۔ قیامت تک اگر کوئی مومن بھی۔ مجھ پر سلام کہے گا۔ میں اُس کا سلام سُنتا

بھی ہوں۔ اور جواب بھی دیتا ہوں۔ میری روح مجھ میں واپس

لوٹا دی جاتی ہے کئی دوسرے آئمہ کرام کے علاوہ علامہ ابنِ

قیم رح نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں اس قسم کی بہت روایات

اکٹھی کی ہوئی ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ جسے

انہوں نے طبرانی اور ابو داؤد سے اس طرح نقل کیا۔ حضور

نے فرمایا۔ جو شخص بھی مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے

اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔ وہ جہاں بھی ہو۔ صحابہ نے

عرض کی۔ کیا بعد از وصال بھی آپ اس طرح سنیں گے فرمایا

ہاں۔ کیوں نہیں وصال کے بعد بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین

پر حرام کر دیا ہے۔ کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

(جلاء الافہام صفحہ 63 علامہ ابن قیم)

یہ کوتاہیاں ہماری طرف سے ہیں۔ کہ ہمیں حقیقت

حال کا علم نہیں۔ اس لئے کہ ہم زندہ ہوکر بھی مُردہ ہیں

اور وفات پاکر بھی زندہ ہیں حضور تو سلام سُنتے بھی ہیں۔

اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔ مگر ہم اس جواب

کے سُننے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ ہر کان نہ سزاوار سماعت

ہے۔ اور نہ ہی ہر آنکھ قابلِ دیدار ہے الغرض اُمتِ مسلمہ

پر خوشی و مسرت کا اظہار واجب ہے۔ نہ کہ اظہار غم اور

افسوس۔

(۴) اُمت کے حق میں ولادت اور رحلت رحمت

رحلت شریفہ کے متعلق مندرجہ بالا بحث کے بعد چند

روایات اور آئمہ کے اقوال پیش خدمت ہیں۔ جوانات دلیل

اس قابل افسوس ذہنی رجحان کو اصلاحی پہلوؤں پر سوچنے

میں مدد دیں گے - امت کے حق میں. حضورؐ کی ولادت اور

رحلت اطہر دونوں رحمت ہیں. حضرت عبداللہ بن مسعود سے

روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حیاتی خیر لکم و موتی خیر لکم

(الشفا)

میری ظاہری حیات اور میرا وصال دونوں تمہارے لئے باعث خیر ہیں

دوسرے مقام پر اس کی حکمت ذکر کرتے ہوئے فرمایا. جب

اللہ تعالیٰ کسی اُمت پر اپنا خاص کرم کرنے کا ارادہ فرمالیتا

ہے. تو اس امت کے نبی کو وصال عطا کر کے اس اُمت

کے لئے شفاعت کا سامان کر دیتا ہے. اور جب کسی اُمت کی

ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے. تو اُس کی ظاہری حیات میں ہی

عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے. اور اس امت

اُمت

کی ہلاکت کے ذریعے اپنے پیارے بنی کی آنکھوں کو ٹھنڈک

عطا فرماتا ہے۔

اس اُمت پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی عنایت ہے۔ کہ

آخرت میں پیش ہونے سے پہلے اس کے لئے حضورؐ کو شفیع

بنا دیا گیا ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا۔ میرا وصال بھی (تمہارے لیے) رحمت ہے

جب یہ بات طے پاگئی۔ کہ اُمت کے حق میں دونوں رحمت ہیں

تو اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ دونوں میں نعمتِ عظمیٰ کون سی ہے۔

تو ظاہر ہے۔ کہ آپ کی دنیا میں تشریف آوری اُمت کے حق میں

ایسی عظیم نعمت ہے۔ کہ اس کے ذریعے ہمیں دوسری نعمت حاصل ہوئی

امام جلال الدین سیوطیؒ مذکورہ سوال کا جواب

دیتے ہوئے اُصولِ شریعت بیان کرتے ہیں۔ کہ بشریعت نے

ولادت کے موقع پر۔ عقیقہ کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بچے کے پیدا

ہونے پر۔ اللہ کے شکر اور خوشی کے اظہار کی ایک صورت ہے۔

لیکن موت کے وقت ایسی کسی چیز کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ نوحہ

جزع وغیرہ سے منع کر دیا ہے۔ شریعت کے مذکورہ اصول

کا تقاضا ہے۔ کہ ربیع الاول شریف میں آپؐ کی ولادت باسعادت

پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ نہ کہ وصال پر غم

اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی

حرمین شریفین کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس محفل میں ذکر وفات نہ چاہیے

اس لئے کہ یہ محفل اس واسطے خوشی میلاد شریف کے منعقد ہوتی

ہے۔ ذکر غم جانکاہ اس محفل میں نازیبا ہے۔ حرمین شریفین

میں ہرگز عادت ذکر قصہ وفات کی نہیں ہے۔

اور چونکہ آپؐ کا وصال ایسا نہیں۔ جو اُمت سے آپؐ

کا تعلق ختم کر دے۔ بلکہ آپ کا فیضانِ نبوت تا قیامت جاری

ہے۔ اور آپ پر برزخی زندگی میں دنیاوی زندگی سے بڑھ

کر حیات کے مالک ہیں۔ حضرت مُلّا علی قاریؒ نے آپ کے

وصال کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے کہ یہاں نہ موت

ہے۔ اور نہ وفات بلکہ ایک حال سے دوسرے کی طرف منتقل

ہونا ہے۔

abbas

25.3.98

محافلِ میلاد النبی

(مولانا محمد منشاد)

بے شک ہم میلاد شریف کے بارے میں اس بات کے قائل ہیں

کہ اس سے ہمارا مقصد سیرت مصطفیٰ کا بیان، درود و سلام کا

پیش کرنا۔ آپ کی نعت و صفت کا سننا سنانا۔ حاضرینِ محفل

کو کھانا کھلانا۔ اور امتِ نبی ﷺ کے دل کو فرحت سے شاد کام

کرنا ہے۔

بے شک ہم علی الاعلان اس بات کا اظہار کرتے

ہیں کہ ہم اس بات کے قطعاً قائل نہیں کہ میلاد شریف

کی محفل، صرف اسی مقصود رات ہی میں کی جا سکتی ہے

بلکہ جو بھی ایسا اعتقاد رکھتا ہے۔ وہ ہمارے نزدیک بدعتی ہے

کیونکہ نبی کریم ﷺ سے تعلق رکھنا۔ ہر ساعت میں لازم ہے۔ اور یہ

ہمیں ضروری ہے۔ کہ تمام انسان آپ کے تعلق و ربط اور

ذکر سے محروم ہوں۔

ہاں نبی پاکؐ کی ولادت باسعادت کے ماہ مقدس میں میلاد شریف کی محفل منعقد کرنے والا، لوگوں کو اس کی طرف بلانے والا۔ ان کے شعور آگہی کو بیدار کرنے والا حصول فیضان کے لحاظ سے قوی اور مضبوط ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک زمانہ کی کڑیاں دوسرے زمانے سے ملاتا ہے۔ چنانچہ اس ماہ مبارک میں عاشقانِ مصطفیٰؐ کو زمانہ حال سے ماضی کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے حاضر سے غائب کی طرف منتقل کرتا ہے۔ محافلِ میلاد النبیؐ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا عظیم وسیلہ ہے۔ اور یہ سنہری موقع قطعاً ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ مبلغ علماء خطباء حضرات پر واجب ہے کہ وہ اُمتِ محمدیؐ

کو حضور کے اخلاقِ حسنہ، آدابِ جمیلہ، احوال و اعمالِ جلیلہ

سیرتِ مقدسہ۔ اور آپ کی عباداتِ عظیمہ سے آگاہ کریں۔

⑦ (انعامِ خدا)

محفلِ میلاد النبیؐ کے انعقاد کا مقصد جنابِ احمدِ مجتبیٰؐ کی

ذاتِ والا صفات سے فرحت و سرور کا حاصل کرنا ہے۔ ایسی

خوشی و مسرت سے تو ایک کافر نے بھی فائدہ اٹھایا جیسے

بخاری شریف میں ہے کہ ابولہب سے ہر پیر کو عذاب میں

تخفیف ہو جاتی ہے کیونکہ اس نے اپنی کنیز ثویبہ کی زبانی

نبی کریمؐ کی ولادتِ باسعادت کی خبرِ فرحت اثر سُنی تو

اسے جنابِ مسرت میں آ کر آزاد کر دیا۔ چنانچہ حافظ

شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی اس روایت کو اپنے

خیال بے بنیاد ہے۔

جب ابولہب کافر ہے۔ اور اس کی مذمت میں سورۃ تبت یدا نازل ہوئی۔ وہ دائمی دوزخی ہے۔ بعد پر مستند روایت کہ ابولہب سے ہر پیر کے دن ہمیشہ عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے۔ اس سبب سے کہ اس نے احمد مجتبیٰ ؐ کے میلاد شریف پر اظہار مسرت کیا تھا۔ تو ایسے شخص کے متعلق کیا گمان ہے۔ جو اپنی تمام زندگی میں نبی کریم ؐ کی ذات اقدس سے فرحت و سرور حاصل کرتا ہوا عقیدہ توحید پر جان بحق ہوا

(ح) پیر کے دن روزہ

نبی کریم ؐ از خود اپنی ولادت باسعادت کے دن تعظیم و تکریم بجا لائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے

فرماتے ہیں۔ کہ یہ دن عظیم انعام و اکرام کا دن ہے۔ حضورؐ

کا وجود مسعود کائنات کے لئے باعث فضیلت ہے۔ کیونکہ

آپ ہی کے وسیلہ جلیلہ سے ہر چیز عزت و حرمت سے بہرہ ور

ہوئی۔ آپ کی ذاتِ اقدس نے اس دن کی اہمیت کو روزہ

رکھ کر بھی اجاگر فرمایا۔ جیسا کہ حضرت قتادہ سے

روایت ہے بے شک نبی کریم سے پیر کے دن روزہ

رکھنے کی بابت سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اسی دن میں

پیدا ہوا۔ اور یہی دن ہے جس میں مجھ پر قرآن کریم کے

نزول کی ابتداء ہوئی

③ فضل و رحمت

آپ کی ذاتِ اقدس سے خوشی و مسرت کا اظہار کرنا۔

قرآن کریم کے حکم کے عین مطابق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ

ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔

میرے حبیب آپ فرما دیں۔ اللہ کے فضل احسان کی رحمت

پر خوب خوشیاں منائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی

رحمت پر فرحت و سرور کے اظہار کا حکم فرمایا۔ نبی کریم

کی ذات والا برکات تو سب سے بڑی رحمت ہے ارشاد ربانی

ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے آپ کو

تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(۴) عاشورہ کا روزہ۔

بے شک نبی کریم نے سابقہ زمانہ میں ظہور پذیر اہم

دینی واقعات کے ساتھ ربط و تعلق ملحوظ خاطر رکھا۔

چنانچہ جب کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کا وقت لوٹتا

ہے۔ تو ہمیں بھی اس کے تازہ کرنے اور اس دن کی تکریم

وتعظیم بجا لانے اور اس کی آمد کی وجہ سے یاد منانے کا

اہم موقعہ میسّر ہوتا ہے

چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ جب آپ ہجرت

فرما کر مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے۔ تو یہودیوں کو عاشورہ

کا روزہ رکھتے پایا۔ آپ نے سبب معلوم فرمایا۔ تو کہا گیا

اس دن حضرت موسیٰ ؑ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کے

ساتھ فرعون کو ہلاک کر دیا۔ اس کی ابتلا سے نجات عطا

فرمایا۔ اس دن کی یاد میں خوشی ومسرت سے اظہار شکرانہ

کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہم تم موسیٰ ؑ

کے ساتھ خوشی و مسرت کا اظہار کرنے میں زیادہ حق رکھتے

ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر۔ نبی کریم ﷺ عاشورہ کا روزہ رکھتے

نیز حکم فرماتے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگرچہ

زمانہ نبوی میں اس ہیئت کے ساتھ میلاد کی محافل نہیں

ہوتی تھیں۔ مگر اس کی انفرادی حیثیت و کیفیت موجود تھی

تفصیل آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

(ی) صلوٰۃ و سلام

محافل میلاد صلوٰۃ سلام سے عبارت ہیں۔ اور صلوٰۃ و سلام

مطلوب و محبوب ہے۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔

اور جو چیز مطلوب شرعی سے عبارت ہے وہ عین مطلوب و مقصود

شریعت ہے۔ سید عالم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے فوائد و فضائل

بے شمار ہیں۔ جو دینی و دنیاوی امور میں معاون و مددگار

ہیں۔ ان کی تفصیل و تشریح سے زبان و قلم قاصر ہے۔

(6) معرفت الٰہی

محفل میلاد النبیؐ جو واقعات ولادت معجزات سیرت اقدس

اور آپ کے محامد و فضائل پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس

بنا پر میں پوچھتا ہوں۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں۔ حضورؐ

کی معرفت اور آپ کی پیروی کا حکم نہیں دیا۔ کیا آپ کے

اعمال و افعال سے سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔

آپ کے معجزات اور نشانات نبوت کی تصدیق نہ کریں

سچی بات یہی ہے۔ کہ ایسی کتابیں، جن میں میلاد

شریف کو موضوع قلم بنایا گیا ہے۔ ایسے مطالبات و

مقاصد پر کما حقہ پوری اترتی ہیں۔

(7) حقوق کی ادائیگی

اُمتِ مصطفیٰ ؐ کے حقوق جو ہم پر واجب ہیں۔ ان کو
آپ کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ جمیلہ کے بیان کرنے
سے بجا لا سکتے ہیں اور اس واجب کی ادائیگی محافلِ میلاد
سے پوری کی جا سکتی ہے۔ شعرائے کرام آپ کے محامد
ومحاسن کو نعت وقصائد کی صورت میں ہدیۂ پیش کرتے
ہیں۔ ان کے اس فعل کو بنظرِ کرم محبت وکرم سے
ملاحظہ فرماتے ہیں۔ اور اپنے انعام واکرام سے بھی نوازتے
رہتے ہیں۔ جب حضور سید عالم ؐ نعت وتعریف کرنے
والے اپنی خوشی ومسرت کا اظہار فرماتے ہیں تو ہم اس

خوش نصیب شخص سے اظہار شادمانی کیوں نہ کروگے جو

آپ کے شمائل و فضائل جمع کر رہا ہے۔ بلا شبہ محافل

میلاد نبی کریم کی خوشنودی و قرب کے حصول کا اہم

ذریعہ ہے۔

(8) جمعۃ المبارک

رسول اکرم نے جمعۃ المبارک کے فضائل و محاسن بیان

کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ جمعہ کے دن کو اس لئے یہ فضیلت

حاصل ہے۔ کہ اس دن حضرت آدم پیدا کیے گئے۔

(9) میلادِ آدم

جب حضرت آدم کے یوم میلاد کی نسبت سے جمعہ کو

شرف و فضل ہے۔ جو اس دن کی فضیلت نہ عظمت

بزرگی اور برتری کیوں نہ حاصل ہو گی جس میں

سید الانبیاء والمرسلین جناب احمد مصطفیٰ کی ولادت باسعادت

ہوئی۔ نیز تاریخ انسانی میں جن واقعات کو خصوصی

اہمیت حاصل ہے انہیں زندہ رکھا جا سکے۔

(15) حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش۔

بیت اللحم سے جب (شب معراج) نبی کریم گزر رہے تھے،

تو حضرت سیدنا جبرائیل نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ اس جگہ

دو رکعت نماز نفل ادا فرمالیں۔ آپ نے نفل ادا کیے۔ حضرت

جبرائیل نے دریافت کیا حضور یہ کون سی جگہ ہے۔ آپ

نے فرمایا۔ جبرائیل آپ بتائیے۔ تو جبرائیل نے عرض کیا یہ

وہ باعظمت مکان ہے۔ جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے

جب ایک نبی کی جائے میلاد کی تعظیم و تکریم کا یہ عالم
ہے۔ تو سید دو عالم کے قیام ولادت و یوم میلاد کی عظمت
و توقیر کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

(141) محبوب و مطلوب

نبی کریم ﷺ کے میلاد کی محفلوں کو علماء اسلام اور مسلمانوں
نے تمام ممالک میں مُستحسن قرار دیا ہے۔ دنیا کے کونے
کونے میں میلاد کی مجلسیں قائم ہوتی آ رہی ہیں۔ جن کو
بر روایت حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شرعاً محبوب او
مطلوب قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ جس چیز کو مسلمان اچھا
گمان کریں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہے۔ اور جس
وہ اچھا نہ سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کو بھی ناپسند ہے یہی

ذکر مصطفےؐ کو کوئی بھی مسلمان ناپسند و مکروہ تصور

نہیں کر سکتا) محفل میلاد النبی حمد و ثنا نعت وغیرہ

اور تعظیم و توقیر مصطفےؐ سے عبارت ہے۔ جو شریعت کا مطلوب

و مقصود ہے۔ ایسے افعال و اعمال کے بجا لانے میں بکثرت

آثار و احادیث وارد ہیں۔

(12) واقعات انبیاء

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے کہ ہم تمام

رسولوں کے واقعات اس لئے حکایت کرتے ہیں تاکہ آپ

کا دل مطمئن ہو۔ اس ارشاد سے یہ بالکل واضح ہو رہا

ہے کہ انبیاء و مرسلین کے واقعات بیان فرمانے میں

یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ سید دو عالمؐ کے قلب اطہر

کو مطمئن رکھا جائے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ آج ہم اتنے

دلوں کو مضبوط و مستحکم رکھنے کے لئے بہت ہی زیادہ

محتاج ہیں۔ پس ہمارے لئے یہ لازمی امر ہے۔ کہ

ہم نبی پاکؐ کے احوال و آثار و حالات و معجزات اور

واقعات سے آگاہی حاصل کریں کیونکہ ہم آپ کی نسبت

بہت زیادہ حاجتمند ہیں۔

J. abbas

25 - 3 - 98

نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

(قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین)

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تبارک نے حضور پر نور شافع یوم نشور کو نور تعبیر فرمایا۔ جمہور مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں صراحت فرمائی۔ کہ یہاں نور سے مراد ذاتِ مصطفےٰ ہے ۔ تفسیر ابن عباس تفسیر ابن جریر۔ تفسیر خازن۔ مدارک کبیر جلالین، روح المعانی روح البیان معالم التنزیل وغیرہ اس پر شاہد ہیں جس سے اپنے تو کجا بیگانے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ امداد السلوک ص 8 میں مولوی رشید گنگوہی فرماتے ہیں

مراد از نور ذاتِ پاک حبیب خدا است

اس نور کی تخلیق اس وقت کی گئی جب فرش تھا نہ عرش۔

زمان تھا۔ نہ مکان۔ زمین تھی نہ آسمان۔ بس خدا تھا۔ اور

صرف نورِ مصطفےٰ تھا۔

حضرت جابرؓ نے ایک بار پوچھا۔ یارسول

عن اول شئی خلقہ اللہ تعالٰی قبل الاشیاء یارسول

مجھے بتائیے۔ اللہ تعالٰی نے سب چیزوں سے پہلے کس چیز

کو پیدا فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ یا جابر ان اللہ تعالٰی

قد خلق قبل الاشیاء کلھا نور نبیک من نورہٖ،

اے جابر بے شک اللہ تعالٰی نے تمام اشیاء سے پہلے

تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اپنے نور

سے یہ مراد ہے۔ کہ اپنے نورِ ذاتی کے پرتو سے پیدا فرمایا

اور اس میں کسی دوسری شئے کا واسطہ نہ رکھا۔ نور ہ
کی اضافت تشریفی ہے۔ جس طرح روح اللہ اور بیت اللہ
میں ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی کتاب نشر الطیب فی
ذکر الحبیب میں یہی حدیث لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
اس سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا۔ حقیقۃً ثابت
ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا۔ (اول ما خلق
اللہ نوری) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا
فرمایا۔ ایسے شیخ محقق حضرت علامہ عبد الحق محدث دہلوی
نے اپنی کتاب مدارج النبوت اور حضرت امام ربانی مجدد
الف ثانی نے مکتوبات شریف جلد سوم میں تغیر الفاظ نقل
فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ

کی ایک روایت میں آیا۔ (کنت نبیاً وآدم بین الماء والطین)

میں نبی تھا۔ جبکہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ایک روایت ہے۔ کنت نوراً

بین یدی ربی قبل خلق آدم میں تخلیق آدم سے

قبل اپنے رب کے حضور ایک عظیم نور تھا۔

تفسیر روح البیان میں جناب ابو ہریرہؓ سے

یہ روایت بھی درج ہے۔ کہ نبی کریمؐ نے جبریل سے

پوچھا کہ تمہاری کتنے سال عمر ہے۔ تو عرض کیا

واللہ میں جانتا ہوں۔ کہ حجاب رابع میں ایک ستارہ

72
ستر ہزار برس کے بعد طلوع ہوتا تھا۔ جسے میں نے بہتر

ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے اپنے رب

کی غرض کی قسم وہ ستارہ میں ہی تھا۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ تخلیق

میں سب سے اول اور بعثت میں سب سے آخری ہیں۔

اس لئے آپ کے اسماء مبارکہ میں اوّل بھی ہے، اور آخر

بھی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ

غرض کہ یہ نور تخلیقِ کائنات سے قبل قربِ خداوندی

میں تسبیح و تہلیل کرتا رہا تاآنکہ جب سیدنا آدمؑ کا خمیر

گوندھا گیا۔ خوبصورت پتلا بنایا گیا۔ اس میں روح پھونکی گئی

تو نورِ مصطفیٰ ان کی پیشانی میں امانتہً رکھا گیا۔ جس سے جبین

آدم مثلِ آفتاب جگمگانے لگی۔ بعد ازاں فرشتوں کو حکم دیا
کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر
میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ سجدہ تعظیم و تحیت درحقیقت نورِ محمدی کے
لئے تھا۔

سرِ آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا
نور نے پایا شرف سجدے سے ماتھا نور کا۔

ملائکہ میں سے جو سب سے پہلے جھکا فرشتوں کا سردار
ہوا۔ باقیوں کے درجات بلند ہوئے۔ ابلیس انکار سے ذلیل و
خوار ہوا۔ اعد اُسے اُس کا عابد و زاہد ہونا۔ احد موحد ہونا
کوئی فائدہ نہ دے سکا۔ یہی نور جو مسجودِ ملائک ہوئے
کا سبب بنا۔ قبولِ توبہ کا وسیلہ بھی بنا۔ نوحؑ کے ہاں
پہنچا۔ تو طوفان سے نجات کا سامان بنا۔ ابراہیمؑ کے پاس

آیا۔ تو نارِ نمرود کو گلزار بنا گیا۔ اسماعیل کی پیشانی میں
جلوہ گر ہوا۔ تو وقت ذبح کام آیا۔ غرض تمام انبیاء کرام
نے اس نورِ ازلی کی برکات سے استفادہ فرمایا۔ بلکہ آپ
کے اجداد کرام میں سے جو مقام نبوت پر فائز نہ ہوئے۔
انہوں نے بھی اس سے خصوصی پایا مثلاً حضرت عدنان
میں شرف بن کر چمکا۔ تو وہ ذی شرف کہلائے۔ حتیٰ کہ
بخت نصر نے جب قبائل عرب پر حملہ کیا۔ تو ان کے قبیلہ
سے محض ان کے شرف کے باعث تعرض نہ کیا۔ اس کے
بیٹے کے پاس پہنچا تو انہیں حسن و جمال کے باعث معد
کا نام ملا۔ پھر تروتازہ نزار میں جلوہ گر ہوا۔
تو کبیر العرب کا نام دلایا۔ حضرت مضر میں وراثت بن کر چمکا

حضرت الیاس کو سید العرب کہلایا۔ کنانہ میں آیا تو حضرت

عیسیٰ کو اُن کی زیارت کے لئے کھینچ لایا۔ اُن کے فرزند آخر جمید

کے پاس آیا۔ تو انہوں نے نضر یعنی پر رونق کا لقب پایا۔ اُن کے

صاحبزادے مالک کو ملک العرب کا لقب دلایا۔ حضرت فہر کو

قریش یعنی قوی و بہادر کا نام دلایا۔ پھر کچھ واسطوں کے

ساتھ حضرت ہاشم تک پہنچا۔ تو علا یعنی بلندی کا روپ

دھارا اور وہ عمرو العلا کہلائے۔ حتیٰ کہ شہنشاہ روم ہرقل

نے آپ کی شخصیت اور حسن و جمال سے متاثر ہو کر آپ کو

اپنی بیٹی بیاہ دینے کی پیش کش کی مگر آپ نے قبول نہ

فرمائی۔ لوگ آپ کو سید البطحاء کہتے تھے۔ جب اس

نور کا ظہور جناب عبدالمطلب کی پیشانی سے ہوا۔ تو

لوگ انہیں سید القریش اور اشرف القریش کہنے لگے۔ اس

نور کی اس جلالت آپ کی جبین مبین سے ہویدا تھی۔ کہ

ابرہہ جو کعبہ ڈھانے آیا تھا۔ آپ کو دیکھ کر بے اختیار

تخت سے اتر آیا۔ اور اس کا طاقت ور اور مست ہاتھی

محمود آپ کو دیکھ کر سجدے میں گر گیا۔ مصالحت کی بات چیت

ناکام ہوئی۔ تو آپ نے کوہ شبیر پر کعبہ کی طرف منہ کر کے

دعا کی اس وقت اس نور کی شعاعیں مثل آفتاب آپ

کی پیشانی سے نکل کر کعبہ کی دیواروں پر پڑیں اور آپ

نے اس نور کی برکت سے فتح کی بشارت دی چنانچہ ابرہہ

مع لشکر تباہ و برباد ہو گیا۔

آپ کے بعد یہ نور حضرت عبداللہ کو ودیعت ہوا

اس کی باعث عرب کی عورتیں آپ پر فریفتہ ہو گئی مگر آپ
تقدس و عفت کا پیکر جمیل تھے۔ اور آپ نے یہ مقدس
امانت سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ کے حوالے کی۔ حضرت ابن عباس
فرماتے ہیں۔ کہ جب آپ بطنِ آمنہ میں تشریف لائے تو مکہ
کی زمین سرسبز و شاداب ہو گئی۔ سوکھے درخت ہرے بھرے
ہو گئے۔ قحط دور ہو گیا۔ اور اس قدر خیر و برکت ہو گئی
جناب آمنہ فرماتی ہیں۔ کہ مدتِ حمل میں مجھے کوئی
تکلیف اور گرانی محسوس نہیں ہوئی۔ بلکہ طبیعت میں فرحت
جسم میں خوشبو اور چہرے پر غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی
نیز مجھے خواب میں مختلف انبیاء کرام کی زیارت ہوئی
اور مجھے بشارت دیتے۔

حضرت عبداللہ کا انتقال آپ کی ولادت باسعادت

سے چھ ماہ قبل ہو گیا۔ اس طرح آپ پیدائش سے قبل ہی

یتیم ہو گئے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ آپ

کو اس لئے یتیم کر دیا گیا۔ کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے۔ کہ اس کی

سربلندیاں والدین کی تربیت کی شرمندۂ احسان ہیں۔ قرآن

حکیم میں بھی ایسے لئے فرمایا گیا۔ (الم یجدک یتیماً فآویٰ)

کیا۔ تجھے یتیم نہ پایا۔ تو ٹھکانہ دیا۔

جب وقت ولادت قریب آیا۔ دعائے خلیل اور

نوید مسیحا کا ظہور ہونے لگا۔ تو سیدہ آمنہ نے عجیب

و غریب نشانات دیکھے۔ حسین و جمیل عورتوں کے

جھرمٹ نورانی آسمان پر نذر عالی کے جھنڈے آپ کو فضا کے

بسیط کی

پہنائیوں میں نظر آتے تھے۔ یہ سب فرشتے حوریں۔ انبیاء و رسل تھے۔ جو زیارت کو حاضر ہوئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ مجھ سے ایسا نور نکلا کہ میں نے اس میں تمام روئے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ ایک روایت میں آیا۔ کہ ملک شام کے محلات بھی دیکھے۔ غرض وہ عجیب نورانی اور روحانی ساعت تھی۔ جس میں یہ نورِ مجسم محفلِ آرائے گیتی اور جلوہ نمائے بزمِ ہستی ہوئے۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام۔

آپ نے محفلِ کائنات میں تشریف لاتے ہی سجدہ کیا۔ دونوں انگشت ہائے شہادت آسمان کی طرف بلند کیں۔ اور رب حبیب کی امت کی صدائے دلنواز سے گنہگاروں

کو مژدۂ تسکین مغفرت بخشا۔ اتنے میں ہاتف

غیب کی ندا آئی۔ کہ اسے آدم کی صفوت، نوح کی رقت

ابراہیم کی خلت۔ صالح کی فصاحت۔ لقمان کی حکمت۔

یعقوب کی بشارت۔ یونس کی طاعت۔ یحییٰ کی عصمت

اسماعیل کی صداقت، اسحٰق کی رضا۔ ایوب کا صبر۔

یوشع کا جہاد۔ داؤد کی آواز۔ الیاس کا وقار موسیٰ

کی شدت۔ عیسیٰ کا زہد۔ اور تمام مجموعی کردار عطا کردو

اور صیفتوں کا جامع بنا دو۔

کتب سیر شاہد ہیں۔ کہ صبح ولادت کعبہ نے مقام

ابراہیم کی جانب سجدہ کیا۔ کہ دولت کدہ آمنہ بھی اسی

جانب واقع تھا۔ اور تکبیر کہی۔ تمام بُت سرنگوں

ہو گئے ۔ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آ گیا ۔ اور چودہ کنگرے گر گئے

بحیرہ ساوہ خشک ہو گئے ۔ آتشکدہ فارس بجھ گیا ۔

جنات و شیاطین کا آسمان پر گزر ختم ہو گیا ۔ عرفان حق

کے شبستانوں میں مسرت کے شادیانے بجنے لگے اور

باطل کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہو گیا ۔ ؎

(وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا)

جناب عبد المطلب جو اس وقت طواف کعبہ میں

مشغول تھے ۔ خبر ملی تو دوڑے ہوئے آئے ۔ اٹھا کر آغوش

میں لیا اور بالہام ربانی نام محمد رکھا ۔ تاکہ بچہ کی

ساری دنیا تعریف کرے ۔

ابو لہب کو اس کی لونڈی ثوبیہ نے آ کر خوشخبری

دی کہ نبئ مرحوم بھائی کے گھر فرزند ارجمند پیدا ہوا ہے

تو ابولہب نے جوشِ مسرت میں انگلی کے اشارے سے ثوبیہ

کو آزاد کر دیا۔ یہ وہی ابولہب تھا۔ جس نے ساری

زندگی سخت کفر اور عداوتِ رسول میں صرف کر دی۔ مگر

اپنی موت کے ایک سال بعد حضرت عباس کو خواب میں ملا

تو آپ نے پوچھا۔ کہ تجھ پر کیا سلوک ہوا۔ بولا۔ تم سے

دیکھ کر میں نے کوئی بھلائی نہ دیکھی۔ ہاں مجھے اس انگلی سے

دوزخ میں پانی ملتا ہے۔ جس سے عذاب میں تخفیف ہوتی

ہے۔ کیونکہ میں نے میلادِ مصطفیٰ کی خوشی میں ثوبیہ کو آزاد

کیا تھا۔ غور فرمائیں۔ کہ ابولہب کتنا سخت کافر

تھا۔ کہ ساری زندگی خدا و رسول کی مخالفت میں گذار

دی۔ حبیبِ خدا کی بارگاہ میں سخت بے ادبی کے کلمات
بکتا رہا۔ پوری سعادت تب اس کی خدمت میں نازل ہوئی
اُس نے میلاد کی خوشی منائی اور وہ کبھی صرف بخشش سمجھ
کر تو یہ صلہ ملا۔ اگر اہلِ ایمان شمعِ رسالت کے پروانے
محبت میں دیوانے ہو کر۔ رسول اللہ کی تشریف آوری کی
خوشی منائیں۔ تو کیا کچھ نہ پائیں گے۔ وہ کافر تھا۔ یہ مومن۔
وہ دشمن تھا۔ یہ غلام۔ وہ مخالف رہا۔ یہ موافق وہاں عداوتِ
رسول تھی۔ یہاں محبتِ رسول۔ اُس نے صرف محمد بن عبداللہ جانا
انہوں نے محمد رسول اللہ جانا۔ اُس نے صرف ثویبہ کو آزاد کیا۔
انہوں نے یہ سارا جہان آباد کیا۔ اُسے وہ فائدہ پہنچا۔
انہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔

علمائے کرامؒ نے تشریح فرمائی ہے۔ کہ کافر کی کوئی

عبادت مقبول نہیں۔ کیونکہ اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لئے

ایمان شرط ہے۔ لہٰذا کافر کا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ

تلاوت، عبادت، ریاضت، نوافل، مشاغل، وظائف ہر

عمل مردود ہے۔ مگر قربان جائیں جشنِ عید میلاد منانے

تو یہ عمل منظور اور مقبول ہے۔ تبھی تو ابولہب کو دوزخ

میں بھی اس کا انعام مل رہا ہے۔ اس لئے علمائے سلف

و خلف عید میلاد مناتے آئے ہیں۔ اور اب بھی ربیع الاول

شریف آتا ہے۔ تو ہر طرف سے مسرت کے شادیانے بجنے لگتے

ہیں۔ سے نثار تیری چہل پہل پہ ہزار عیدیں ربیع الاول

سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

قرآن کریم میں۔ حکم نافذ ہوا۔

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون

کہہ دیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے سبب

ہی انہیں چاہیے کہ خوشی منائیں۔ یہ اس سے بہتر ہے

جو وہ جمع کرتے ہیں۔

اب اندازہ لگائیے۔ کہ جب خدائے قدوس کا یہ

رحمت اور فضل و انعام پر خوشی کرنے کا حکم ہے۔ تو اس

جانِ انعام ؐ کی آمد آمد پر مسرتوں اور شکرانوں

کا انتظام و اہتمام کس قدر ضروری ہوگا۔ کہ سب نعمتیں

اس نعمت عظمیٰ کے وسیلہ سے ملی ہیں اور سب رحمتیں

اس رحمتِ کبریٰ کے صدقہ سے ملی ہے۔

ایک شاعر فرماتے ہیں

کتابِ فطرت کے سرورق پہ جو نامِ احمد رقم نہ ہوتا۔

تو نقشِ ہستی ابھر نہ سکتا۔ وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا۔

یہ محفلِ کن فکاں نہ ہوتی جو وہ امامِ اُمم نہ ہوتا۔

زمیں نہ ہوتی فلک نہ ہوتا۔ عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

وہ نہ ہو پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو۔

چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو۔

وہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو۔

بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو۔

غرضیکہ ماہ ربیع الاول تمام مہینوں سے زیادہ پر بہار

روز دوشنبہ تمام دنوں کا پیر اور سردار مکہ و مدینہ

تمام شہروں سے زیادہ پر انوار ہیں۔ نیز بقول

امام قسطلانی شبِ ولادت تمام راتوں حتیٰ کہ لیلۃ القدر

پر بھی فضیلت رکھتی ہے۔ کہ اس کو دو عالم کے تاجدار، ختمِ

نبوت کے سالار اور اُمت کے غمخوار، حبیبِ پروردگار سے

نسبت حاصل ہو گئی۔ اور ارفع و اعلیٰ ہے جسے نسبت قوی

حاصل ہو گئی۔ اپنے ہمسروں سے افضل و اعلیٰ ہو گا۔ چنانچہ

ماہِ رمضان اور لیلۃ القدر نزولِ قرآن کے باعث مبارک و مقدس

ٹھہرے۔ تو ربیع الاول اور شبِ ولادتِ قرآنِ ناطق کے ظہور

سے مشرف ہوئے۔

بعد ولادت حلیمہ سعدیہ کے حصہ میں رضاعت کی سعادت

آ گئی۔ حلیمہ انہیں اپنے گھر لائیں۔ تو کونین کی نعمتیں حلیمہ کے گھر سمٹ

آ گئیں۔ اونٹنیوں اور بکریوں کے تھن دودھ سے بھر گئے،

نحیف نزار جانور فربہ ہو گئے۔ چراگاہیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ بنی سعد کے سب مکان خوشبو سے مہک اُٹھے حلیمہ کا دولت کدہ برکتوں اور رحمتوں کا گہوارہ بن گیا۔ قبیلۂ بنی سعد کے تمام لوگ حصولِ برکات کے لئے اس گھر کی طرف رجوع کرتے گویا۔ بظاہر حلیمہ نے اس دُرِ یتیم کی پرورش کی۔ مگر بباطن اُس رؤف رحیم نے حلیمہ بعد اُس کے اعزا و اقارب کی تربیت فرمائی۔

نہ حلیمہ عبد کلال ہے یہ نہ مقام چون و چرا ہے
تو خدا سے پوچھ وہ کون تھے تیری بکریاں جو چرا گئے۔

آپ کا بچپن بھر سراپا اعجاز تھا۔ زرقانی شریف اور خائص کبریٰ کی متواتر روایات سے ثابت ہے۔ کہ فرشتے

آپ کے گہوارہ کو ہلاتے تھے۔ چاند آپ کے اشاروں پہ
کھیلتا اور آپ کا جی بہلاتا تھا۔ گرمی کی تپش میں ابر آپ
پہ سایہ کرتا۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں۔

کیا ہی چلتا تھا اشاروں پہ کھلونا نور کا۔

آپ کی نشوونما دوسرے بچوں کی نسبت دگنی تھی پیش
سال کی عمر میں شق صدر ہوا۔ اور دل اقدس کو خیالات کثافت
کے احتمالات سے پاک کر کے حکمت و نور اور ہیبت و سرور
سے معمور کر دیا گیا۔ بعد ازاں حلیمہ سعدیہ آپ کو مکہ
واپس لائیں۔ جناب عبدالمطلب نے حلیمہ سعدیہ کو چالیس
بکریاں اور ایک اونٹ بمعہ ساز و سامان عنایت فرما کر

رخصت کیا۔ چھ برس کی عمر میں آپ کی والدہ ماجدہ
اپنے در یتیم کے ننھیال سے ملنے اور اپنے مرحوم شوہر کی
تربت مبارک کی زیارت کے لئے آپ کے ہمراہ مدینہ شریف
لائے۔ شاید دل کی گہرائیوں میں دبی ہوئی درد و غم کی چنگاریاں
شوہر کے مرقد منور کو دیکھ کر بھڑک اٹھیں۔ کہ وہ پیکر محبت و
وفا خود درد و فراق کے ان شعلوں کی نذر ہوگئی۔ اور واپسی
پر مقام ابواء میں رحلت فرما گئیں۔ آپ اس وقت والدہ کے
سرہانے تصویر غم بنے ہوئے تھے۔ اور والدہ نے مقدس ترین
امانت ام ایمن کے سپرد کر رہی تھی۔ کہ یہ عبد المطلب تک پہنچا دینا
۔

فتح باب نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

25/3/98

افضلیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

امام فخر الدین رازی

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (القرآن 3:253)

تمام اُمت کا اس پہ اجماع ہے۔ کہ بعض انبیاء کرام دوسروں سے بلحاظِ مراتب افضل ہیں اور سب سے افضل محمد ﷺ ہیں۔ اس مسئلہ میں کافی دلائل و شواہد موجود ہیں۔

دلیل (1)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء 107) حضور جب تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو لازم ہے۔ کہ تمام جہانوں سے افضل و اعلیٰ ہوں۔

دلیل (2)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ (الم نشرح 4) رفعت ذکر کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت اذان

اور تشہد وغیرہ میں اپنے ذکر کے ساتھ محمد مصطفیٰ کے

ذکر کو پیوست کر دیا۔ جبکہ دوسرے انبیاء کو یہ رتبہ نہیں ملا

دلیل (3)

خداوند قدوس نے حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (نساء 8) ان کی

بیعت کو اپنی بیعت کے مترادف بنایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ

یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

(الفتح 10)

آپ کی عزت کو اپنی عزت قرار دیا۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ

وَلِرَسُوْلِہٖ (منافقون 8) آپ کی رضا کو اپنی رضا

و خوشنودی کے ہم پلہ بنایا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ

اَنْ یُّرْضُوْہُ (التوبہ 62) اور آپ کی اجابت کو اپنی

اجابت کے ساتھ ذکر فرما کر حضور کے بلانے پر حاضر ہونے

کی اہمیت واضح فرمائی۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا

اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ (انفال ۲۴)

دلیل (۶)۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حضور نے قرآن پاک کے مقابلہ

کا چیلنج دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اگر تمہیں اس میں کچھ

شک ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو فاتوا

بسورۃ من مثلہ۔ اس جیسی ایک صورت تو لے آؤ۔ قرآن

پاک کی کل آیات چھ ہزار چھیاسٹھ ہیں۔ اور اس کی سورتوں

میں سب سے چھوٹی سورۃ الکوثر ہے۔ جو صرف تین آیات

پر مشتمل ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ہر تین آیتوں کو

معجزہ قرار دے کر مقابلہ کا چیلنج دیا۔ اس اعتبار سے

دیکھا جائے۔ تو قرآن پاک فقط ایک معجزہ نہیں ہے۔

بلکہ وہ ہزار سے زائد معجزات کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

موسیٰ کو نو معجزوں سے مشرف فرمایا۔ پھر کیا حضور ص کے لیے

اس قدر معجزات سے آپ کی بلندیٔ مرتبت بدرجۂ اولیٰ ثابت

نہیں ہو جاتی۔

دلیل (ی)

حضور کے معجزات دیگر انبیاء کے معجزوں سے افضل ہیں

حدیث پاک میں ہے۔ قرآن تمام کلاموں میں اس طرح ہے۔

جیسے آدم ع تمام موجودات میں۔ تو لازم ہے۔ کہ ہمارے

رسول ہمیں تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ کیونکہ بادشاہ

خلعت فاخرہ سے درجے اور مرتبے کے مطابق نوازتا ہے۔

خلعت کی شان و شوکت سے مصاحب کی بادشاہ کے

نزدیک قدر و منزلت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

دلیل ⑥ :-

حضور کے معجزہ قرآن کا تعلق حروف اور اصوات سے

ہے۔ اور یہ ایسے امور سے ہیں۔ جو باقی نہیں رہتے۔

جب کہ دوسرے انبیاء کے معجزے امورِ باقیہ کی جنس سے

ہیں۔ باایں ہمہ اُن کے معجزات فانی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ

حضور کے معجزہ کو آخر تک باقی رکھے گا۔

دلیل ⑦ :-

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے احوال بیان فرما

کہ ارشاد فرماتا ہے۔ (سورۃ انعام ۹۰)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔

یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تم انہیں کی راہ چلو"

گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور کو انبیائے کرام کی

سیرتوں سے مطلع فرما کر ان کے اخلاقِ حسنہ کو اپنے لئے

منتخب کرنے کا حکم دیا۔ جب دیگر انبیاء کی تمام پسندیدہ

عادات اور اخلاقِ حسنہ حضور کی ذات میں مجتمع ہو گئے

تو لازماً آپ سب سے افضل ہیں۔

(8) ارشادِ ربانی ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً
(سبا 28)

اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے

جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ حضورؐ جب تمام

لوگوں کی طرف منسوب ہوئے تو چاہیے کہ آپ پر مشقت بھی
سب سے زیادہ رکھی جائے۔ کیونکہ آپ نے تن تنہا جہان
جہان والوں کو یا ایھاالکفرون کہہ کر مخاطب فرمایا۔ تو سب
کے سب آپ کے دشمنِ جان بن گئے۔ یہ تھی عظیم مشقت
یعنی موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کی طرف مبعوث گئے تو انہیں
صرف فرعون اور اس کی قوم سے واسطہ پڑا۔ (جب کہ بنی
اسرائیل جو بہت بڑی تعداد میں تھے۔ ان کے حامی مددگار
تھے) مگر تمام جہان کے لوگ محمد مصطفیٰؐ کے مخالف تھے۔
حضورؐ کی مشقت و جرأت کا اندازہ لگانے کے لئے
یوں سمجھیے۔ اگر کسی آدمی کو کہا جائے۔ کہ اس شہر میں
صرف ایک آدمی رہتا ہے۔ نہ اس کا کوئی ساتھی ہے۔

نہ رفیق یہاں اتنی بات ہے۔ کہ وہ طاقت ور بھی ہے
اور ~~اس لیے~~ تم ایسے کوئی وحشت ناک خبر یا کوئی ایسا
پیغام دے، آؤ جس سے ایسے تکلیف ہو۔ یہ
یہ جاننے کے باوجود کہ وہاں صرف وہی ایک آدمی
ہے۔ شاید ہی کوئی شخص تنہا اس کے پاس جانے
کی جرأت کرے۔ اسی طرح اگر کسی کو ایک دور دراز مسافت
پر واقع وادی میں جانے کے لیے۔ کہا جائے۔ کہ وہاں تمہارا
کوئی رفیق و شناسا نہیں ہے۔ وادی والوں کو
اس بات کہہ آؤ جس سے۔ انہیں دکھ ہو۔ اور ان
کے لیے باعث تکلیف ہو۔ یقین جانئے کوئی شخص بھی
اس کے لیے۔ تیار نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے تصور سے

ہی اس کا پتہ پانی ہونے لگے گا ۔۔۔۔ لیکن ہمارے
نبی اکرم ؐ نے سارے جہان کے جنوں اور انسانوں کو
حق کا پیغام دیا دن رات اس کام میں لگے
رہے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ دشمنی اور ایذا رسانی
جن والوں کی سرشت ہے۔ بلا خوف و خطر مسلسل
دین کی تبلیغ اور اظہار حق کے لئے بھاری مشقتیں برداشت
کرتے رہے۔ جب حضور پر مشقت سب سے بڑھ
کر تھی۔ تو آپ کی فضیلت بھی سب سے زیادہ ہوئی کیونکہ
حدیث پاک میں ہے۔ کہ عبادتوں میں سب سے افضل وہ
ہے۔ جس میں تکلیف ہو۔

(9) حضور ؐ کی امت افضل الامم ہے۔ خداوند تعالیٰ

کا فرمان ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (آل عمران 110)

اُمت کو یہ امتیاز و فضیلت حضور کی پیروی کی وجہ سے میسّر

آئی۔ جیسا کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم

اللہ (آل عمران 31) کے ارشاد ربانی سے ظاہر ہے۔ جب

تابع اُمت کی فضیلت ثابت ہوئی۔ تو متبوع (نبی پاکؐ)

کی افضلیت بطریق اولیٰ ثابت ہوئی۔ نیز جیسا اُمت

مصطفویؐ کا دائرہ وسیع ہے۔ کہ آپ جن و انس وغیرہ

سب کی طرف مبعوث ہوئے۔ اور آپ کے پیروکار سب سے زیادہ

ہیں۔ تو آپ کا اجر و ثواب بھی اس اعتبار سے زیادہ ہوا۔ اور

فضیلت بھی اتنی ہی زیادہ

(15) ہمارے نبی کریمؐ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف نوعیت

کہ تین ہزار سے بھی زیادہ معجزات ظاہرہ سے نوازا
بعض کا تعلق قدرت وطاقت سے ہے۔ جیسے بہت سے
لوگوں کو تھوڑے سے کھانے یا معمولی پانی سے سیر کرنا۔
بعض معجزات علوم سے متعلق ہیں۔ جیسے غیب کی خبریں
دینا اور قرآن کریم کا فصاحت وبلاغت سے مملو ہونا۔
معجزات ہی سے یہ بات بھی ہے۔ کہ آپ کی ذات مجمع و
فضائل ہے۔ کہ حسب ونسب کے لحاظ سے اشرف عرب
میں سے اشرف وبرتر۔ قوت کے اعتبار سے نہایت شجاع
وبہادر۔ یہ آپ ہی کی چشم کرامت کا اثر تھا۔ کہ مولا علیؓ
نے عمر بن ود جیسے طاقتور کو مارا۔ بعد ازاں حضرت
دریافت فرمایا۔ علی تو نے خود کو کیسے پایا۔ مولا علی عرض

گنہگار ہوئے۔ حضور اگر تمام اہل مدینہ اکٹھے ہوکر میرے

مقابلے کو آجائیں۔ جب بھی میں ان پر چھا جاتا۔ اور

دیکھاڑ ڈالتا۔ حضور نے فرمایا۔ اس وادی سے ایک شخص

ہوگا۔ جو تجھے قتل کرے گا۔ (قوت و شجاعت کی طرح)

خلق و حلم و جود وسخا اور فصاحت و بلاغت کی خوبیاں بھی

آپ کے کمالات میں سے ہیں۔ کتب احادیث میں ان ابواب

پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

(11) حضور نبی پاک کا ارشاد پاک ہے کہ آدم و بنی آدم

روز محشر میرے جھنڈے تلے ہونگے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا

کہ آپ سب سے افضل و برتر ہیں۔ ذیل کی حدیث میں

بھی۔ اسی جانب اشارہ ہے۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں

اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ دوسرے انبیاء سے پہلے میں

اور ان کی امتوں سے پہلے میری امت بہشت میں داخل ہوگی

حضرت انس کی روایت ہے۔ کہ روز قیامت سب سے

پہلے مجھے قبر سے اٹھایا جائے گا۔ لوگ بارگاہ خداوندی میں

جب حاضر ہوں گے۔ تو میں انکا قائد ہونگا۔ جب لوگ

نا امید ہونگے۔ میں انہیں خوشخبری سنانے والا ہونگا۔

تعریفوں کے جھنڈے میرے ہاتھ میں ہونگے۔ میں

خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہوں۔ اور مجھے اس

پر کچھ فخر نہیں۔

(12) ایک دن صحابہ کرام گفتگو کر رہے تھے۔ کہ اللہ

تعالی نے آدم ؑ کو صفی۔ ابراہیم کو خلیل موسی کو

کلیم۔ عیسیٰ کو کلمۃ اللہ بنایا۔ اسی دوران حضور شریف

لے آئے۔ اور فرمایا۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ آدم صفی اللہ

ابراہیم خلیل اللہ۔ موسیٰ کلیم اللہ۔ اور عیسیٰ روح اللہ ہیں

مگر یاد رکھو۔ میں حبیب اللہ ہوں۔ اور میں فخر نہیں

کرتا۔ قیامت کے روز میں شفاعت کروں گا۔ میری شفاعت

قبول ہو گی۔ جنت کا دروازہ سب سے پہلے میں کھٹکھٹاؤں

گا۔ تو فوراً کھول دیا جائے گا۔ میں اپنے ساتھ فقیر مومنوں

کو لے کر جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔ اور میں ان سب

باتوں پر فخر نہیں کرتا۔

(13) حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ ایک

مرتبہ۔ حضرت مولا علیؓ کہیں دور سے دکھائی دیے

حضور نے فرمایا۔ وہ سید العرب ہے۔ حضرت عائشہ نے
دریافت کیا۔ کیا آپ عرب کے سردار نہیں۔ حضور نے جواب
فرمایا۔ انا سید العالمین میں تو سب جہان والوں کا
سردار ہوں۔ معلوم ہوا۔ کہ آپ افضل النبیین ہیں۔

حضور نے فرمایا مجھے فضیلتیں ایسی ملی ہیں۔
جو پہلے کسی کو نہ دی گئی۔ اور میں فخر نہیں کرتا۔ پہلے نبی اپنی
اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے۔ جبکہ میں احمر و اسود
سب کا رسول ہوں۔ ساری روئے زمین میرے لئے مسجد
بنا دی گئی۔ خدا کی نصرت و تائید میرے شامل حال
ہے۔ کہ ایک ماہ کی مسافت پر دشمن میرے رعب و دبدبہ
سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ میرے لئے غنائم حلال کر دی گئی

جبکہ پہلے انبیاء کے لئے جائز نہ تھے۔ مجھے شفاعت کا اختیار دیا گیا ہے۔ جسے میں نے اپنی اُمت کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہے۔ یہ انشاء اللہ میرا اس شخص کے لئے مقبول ہوگی۔ جو مشرک نہ ہو۔ یہ ایسی چیزیں ہیں۔ جن سے دوسروں پر آپ کو فضیلت دی گئی۔

(16) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ حضور نے فرمایا۔ میری اور دیگر انبیاء کی مثال یوں ہے۔ جیسے کوئی آدمی عالی شان محل تعمیر کرائے جو اپنے حسن و اعتبار سے کامل ہو۔ مگر ایک کونہ میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی۔ لوگ چاروں طرف گھوم پھر کر اسے دیکھتے ہیں۔ عمارت انہیں پسند آتی ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں

کہ اس جگہ اینٹ رکھ دی جاتی تو یہ عمارت مکمل ہو جاتی

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا۔ میں قصرِ نبوت کی آخری

خشت ہوں۔

(15) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کو ان کے

ناموں سے پکارا۔ جیسے یا آدم اسکن۔ ونادیناہ

ان یا ابراہیم۔ یا موسیٰ۔ یا عیسیٰ۔ وغیرہ۔

لیکن حضور اکرم ﷺ کو یا ایہا الرسول۔ اور یا ایہا النبی۔

ایسے پیارے القاب سے خطاب فرمایا۔ اور یہ چیز آپ

کی فضیلت و عظمت ظاہر کرتی ہے۔

abbas

26/3/98

شافع محشر ﷺ

علامہ محمود رضوی

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب قرآن نے یہ اعلان کیا کہ جو
مصیبت آتی ہے وہ تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ مکافاتِ
عمل سے غافل مت رہو۔ تو پھر معافی اور شفاعت کا تصور
کیا معنی۔ معافی اور شفاعت کا تصور حق ہے
لیکن مکافاتِ عمل کی آڑ میں شفاعت کا انکار درست
نہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں میں بھی یہ تصور پایا جاتا ہے
کہ گناہ ہو جانے کے بعد تلافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ چنانچہ
ہندوؤں نے انسانی روح کو آواگون کے لامتناہی چکر میں پھنسا کر
اصلاح سے مایوس کر دیا۔ اور عیسائیوں نے کفارہ کا عقیدہ ایجاد
کر کے ایک ایسا راستہ کھول دیا۔ جس سے اصلاح و تلافی کا جذبہ

ہیں۔ ختم ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ دنیا میں بہت سے مجرم اور
ظالم ظلم کی راہ پر صرف اس لئے آگے بڑھتے ہیں۔ کہ سابقہ گناہوں
کے چکر سے نجات پانے کی امید کھو بیٹھتے ہیں۔ اور معاشرہ بھی انہیں
یہ احساس دلا کر ہمیشہ کے لئے دھتکار دیتا ہے۔ اور عدم تلافی کا
یہ شعور جرم و ظلم کی راہ پر اور بھی زیادہ تیزی سے دوڑانے کا موجب
بن جاتا ہے۔ خود عربوں میں یہ شعور قبل اسلام کارفرما تھا۔ گناہ و
معصیت میں ڈوبتے ہوئے طبقے تلافی اور مغفرت سے مایوس تھے۔ ان میں
بعض ایسے تھے۔ جنہوں نے کثرت سے بے گناہوں کو قتل کیا تھا۔ اور غریب
و بے کسوں عورتوں کے سہاگ لوٹے تھے۔ ان کے سامنے تلافی کی کوئی شعاع
امید نہ تھی۔ حضور سرور کائنات ﷺ کے حضور ایسے کئی شخص آئے۔
اور حسرت کے ساتھ سوال کرتے کیا ہماری بھی مغفرت ممکن

ہے۔ کیا ان بے پناہ سرکشیوں اور نافرمانیوں کے بعد بھی ہماری بخشش
ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم ایسے لوگوں کے جواب میں حضور سرورِ کائنات
کی زبانی اعلان کرا دیا۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى
اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ
جَمِيْعًا ۔ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی
کی ہے۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ اللہ سارے کے سارے
گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا رحمت کرنے والا ہے۔
سبحان اللہ دربارِ خداوندی میں تو سوال کی فرصت
ہے، اور عجز و نیاز کی۔ رب سے سوال کرو معافی مانگو۔ اور آئندہ
کے لیے گناہوں سے بچنے کا سچا وعدہ کرو۔ وہ غفور رحیم ہے۔ اپنے
سیاہ کار بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اگر گناہوں سے توبہ کے

بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ تو پھر ہیں اس کی رحمت سے نا اُمید نہیں

ہونا۔ اگر وہ قہار ہے تو ستار بھی ہے۔ اگر وہ جبار ہے۔ تو رحمٰن

بھی ہے۔ وہ چاہے خود ہی تمہاری مغفرت فرما دے۔ اور چاہے تو

اپنے مقرب بندوں سے تمہارے لئے سفارش کرا دے۔ اور پھر اس کی سفارش

سے تمہاری معافی ہو جائے۔ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ

اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جو کوئی برا کام کرے۔ یا اپنے

نفس پر ظلم کرے۔ پھر اللہ سے استغفار کرے۔ تو وہ اللہ کو بخشنے

والا پائے گا۔ بہر حال قرآن سے تو یہ بات واضح ہے

کہ جرم خواہ کسی نوعیت کا ہو۔ مگر آدمی نادم ہو۔ توبہ کرے۔

تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اب جو شخص قرآن کی واضح بات

کو تسلیم نہ کرے۔ تو یہ اس کی مرضی ہے۔ اس طرح شفاعت بھی معافی
کا ایک طریقہ ہے۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں کی بخشش کا
(طریقہ شفاعت) کیوں اختیار فرمایا۔ تو اوّل تو یہ اعتراض ہی باطل
محض ہے۔ جب آپ خدا کو مانتے ہیں۔ تو اس کے افعال پر اعتراض
کیوں۔ اللہ تعالیٰ نے بچہ کی پیدائش کے لیے عورت اور مرد کو وسیلہ
قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے بغیر بھی پیدا کر سکتا تھا۔ انبیاء کے
ذریعے وہ مخلوق کی ہدایت فرماتا ہے۔ مگر انبیاء کے بغیر بھی
راہنمائی فرما سکتا تھا۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے بچہ کی پیدائش
کے لیے مرد و عورت کو۔ مخلوق کی ہدایت کے لیے۔ انبیائے کرام کو وسیلہ
بنایا۔ اور اپنے ارادہ و مرضی سے بنایا۔ اسی طرح اس نے مجرموں
کی بخشش کے لیے شفاعت کا قانون بنایا۔ ہاں اگر حکیم کے افعال

حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔ خدا حکیم ہے۔ اس کے ہر کام میں

حکمت ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ ہر فعل کام کی حکمت ہمیں

معلوم ہو جائے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ خدا خود یا اپنے

رسولوں کے ذریعے سے اپنے کسی فعل کی حکمت کو بیان فرما دیتا ہے۔

اور اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ بندے خود اپنی فہم و بصیرت

کی روشنی میں اس کے افعال کی حکمتوں کو تلاش کرتے ہیں۔ اور بیان

کر دیتے ہیں۔ مگر بندے خدا کے افعال کو جو بھی حکمتیں بیان کریں

گے۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ وہی حکمت خدا کے ہاں بھی ہو۔ شفاعت میں

یہ حکمت ہو سکتی ہے۔ کہ اس میں اللہ کے مقرب بندوں کی عزت افزائی

ہے۔ ان کا تقرب اور مراتب کا اظہار ہے۔ کہ وہ نفوس قدسیہ

ہیں۔ جنہوں نے اپنے رب کی اطاعت کی اللہ نے یہ مرتبہ عطا فرمایا۔

نے ان کی شفارش مجرموں کے حق میں قبول کی۔ مجرموں پر اس امر
کا اظہار ہے۔ کہ تم مجرم تھے۔ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی مگر
دیکھو۔ تمہارا رب کیسا رحیم ہے۔ وہ تم پر رحم فرما رہا ہے۔ اور تمہارے
گناہوں کو معاف فرما رہا ہے۔ اس نوع کی صدہا مثالیں ہیں جو مسئلہ
شفاعت میں موجود ہیں۔ الغرض شفاعت کا عقیدہ حق ہے۔ قرآن
و حدیث و اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔

قرآن مجید کی آیاتِ طیبہ میں اختلاف ناممکن ہے۔ لہذا
شفاعت کے بارے میں بھی اس کی آیاتِ کریمہ میں کامل یگانگت و
ہم آہنگی ہے۔ جن آیاتِ کریمہ میں شفاعت کی نفی فرمائی گئی۔ اس کا مطلب
یہ ہے۔ کہ کافروں اور مشرکوں کے لئے شفاعت نہیں۔ کفار و مشرکین
کہا کرتے تھے۔ کہ ہم بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں۔ کہ یہ ہمیں بحضور

رب العالمین مقام قرب در فنا تک پہنچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین

کے اس خیال کی تردید کے لئے فرمایا۔ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ

وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ (المومن) روز قیامت ظالموں کا یعنی

مشرکوں کا نہ کوئی دوست ہوگا۔ نہ سفارشی جس کی سفارش مانی

جائے۔ اور کافر خود بھی قیامت کے دن اپنی اور اپنے بتوں کی بے

بسی کا۔ اور [illegible] ساتھ ہی۔ اپنی گمراہی اور ضلالت کا۔ کھلے

بندوں اعتراف کریں گے۔ اور کہیں گے۔ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ

وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ فَلَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

آج ہمارے لئے نہ کوئی سفارشی ہے۔ اور نہ کوئی ہمدرد و غم گسار

دوست ہمارا ہے۔ اگر دنیا میں واپس کا موقع ہوتا۔ تو ہم ایمان لانے

والوں میں سے ہوتے۔ یہ وہ آیات ہیں۔ جن میں اس

امر کا بیان ہے۔ کہ کافروں اور مشرکوں کا کوئی شفیع نہ ہوگا۔ اور یہ کہ

بت شفاعت نہیں کر سکتے۔ اور ذیل کی آیات میں مقبولانِ بارگاہ کے لیے

شفاعت کا اثبات ہے۔ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ

کوئی شفارشی نہیں۔ مگر اس کی اللہ کی اجازت کے بعد۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ اس کے

حضور شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اجازت عطا

فرمائے۔ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ

الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ~~کوئی شفارشی نہیں مگر~~

قیامت کے دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی۔ مگر اس کی جسے

رحمٰن نے اجازت دے دی۔ اور اس کی بات پسند فرمائی۔ اس

خصوص میں ہمارے حضور نبی کریم ﷺ کی شان نرالی اور نہایت ہی

اجمل واحسن۔ اکرم واعظم ہے۔ ؎

وسعتیں دی گئی ہیں۔ خدا نے دامنِ محبوب کو۔

جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے۔

(اور خاص حضور کے متعلق)

مندرجہ ذیل آیات و حدیث میں یہ تصریحات جو مسلمانوں کے

لئے باعثِ سکونِ قلب ہیں۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

بے شک قریب ہے۔ آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا۔ کہ آپ

راضی ہو جائیں گے۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

وَالْمُؤْمِنَاتِ ؕ اے محبوبؐ اپنے خاص وعام مسلمانوں مردوں

اور عورتوں کی شفاعت کریں۔ قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایسی

جگہ کھڑا کرے۔ جہاں سب آپ کی حمد کریں۔

حضور ؐ نے فرمایا شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي

میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے

حضور ؐ نے فرمایا۔ روزِ قیامت میری شفاعت حق ہے۔ جو اس پہ

ایمان نہ لایا۔ وہ شفاعت کا اہل نہیں۔

حضور ؐ نے فرمایا۔ جب قیامت کا دن ہوگا۔ میں انبیاء کرام

امام۔ خطیب اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ یہ کوئی فخر کی بات نہیں

حضور ؐ نے فرمایا۔ میں اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا۔

یہاں تک کہ میرا رب مجھ سے فرمائے گا اے محمد ؐ کیا تم راضی ہوگئے

میں عرض کروں گا۔ اے رب میں راضی ہوگیا۔

حضور ؐ نے بیں بروزِ قیامت شفاعت اُمت کے لئے بحضورِ رب

سجدہ کروں گا۔ تو میرا رب فرمائے گا۔ اے محمد ؐ اپنا سر اٹھاؤ۔ کہو

تمہاری بات سُنی جائے گی۔ اور مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا۔ اور

شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی تو میں عرض کروں گا۔

الٰہی میری اُمت کی مغفرت فرما دے۔

فقط اتنا سبب ہے۔ انعقادِ بزمِ محشر کا۔

کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے۔

علامہ صاوی تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں کہ جس نے گمان کیا کہ

نبی ہم اور لوگوں کی طرح ہیں کسی چیز کا مالک نہیں۔ نہ وہ نفع

پہنچا سکتے ہیں۔ نہ ظاہر نہ باطن طور پر تو وہ کافر ہے۔ اس کی دنیا و

آخرت برباد ہے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرات انبیائے کرام کی

شفاعت حق ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت گنہگار مسلمانوں

اور بے گناہ والوں کے جو مستحق عذاب ہوں۔ حق اور ثابت ہے کہ

بیشک حق مشروطہ شفاعت کا منسانے جائیں گے۔

آپ مانے جائیں گے۔ ہم پہنسانے جائیں گے۔

—o—

J.abbas

نمبر شمار	پارہ	نمبر آیات	نمبر سورت
(1)	2	163	بقرہ
(2)	8	56	اعراف
(3)	11	10	یُونس
(4)	11	64-62	یُونس
(5)	17	107	انبیاء
(6)	22	40	احزاب
7	22	56	احزاب
(8)	23	182 - 180	صٰفّٰت

(حوالہ جات ختم شریف)

وسیلہ مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ اور اگر وہ اپنی جانوں پہ ظلم کریں تو اے محبوب آپ کے پاس حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول اس کی شفاعت فرمائے۔ تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ (کنزالایمان)

سیدنا علی فرماتے ہیں۔ کہ حضور کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا۔ اور فرط رنج و غم سے مزار پر انوار پہ گر پڑا۔ اور خاک پاک کو اپنے سر پہ ڈال کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ جو آپ نے فرمایا۔۔

ہم نے سُنا۔ جو آپ ﷺ نے اپنے رب سے سیکھا۔ وہ ہم نے آپ سے

سیکھا۔ اور اس میں یہ آیت بھی تھی۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

میں نے اپنی جان پر بڑے بڑے ظلم و ستم کیے ہیں۔ اب آپ کی

بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپا رحمت و شفقت

میری مغفرت کے لیے دعا فرمایے۔ ~~فنودی من القبر~~

تو قبر کے اندر سے آواز آئی۔ کہ تجھے بخش دیا گیا۔

(شانِ نزول)

عُروہ بن زبیر رضہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے والد کے ساتھ ایک

شخص کا کھیت کو پانی دینے پر جھگڑا ہو گیا۔ طلب فیصلہ کے

لیے۔ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے

صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے۔ زبیر بن عوام کے حق میں

فیصلہ دے دیا۔ فیصلہ سن کر۔ فریقین دربارِ رسالت سے

چلے آئے۔ فریقین نے سے حضرت مقداد انصاری۔ کی ملاقات

ہوئی۔ اس وقت حضرت مقداد کے پاس ایک یہودی بیٹھا تھا۔

حضرت مقداد نے تنازع کے فیصلے کے بارے میں دریافت فرمایا

اس شخص نے کہا۔ کہ (العیاذ باللہ) رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی

کے بیٹے کے حق میں بوجہ قرابت فیصلہ دیا ہے۔ یہودی نے سُن

کر کہا۔ کہ افسوس ہے۔ جس رسول ﷺ کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔ اُسی

رسول پر الزام لگاتے ہو۔ جبکہ بنی اسرائیل سے جب خطا ہوئی۔

تو حضرت موسیٰؑ نے ستر ہزار افراد کو۔ اس جرم کی پاداش

میں قتل ہونے کا حکم دیا۔ تو ہم بلا چون چرا کٹ گئے۔ یہودی کی

یہ بات سُن کر۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس نے کہا۔ کہ

خدا کی قسم اگر رسول ﷺ مجھے اپنا گلا کٹوانے کا ارشاد فرمائیں۔ تو میں

پلک جھپکنے سے پہلے تعمیل ارشاد کروں۔

منافقین نے کہا۔ کہ اس پر اس شخص کو جس کا خلاف فیصلہ ہوا تھا۔ رنج کیوں پر رنج ہوا۔ اور پریشان ہو گیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر خازن، تفسیر کبیر، روح المعانی، معالم البیان، مدارک بیضاوی، صحیح بخاری)

محبوب حق حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کے دربار کی حاضری مومنین و مخلصین کے لئے باعث راحت جان، موجب حسنات اور کفارہ سیئات ہے۔ صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر ہر قسم کے رنج و الم سے آزاد ہو جاتے تھے۔ بلکہ صحابہ کرام کا محبت رسول ﷺ میں یہ معمول تھا۔ کہ دنیا کے امور ضروریہ سے بہ فراغت کے ساتھ ہی بارگاہ حبیب

میں حاضر ہو جاتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ تو ایسا تھا جو

سب کچھ چھوڑ کر صرف حضور کا ہو کر رہ گیا تھا۔ جنہیں تاریخ آج

بھی اصحابِ صفہ کے نام سے بیان کرتی ہے۔

صحابہ میں سے جس کسی کو بھی اور جب بھی کسی قسم

کی حاجت درپیش ہوتی۔ وہ اُن کی نگاہوں کے سامنے ایک ہی ملجا

و ایک ہی ماویٰ حضور پرنور کی ذات اقدس آتی۔ اور وہ بلا تامل

اپنی ہر حاجت اور مشکل بارگاہِ عالی میں پیش کرتے۔ اُن کا پیش کرنا

ہوتا۔ ادھر کرم و عنایت کے بادل اُمڈ آتے۔ ہر حاجت مند کی حاجت

روا کی ہوتی۔ اور ہر ایک کی مشکل کشائی ہوتی۔ کوئی ایسا نہ تھا جو

دربارِ مصطفیٰ سے نامراد جاتا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جس کا

مفہوم۔ تم میرے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ تو اگر پھر بھی اپنی

جان پر ظلم کر لیے۔ تو آپ رب کی بارگاہ میں جو کہ تیری شکستہ دلی کا علاج

ہے۔ جب اس مقدس بارگاہ میں تیرا استغاثہ منظور ہو گیا۔ اور

محبوبؐ نے تیری مغفرت کی دعا فرما دی۔ تو تم ضرور اللہ کو توبہ

قبول کرنے والا رحیم پاؤ گے۔

ایک شخص نے روزہ توڑ دیا۔ اللہ کی خلاف ورزی کر کے۔ خدا

کا خوف توڑ کر۔ تو وہ اس کے برحق رسول کی بارگاہ میں مغفرت

و شفاعت کا طالب ہوتا ہے۔ اب اس دربار کی شان سنو۔ آنے

والے کی حوصلہ شکنی نہیں کی جاتی۔ ڈانٹا نہیں جاتا۔ بلکہ کھجوروں

کا بھرا ٹوکرا لیے ہوئے۔ مژدہ مغفرت پائے گھر واپس لوٹ رہا ہے۔

ایک شخص کسی خاتون کا بوسہ لے کر خوف خدا سے

کانپ اٹھتا ہے۔ اور عذاب کا تصور ایسے لرزاں ترساں و بیتاب کہ

لے جا رہا ہے۔ جہاں سب گناہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اقرارِ جرم ہوا۔ اللہ کے حبیب کے ساتھ۔ نمازِ عصر ادا کی۔ رسول کریمؐ

نے دعائے مغفرت فرمائی۔ اور قرآن کریمؐ نے اس شخص کی تقصیر معاف

کا مژدہ سنا دیا۔

ایک دفعہ مروان، حضورؐ کے روضہ انور پر گیا۔ تو اس نے ایک

شخص کو قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوا۔ دیکھا تو کہنے لگا۔ تجھے معلوم ہے

کہ تو کیا کر رہا ہے۔ اس شخص نے اپنا چہرہ مروان کی طرف کیا۔ تو وہ

ابو ایوب انصاری تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں رسولؐ کے پاس حاضر

ہوا ہوں۔ نہ کسی پتھر پر۔

سورۂ النساء کی آیت کے تحت حضرت امام جلیل الحافظ

عماد الدین ابوالفداء اسماعیلؒ فرماتے ہیں۔ (ابن کثیر) حصہ ۲ صفحہ ۵۰۱

اللہ تعالیٰ عاصیوں اور خطا کاروں کو فرماتا ہے۔ کہ انہیں رسول ﷺ کے پاس حاضر ہو کر، خدا سے استغفار کرنا چاہیے۔ اور خود رسول سے بھی عرض کرنا چاہیے۔ کہ یا رسول اللہ۔ آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں جب وہ ایسا کریں گے۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی طرف رجوع فرمائے گا۔ انہیں بخش دے گا۔ اور ان پر رحم کرے گا۔ ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ عشبی کا بیان ہے۔ کہ میں ایک دفعہ حضور کی قبر انور کے پاس بیٹھا تھا۔ تو ایک اعرابی آیا۔ اور اس نے کہا۔ السلام علیک یا رسول اللہ میں نے قرآن پاک کی۔ یہ آیت سنی اور آپکے پاس آیا ہوں۔ تا کہ آپکے سامنے گناہوں کی توبہ کروں۔ اور آپکی شفاعت طلب کروں۔ پھر اعرابی لوٹ گیا۔ اور مجھے نیند آگئی۔ خواب دیکھتا ہوں۔ کہ

حضورؐ مجھ سے فرما رہے ہیں۔ کہ اسے خوشخبری دے کہ اس کا گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔

مفسرین کی جماعت اس پر متفق ہے، کہ یہ حکم عام ہے۔ بعض قبل وفات اکرمؐ کی قید نہیں کیونکہ۔ آیت میں مطلق حضور کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہونا شرط ہے۔ کسی زمانے کی قید نہیں جب خدا تعالیٰ نے مطلق حکم رکھا ہے۔ تو کسی بندے کو کیا حق۔ کہ خدا کے حکمِ مطلق کو مقید کرے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانے میں امساکِ باراں کے باعث آپ نے جو دعا امام بخاری روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمر بارش کے لیے دعا یوں مانگتے ہیں۔ اے اللہ۔ ہمیں حضور کے چچا حضرت عباسؓ کے طفیل بارش عطا فرما۔ پس بارش ہو جاتی۔

ترمذی، نسائی، بیہقی، ابن ماجہ۔۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے۔ کہ ایک نابینا کو حضور نے طلبِ حاجت کے لئے یہ دعا تعلیم

فرمائی۔ اے اللہ۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اور تیری طرف

حضور جی رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں۔ یا رسول اللہ ۔ میں

نے آپ کے ذریعے سے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت میں توجہ

کی تاکہ حاجت پوری ہو۔

امام
سید نا زین العابدین عرض کرتے ہیں۔ یا رحمۃ اللعالمین زین العابدین

کی مدد کو پہنچئے کہ وہ اس اژدھام میں ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے۔

امام اعظم عرض کرتے ہیں۔ اے پیشواؤں کے پیشوا۔

میں ارادۂ قلبی سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کی رضا کا امیدوار

ہوں۔ اور اپنے آپ کو۔ آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

امام بوصیری عرض کرتے ہیں

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ

سواک عند حلول الحادث العمم

اے بہترین مخلوقات آپ کے سوا۔ میرا کوئی نہیں ہے کہ جس کی

مصائب میں پناہ لوں۔

(علم امت کے لئے حدیث نبوی ﷺ)

حضرت عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ اہل یمن

سے ایک شخص تمہارے پاس آئے گا۔ جس کو اویس کہتے ہیں

اور یمن میں سوائے ایک والدہ کے اس کا کوئی نہیں۔ وہ والدہ کی خدمت

اسے یہاں آنے سے۔ مانع ہے۔ اسے برص کی بیماری ہے۔ جو اس کا

دی سے گل گئی۔ البتہ ایک دینار یا درہم کے برابر نشان باقی ہے

تم میرا سے جس کو وہ چلے۔ اس سے دعا لے مغفرت کی درخواست کرنا اور

ایک روایت میں ہے۔ کہ تم خود اویس کے پاس یمن میں جا کر دعائے

مغفرت کرانا۔ (صحیح مسلم)

ابو ہریرہؓ نے حضور سے سنا۔ آپ نے فرمایا قسم

ہے۔ اس ذات کی۔ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے عیسیٰ

بن مریم ضرور نازل ہوں گے۔ پھر وہ اگر میری قبر پر کھڑے ہو کر

مجھے (یا محمدؐ) کہہ کر پکاریں گے۔ تو میں ضرور جواب دوں گا۔

حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں۔ جنگ حرہ کے

زمانہ میں مسجد نبوی میں میرے سوا۔ اور کوئی نہ رہا تھا۔ ان دنوں

جب نماز کا وقت آتا۔ تو مجھے پتا نہ چلتا۔ البتہ حضور اکرم کی مرقد منور سے اذان اور اقامت کی آواز سنتا اور اس پر نماز ادا کرتا۔

علمائے مشائخ کے مسلمہ بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابری نے اپنے عقیدہ کا یوں اظہار فرمایا ہے

شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم
تمہیں چھوڑ کر اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ
اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں
تم اب چاہو بناؤ یا بگاڑو یا رسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر
مری کشتی کنارے پہ لگا دو یا رسول اللہ

Abbas

30/3/98

ورفعنا لک ذکرک

(القرآن کریم) الم نشرح

یہ سورۃ پاک مکیہ ہے۔ اس میں آٹھ آیات ستائیس کلمے

اور 103 حروف ہیں۔ اس سے پہلے کی سورۃ والضحیٰ ساری کی

ساری محبوب پیارے کی شانِ اطہر میں نازل ہوئی۔ اور یہ بھی

سورۃ پوری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کر رہی ہے۔ سورۃ الضحیٰ سے

آخر قرآن تک کی ہر سورۃ ختم کرنے پر حکم ہے۔ کہ اللہ اکبر کہو۔

کیونکہ۔ جب حبیب لبیب علیہ السلام کی علوِ شان سُنی تو ایمان دار کا دل

خوش ہوا۔ جب دل خوش ہوا۔ تو از خود بے ساختہ

زبان سے اللہ اکبر نکل جاتا ہے۔ کہ مولا تعالیٰ کا کتنا عظیم

کرم ہے۔ کہ اس نے تمام مخلوق میں سے اپنے محبوب انور

کی علوِ شان عطا فرمائی۔ اَلَمْ نَشْرَحْ میں استفہام تقریری

ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ نشرح مضارع
کا صیغہ ہے۔ جو تجدد اور استمرار پر دلالت کرتا ہے
معنی یہ ہوگا۔ کہ آپ کا سینہ فیض گنجینہ بار بار کھولا گیا چار
مرتبہ ظاہراً کھولا گیا۔ (1) جب دائی حلیمہ کے پاس تھے۔ (2) قریب
بلوغ (3) پہلی وحی کے نازل ہونے سے کچھ پہلے۔ (4) سفر
معراج کے موقع پر۔ ان مواقع پر کیا کیا اسرار و رموز سینہ فیض
گنجینہ میں ودیعت فرمائے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ محبوب
کا صدر مبارک ایک بہت بڑی فضا ہے۔ اس فضا کو
وہی سمجھ سکتا ہے۔ جس کے لئے مشرح صدر ہو وہ کسی کے
لئے۔ مخلوق میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ کے سینے مبارک

کی فضیلت کو بھی کوئی نہیں پا سکتا۔ حضرت محدث دہلوی صاحب
فرماتے ہیں۔ آپ کا سینۂ اطہر سمندر کی مثل ہے۔ دریا سے
نہر اور نہر سے راجباہ اور راجباہ سے ندی نالے نکل
رہے ہیں۔ اور دریا سمندر میں جا گرتا ہے۔ اسی لیے آپ کا
سینہ پاک تمام علوم اور حکمتوں کا منبع اور اصل الاصول
ہے۔ اس سینۂ اقدس میں نبوت و رسالت حکمت بحر و بر
کا علم بلکہ کائنات کے ذرّے ذرّے کا علم موجود ہے۔
اسی لیے تو فرمایا۔ عَلِمْتُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ۔ یعنی جس
چیز کو وجود مل چکا مل رہا ہے۔ ملے گا۔ آپ سب
جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ [illegible] میں دنیا
کے کاروبار کو اس طرح دیکھ رہا ہوں۔ جیسے اپنی ہتھیلی

کو دیکھ رہا ہوں۔ قرآن کریم بھی شاہد ہے: وَعَلَّمَكَ مَا
لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔ یعنی جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے۔ وہ سارا
کا سارا - آپ کو معلوم کرا دیا۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۔ آپ کا بوجھ۔ آپ سے
ہم نے اٹھا لیا ہے۔ لوگوں کا دینِ حق سے دور رہنا۔ اور
برے کاموں میں لگے رہنا۔ آپکی جانِ اقدس میں گراں گزرتا
تو آپ غمگین ہو جاتے۔ کہ یہ دوزخ میں جائیں گے۔ تو مولا
قدوس نے فرمایا۔ ہم نے بوجھ اٹھا لیا ہے۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ
يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۔ جب لوگ فوج در
فوج دین میں داخل ہونے لگ گئے۔ تو آپکا بوجھ اٹھ
گیا۔ چونکہ آپ رحمت و رأفت کے پیکر ہیں۔ اس لئے

اُمت کی تکلیف آپ پہ گراں گزرتی ہے۔ جیسے مہربان

ماں بچوں کی تکلیف دیکھ کر بے چین ہو جاتی ہے۔ اگر بچے

کو بہت زیادہ تکلیف ہو جائے۔ تو ماں کو غش بھی پڑ جاتا ہے

جب ماں کی مہربانی کا یہ عالم ہے۔ تو اس جانِ رحمت کی

مہربانیوں کا کیا عالم ہوگا۔ جن کی رحمت و مہربانی ماں

کی محبت سے بھی کئی گنا درجہ بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتا ہے۔ (وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین)

کہ آپ ہی تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ تو جب آپ

پیدا ہوئے۔ دنیا میں تشریف لائے۔ تو رب اُمتی اُمتی

زبان پر جاری تھا۔ ساری زندگی بھی اپنی امت کا غم

اُمت کی بخشش مانگتے رہے۔ سبحان اللہ عجیب ہستی۔ احسان کیا

پیار کرتا ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ عزیز علیہ ما عنتم

میرے محبوب پر وہ چیز گراں گزرتی ہے۔ جو اے انسانو

تمہیں تکلیف میں مبتلا کر دے۔ تو سب سے زیادہ تکلیف

گناہ ہی دیتے ہیں تو یہ چیز حضور پر بہت گراں گزرتی

ہے۔ منکرین علم غیب یہاں پر اعتراض کرتے ہیں

کہ اگر حبیب اکرم کا شرح صدر اس طرح ہوا کہ آپ

عالم ما کان و ما یکون ہو گئے۔ تو پھر جب حضرت جابر آپ کے

دروازے پر حاضر ہوئے۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ تو محبوب اکرم

نے پوچھا کون ہے۔ عرض کی میں ہوں۔ تو اگر آپ کو علم ہوتا

تو آپ کیوں پوچھتے۔ کہ تم کون ہو۔ یہ اعتراض کم فہمی کی

مبنی ہے۔ اس میں علم غیب کے منافی کوئی بات نہیں۔

کیونکہ اس استفسار میں حکمت یہ تھی۔ کہ محبوب اکرم

نے یہ مسئلہ بتانا تھا۔ کہ اگر کوئی پوچھے کون ہو۔ تو اپنا نام

بتانا چاہئیے۔ اس طرح جواب نہیں۔ دینا چاہئیے۔ کہ میں ہوں

آپ کو معلوم تھا۔ کہ میرے استفسار پر جابر اس طرح

جواب دیں گے۔ تو ان کو مسئلہ بتا دوں گا۔

اس ایمان افروز بلاشبہ کی بنا پر جب کبھی۔

حبیب خدا کسی بات کے متعلق پوچھتے کہ فلاں بات کس طرح

ہے۔ تو صحابہ عرض کر دیتے کہ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ اللہ

اور اس کا رسول ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ صحابہ کرام نے

کبھی یہ جواب نہ دیا۔ کہ اگر آپ کو علم غیب ہے۔ تو پھر ہم

سے کیوں پوچھا جا رہا ہے۔ اگر کوئی بات پوچھ لینے سے علم غیب

کی نفی مسموع ہو تو بہت نقص لازم آئے گا۔ قرآن کریم میں ہے

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى (طٰہٰ ۱۷) جب موسیٰ ؑ

کوہِ طور پر گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ؑ سے پوچھا کہ

تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ کے ہاتھ میں عصا

تھا۔ تو مولیٰ مقدس نے پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ تو کیا

اللہ مجدہٗ العظیم کو بھی علم نہ تھا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم ؑ نے عرض کیا۔ رَبِّ اَرِنِی

كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى - اے مولیٰ مجھے دکھا کہ تو کس طرح مردوں

کو زندہ کرتا ہے۔ مولیٰ کریم نے ابراہیم ؑ سے پوچھا۔ قَالَ اَوَلَمْ

تُؤْمِنْ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تو ایمان نہیں رکھتا۔ کہ میں زندہ

کر لیتا۔ مسموع ۔ حالانکہ رب العالمین کو علم تھا۔ کہ میرا بندہ ایمان

بیان کر دیا ہے۔ لیکن بعد میں پوچھا۔ معلوم ہوا کہ کسی بات کے پوچھنے
سے لاعلمی ثابت نہیں ہوتی۔

ورفعنا لک ذکرک۔ جب یہ آیت کریمہ لے کر
جبریل حاضر ہوئے۔ تو محبوب خدا ﷺ نے فرمایا کہ کس طرح
بلند فرمایا۔ جبریل عرض کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح
آپ کے ذکر کو رفعت عطا فرمائی ہے۔ کہ جس طرح اللہ
تعالیٰ نے اپنا ذکر بیان فرمایا ساتھ ہی ساتھ اپنے محبوب ﷺ
کا ذکر بھی فرمایا۔ موذن اذان میں مکبر تکبیر میں
اشہد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ اشہد ان محمد رسول اللہ کہتا ہے
کلمہ طیبہ شریف میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ عرش
پر بھی اللہ نے اپنے نام کے ساتھ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے

حضرت آدم ع نے جو عرش پہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس کو

دیکھ کر۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کی بارِ الٰہا اس نام کے صدقے میری

توبہ قبول کر۔ جب یہ واسطہ لیا۔ تو آپ کی توبہ منظور ہوئی۔

تو معلوم ہوا۔ کہ نام بڑا رفیع اور ذکر بڑا وسیع ہے۔ اس میں

تو آدم ع نے اپنے بیٹے حضرت شیث ع کو فرمایا۔ اے میرے بیٹے

جس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ تو ساتھ محمد ص کا نام بھی لیا

کرتے رہنا کیونکہ میری توبہ ان کے وسیلے سے منظور ہوئی۔

محبوب الٰہی ص کا ذکر کتنا بلند ہوتا ہے۔ فرمایا۔

بہشت میں ہر دروازے پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے۔ درختوں

کے پتے پتے پر آپ کا نام، تمام فرشتوں کے ماتھے پر

آپ کا نام حوروں کے سینوں پر آپ کا نام نامی لکھا ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ
زیتون کا استعمال کرو۔ کیونکہ اس میں ستر بیماریوں کے لیے شفا ہے

چھلکا زیتون	= 50 گرام	صندل	= ۱۰ گرام
سنا مکی	= ۱۰ گرام	ہلدی	= ۱۰ گرام
جوہر ورق الخیل	= 5 گرام	فلفل سیاہ	= ۱۰ گرام
عنبر	= 5 گرام	الائچی خورد سبزہ	= ۱۰ گرام
پودینہ	= ۱۰ گرام	تخم مشق	= ۱۰ گرام
کستوری	= 3 گرام	تخم کلونجی	= ۱۰ گرام
زعفران	= ۱۰ گرام	برگ کاسنی	= ۱۰ گرام
برگ حنا	= ۱۰ گرام	گل سرخ	= ۱۰ گرام
تر پھلہ	= ۱۰ گرام	زیرہ سفید	= ۱۰ گرام
چھلکا انجیر	= ۱۰ گرام	دودھ برگد	= ۱۰ گرام

ان تمام اشیاء کا سفوف بنا کر بڑے کیپسول میں بھر لیں۔ اور دو کیپسول
صبح و شام کو کھانے کے ایک گھنٹہ بعد نیم گرم دودھ کے
ساتھ استعمال کریں

[signature]

حالانکہ قرآن مجید کیا فرماتا ہے۔ حور مقصورات فی الخیام
ایسی حوریں جو پردوں میں ہیں۔ آگے فرمایا۔ لم یطمثھن
انس قبلھم ولا جان - کہ انہیں پہلے کسی انسان اور جن نے ہاتھ
نہیں لگایا۔ کیونکہ ہاتھ لگایا۔ اور کیوں اتنے پردوں میں ہیں
اس لیے کہ ان کے سینوں میں محمدؐ کا مہر لگا ہے۔ جس چیز
میں سرکار کا مہر لگا ہوئی ہو۔ اس کو ہاتھ لگانا منع ہے۔
ان پہ مہر سرکار کی مہریں لگی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ کیں۔
اتنی محفوظ ہیں۔ آخرت میں سرکار کی وساطت سے
اپنے نداسوں کو ملیں گی۔ محبوب اکرمؐ کا سارا راز ہے
جہاں میں جو کچھ کھا رہا ہے۔ آپ کا دیا ہوا کھا رہا
ہے۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ) محبوب اکرم

نے فرمایا کہ میں بانٹنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ دینے والا ہے

یہ نہیں فرمایا کہ فلاں چیز اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اور میں

فلاں چیز بانٹتا ہوں مطلق فرمایا کہ خدا دیتا ہے۔

اور میں بانٹتا ہوں۔

مطلق اپنے اطلاق پر ہوتا ہے۔ یعنی قید نہیں ہوتی

تو معلوم ہوا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ اور اس

ہر چیز کو ہم تقسیم کرتے ہیں۔ تو ہم دنیا میں بھی

خدا کے محبوب کا دیا ہوا کھا رہے ہیں۔ وہاں تو یہاں بھی کہا ہے

گا۔ کہ شرک ہوگا۔ کہ خدا کا دیا ہوا کھا رہے ہیں۔ نہ کہ

محمد رسول اللہ کا دیا ہوا حالانکہ اس حدیث شریف سے

صاف معلوم ہو رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز

اپنے محبوب کے قبضے میں دے کر فرما دیا کہ جسے چاہے میرا
محبوب دے جسے چاہے نہ دے۔ اس لئے تو فرمایا۔ انا اعطینٰک
الکوثر۔ اے محبوب بے شک ہم نے آپکو خیر کثیر عطا فرما
دی۔ یعنی تمہیں حسن ظاہری و باطنی بھی عطا کیا۔ اور نبوت
و رسالت سے بھی سرفراز کیا۔ عالی نسب بھی بنایا اور
تمام مخلوقات سے افضل و اعلیٰ بھی کیا۔ علم و حکمت سے
بھی مالا مال کیا۔ اور اختیارات سے بھی بہرہ ور کیا کثرت
امت کا شرف بخشا اور شفاعت کبریٰ کے منصب سے
بھی نوازا۔ حوض کوثر بھی عطا کیا۔ اور مقام محمود پر بھی
فائز کیا۔ [illegible]۔ قیامت کے دن حضور اپنے
ہاتھ سے غلاموں کو کوثر سے جام پلائیں گے۔ محشر کا

ثبیتے میدان بلکہ جنت میں بھی سایہ تلے جگہ ملے گی۔ تو محبوب انورؐ کے صدقے۔

حدیث شریف میں ہے۔ کہ طوبیٰ درخت کا اصل حبیب خداؐ کے گھر میں ہوگا۔ اور طوبیٰ کی ایک ایک شاخ بہشت کے ہر مکان میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہاں بھی محبوبؐ کے سایہ اور وسیلہ کے بغیر کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حبیب کریمؐ کا ذکر کتنا بلند فرمایا۔ قرآن کریم میں ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ خبردار کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس بذکر اللہ سے مراد حبیب اکرمؐ ہیں۔ جن کی بلند شان ہے۔ اس

پاک ہستی کی جس کے بارے میں خود خدا فرماتا ہے

اسے یاد کرنے سے دل مطمئن ہوتے ہیں

Abbas

30-3-98

Abbas

30:3:98

حورانِ جنت کا استقبال

حضورؐ کے صحابہ میں ایک حضرت جلیبیب بھی تھے۔ جوان
آدمی تھے۔ مگر مفلسی کی تصویر۔ کچھ شکل و صورت بھی واجبی
سی تھی۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ لیکن طبیعت میں کچھ
ہنسی مذاق تھا۔ اس لئے بعض حضرات آپ سے کچھ الگ الگ
رہتے تھے۔ آپ کبھی جنگل کی طرف نکل جاتے۔ اور لکڑیاں کاٹ کر
لاتے۔ اور انہیں بازار میں بیچ کر گزارا کرتے۔ اکثر فاقہ سے
رہتے۔ لیکن کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کرتے۔ عموماً
مسجد نبویؐ میں پڑے رہتے۔ ایک روز کچھ اداس اداس بیٹھے
تھے۔ حضورؐ نے جو دیکھا تو پاس بلا کر حال احوال دریافت
فرمایا۔ حضرت جلیبیبؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے ماں باپ
آپ پر قربان ہوں تقاضائے بشریت ہے میرا دل چاہتا ہے

کہ میری شادی ہو جائے۔ لیکن سوچتا ہوں۔ مجھ سے کون شادی
کرے گا۔ نہ پلے پیسہ نہ بدن پہ کپڑا۔ جوتا پاؤں کو کبھی نصیب
ہی نہیں ہوا۔ نہ گھر نہ گھاٹ۔ پھر شکل و صورت بھی جیسی ہے
حضور کے سامنے ہے۔ میری عادات کچھ ایسی ہیں کہ میرے مسلمان
بھائی مجھ سے الگ الگ رہتے ہیں ایک اللہ کی ذات ہے۔ اور
حضور ہیں۔ یہی میری دنیا ہے۔ اور یہی میرا دین ہے۔

حضور ؐ نے فرمایا۔ اگر اللہ ہے تو سب کچھ ہے۔ جب اللہ
پہ بھروسہ ہو۔ وہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔ شکل و صورت بھی
اچھی ہے۔ جو اللہ نے بنا دی۔ ہنسنا ہنسانا بھی کوئی بری بات
نہیں۔ حضرت جلیبیب سر جھکائے۔ خاموش بیٹھے تھے۔ اور حضور ؐ
کے ارشادات سن رہے تھے۔ حضور اکرم ؐ نے پھر ارشاد فرمایا

حبیب رضی اللہ پر صبر کر رکھو۔ انشاء اللہ تمہاری شادی کا انتظام بھی

کہیں سے ہو جائے گا۔ میں بھی خیال رکھوں گا۔ جس روز جبیب

نے اپنی شادی کے لئے حضور اکرم ؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ اس سے

اگلے ہی روز مدینے کے ایک کھاتے پیتے انصاری نے جس کی لڑکی شادی

کی عمر کو پہنچ چکی تھی۔ بارگاہ رسول میں حاضر ہو کر۔ لڑکی کی شادی

کے متعلق خیر و برکت کی درخواست کی۔ اس انصاری کے جانے کے بعد۔

حضور انور ؐ نے حضرت حبیب رضی کو بلا کر اس انصاری کا نام پتہ بتا دیا

اور فرمایا۔ تم اس انصاری کے پاس جاؤ۔ اور میرا سلام اور میری

طرف سے رشتہ کی درخواست کرو اور حضرت جبیب کو حضور اکرم ؐ

ارشاد سن کر بڑی حیرت ہوئی اور وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے۔

حضور ؐ نے فرمایا۔ حبیب کیا سوچ رہے ہو۔ یار لوگوں میرے

ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ لیکن اور کچھ نہ کہہ سکے۔ اور سر جھکا لیا

حضور نے فرمایا۔ ہاں ہاں کہو۔ چپ کیوں ہو گئے

بات کرو۔ حضرت جلیبیب رضی نے عرض کی، یا رسول اللہ حضور کا حکم

ہے کہ میں اس انصاری کے گھر جاؤں اور اس کی لڑکی کے لئے شادی

کا کہوں۔ حضور میری اس کی کیا مناسبت (وہ عزت والے کنبے والے

صاحب حیثیت اور غلام کی جو حالت ہے۔ حضور کو معلوم ہے نہ گھر

نہ زر اور نہ شکل و صورت کہ کسی پر بھروسہ ہو۔ ارشاد ہوا۔ خدا

کے بھروسہ پر تم اس انصاری کے پاس جاؤ۔ ان سے میرا سلام کہنا

اور یہ کہہ دینا کہ تمہیں میں نے بھیجا ہے۔ دوسرے دن حضرت

جلیبیب اس انصاری کے مکان پر گئے۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے

ایک لونڈی باہر آئی۔ حضرت جلیبیب بولے۔ مجھے رسول اللہ نے بھیجا ہے

ذرا اپنے آقا سے کہہ دو۔ لونڈی اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ انصاری

آ گئے۔ اور سبقت کر کے اسلام علیکم کہا۔ اور بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھادی

حضرت جلیبیب نے حضورؐ کا سلام دیا۔ اور کہا۔ مجھے حضور نے

بھیجا ہے۔ یہ ذرا جھجکتے ہوئے۔ اور دبی زبان سے اپنے آنے کا مقصد

بیان کیا۔ وہ صحابی یہ سن کر کہ جلیبیب ان کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا

ہے کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ اور کچھ کہے سنے بغیر اٹھ کر اندر چلے گئے

بیوی نے شوہر کو کچھ پریشان سا دیکھ کر پوچھا۔ خیر تو ہے جلیبیب

کیسے آیا۔ انصاری نے بیوی کی طرف دیکھا اور کہا۔ میں نے حضور اکرمؐ

کی بارگاہ میں حاضر ہو کر لڑکی کی شادی کے لئے عرض کیا تھا۔ حضور

پر نور نے اسی لئے جلیبیب کو میرے پاس بھیجا ہے۔ تمہارا کیا

مطلب ہے کہ ہم اپنی لڑکی جلیبیب کے نکاح میں دے دیں

ہاں مشورہ کرنے گیا۔ یہ سنتے ہی گھر والی کے تو پتنگے ہی لگ گئے بولی

جب حبیب نے لڑکی کے لیے کہا تھا۔ تو تم نے کہاں سے پکڑ کر

رشتہ دکھا دیا ہوتا۔ نہ شکل و صورت نہ بدن پہ کپڑا۔ نہ

پاؤں میں جوتا۔ نہ پلے دھیلا نہ پیسہ۔ ابھی جاؤ۔ محمد [illegible] سے

میں حضور کی بارگاہ میں انکار کر دوں۔ ہرگز نہیں۔ میں تو

اس جرأت نہیں کر سکتا۔ (توبہ توبہ)۔ ان کی لڑکی ماں اور

باپ کی گفتگو سن کر کوٹھے سے نیچے اتر آئی۔ اور باپ سے پوچھا۔

بابا امی کیوں بگڑ رہی ہے۔ کیا بات ہے۔ تو امی ہی سے پوچھ لو۔

باپ نے کہا۔ ماں بولی۔ تیرا ابا۔ اس بھوکے حبیب کے پلے باندھنا

چاہتا ہے تجھے سن لیا۔ مجھے پلے باندھنا چاہتا ہے۔ لڑکی نے ذرا تعجب

سے کہا۔ میں نہیں سمجھی۔ اپنے باپ سے پوچھ۔ ماں نے کہا۔

باپ بولا۔ تمہاری امی نے کہا تھا۔ کہ میں رسول صلعم کی خدمت میں
حاضر ہو کر۔ تمہارے لئے بر کی درخواست کروں۔ آج حضور ؐ کے حکم
سے جلیبیب تمہارے نکاح کی درخواست کرنے میرے پاس آیا ہے۔ اب
تمہاری امی مجھ سے بگڑ رہی ہے۔ جلیبیب باہر بیٹھا میرا انتظار کر رہا
ہے۔ بتاؤ کیا جواب دوں لڑکی بولی۔ بابا جائیے اور اس
سے کہہ دیجیے کہ آپ اس سے میرا نکاح کرنے کو تیار ہیں جلدی۔
کیا کہہ رہی ہو۔ ماں نے ٹوک کر غصے سے کہا۔ تم جلیبیب کی
بیوی ہو گی۔ شکل دیکھ کر ڈر آتا ہے۔ میں نے کئی بار سنا ہے
کہ مسلمان اس کے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ مدینہ کی
بیٹی بولی۔ وہ خدا اور رسول ؐ کو جو پسند ہے امی تم خدا
کا شکر کرو۔ میری اور اپنی قسمت پر ناز کرو۔ پھر باپ سے

بولی۔ بابا جان سے کہہ دیا۔ کہ حضور کا حکم سر آنکھوں پر

آپ ان سے میرا نکاح کرنے کو تیار ہیں۔ اندر یہ باتیں ہو رہی

تھیں۔ اور جیب باہر بیٹھے اندر سے اونچی اونچی آوازیں بھی آرہی تھیں

سن رہے تھے۔ اور سمجھ رہے تھے۔ کہ انہی کا قصہ حل ہو رہا ہے۔

اور گھر والی کا ناراض ہونا ہو رہا ہے۔ اس خیال سے کہیں۔ وہ ان پر کوئی آفت

نہ آ جائے۔ چپکے سے اٹھ کر چلے گئے۔ لڑکی کا باپ باہر آیا۔ تو جیب

کہیں نظر نہ آئے۔ وہ واپس اندر گئے میں نے پوچھا ابا کیسے آئے

تو بیٹی سے کہا۔ صاحب ہوا۔ وہ تو غالباً واپس جا چکے بہت برا ہوا

یہ تو واقعی بہت برا ہوا۔ لڑکی بولی۔ اگر جیب نے حضور

سے شکایت کر دی تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ پھر۔

بابا آپ فوراً حضور کی بارگاہ میں جائیں۔ اور جیب سے

بیٹی کی شادی کی حامی بھر لیں جلدی جائیں ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بیماری
شکایت کر دیں ۔

انصاری جس وقت مسجد نبوی میں پہنچے تو لوگ
نماز کی تیاری کر رہے تھے ۔ اور حبیب بھی ایک طرف
بیٹھے تھے ۔ انصاری نے اطمینان کا سانس لیا ۔ حبیب کو حضور
کی خدمت میں کچھ کہنے کا ابھی موقع نہیں ملا تھا ۔ نماز کے بعد وہ انصاری
موقع پا کر حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ۔
یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ۔ حضور کا ارشاد
ہمارے لیے باعث عزت بھی ہے ۔ اور فخر بھی ۔ حضور حبیب سے شادی
کر پرسوں جمعہ کی نماز کے بعد وہ آ جائیں ۔ اور نکاح پڑھوا کر بیوی
کو لے جائیں ۔ حضور نے خوش ہو کر خیر و برکت کی دعا دی ۔ اور

انصاری دل ہی دل میں اللہ تعالی کا شکر کرتا ہوا۔ کہ اس کی

عزت رہ گئی۔ واپس چلا گیا۔ اس کے بعد حضور ؐ نے حبیب کو بلا

کر مبارک باد دی۔ یا رسول اللہ ؐ میرے ماں باپ آپ پر

قربان ہوں۔ حضور ؐ کا ارشاد ہے۔ کہ جمعہ کی نماز کے بعد میں

انصاری کی لڑکی سے نکاح کر کے بیوی کو رخصت کرا دوں۔ حضور ؐ کو

سلام ہے۔ کہ نہ میرا گھر ہے۔ نہ میرے پاس پیسہ ہے ایک اللہ کا نام ہی

ہے۔ حضور نے فرمایا۔ اللہ تعالی سب مشکلیں حل فرما دے گا۔

مسلمانوں کو چاہیے۔ کہ وہ کبھی مایوس نہ ہوں۔ اللہ ہی سب کا کارساز ہے

وہ مالک ہے۔ اور اپنے بندوں کی طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ پھر

حضور نے ارشاد فرمایا۔ عثمان کے پاس جاؤ۔ ان سے میرا سلام

کہنا۔ اور اپنی حاجت بیان کرنا۔ انشاء اللہ سب کام ہو جائے گا

جب حضرت عثمان رضؓ سے جا کر پہلے حضور کا سلام پہنچایا۔
پھر اپنی حاجت بیان کی۔ حضرت عثمانؓ نے اسی وقت رہنے
کو ایک مکان اور شادی کے اخراجات کے لئے روپے دے دیے
اور کہا۔ جب کبھی کچھ ضرورت ہو تو مجھ سے کہہ دینا۔ حضور اکرم
کو تکلیف مت دیا کرو۔ نکاح میں ایک روز باقی تھا۔
جب بازار میں بیاہ کے لئے سامان خرید رہے تھے۔ پاس
سے ایک چلنے والے گزرے۔ انہوں نے پوچھا۔ جبیب کیا لے رہے
ہو۔ جبیب بولے۔ کل نماز کے بعد میرا نکاح ہے
تم بھی ضرور آنا۔ کہاں جا رہے ہو۔ اس وقت؟ دوسرے نے
جواب دیا۔ اسلام کا دشمن ابوسفیان اپنے لاؤ لشکر
کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آ گیا ہے۔ حضورؐ اس کی

روک تھام کے لئے جا چکے ہیں۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ دعا کرو۔ لڑائی سے
پہلے حضور کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔ اتنا کہہ کر اس نے اپنی
راہ لی۔ حبیب نے جب سُنا کہ رسول خدا ﷺ کفار سے لڑنے کو گئے ہیں
تو فوراً جوش دلایا۔ سب سامان وہیں چھوڑا۔ ایک تلوار اور گھوڑا
خرید کر جدھر مجاہدین اسلام گئے تھے۔ ادھر کی راہ لی۔ لیکن غلطی سے
اپنے لشکر کی طرف جانے کی بجائے ابوسفیان کے لشکر کے
عقب میں جا نکلے۔ اور جوش جہاد میں اپنے لشکر کی
طرف لوٹ آنے کی بجائے۔ نعرے مارتے ہوئے مشرکین کفار پر ٹوٹ
پڑے اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ابوسفیان
کو خیال تھا۔ کہ وہ بے خبری میں مسلمانوں پر حملہ کر دے گا
مگر حیران ہو کر سبقت لینے کے بجائے۔ جاسوسوں نے حضور رسول خدا ﷺ

کو کفار کے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ اور حضور اکرم دشمنوں

کے آنے سے پہلے ہی اپنے جان نثار کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل آئے

تھے۔ ایک مختصر سے مقابلہ کے بعد کفار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے

دونوں طرف سے کچھ آدمی اس معرکہ میں کام آئے۔ مسلمان ادھر

اُدھر سے اپنے شہید بھائیوں کو اٹھا کر لاتے تھے۔ اور دفن

کر دیتے تھے۔ جب شہدا دفن ہو چکے تو بنی پاک ﷺ نے فرمایا۔

لڑائی کے دوران مجھے اپنے ایک دوست کی دو چار بار آواز

سنائی دی تھی۔ کہیں ایسے بھی تو دیکھو

لوگوں کو تعجب ہوا کہ وہ کون خوش قسمت ہے جسے

بنی پاک ﷺ اپنا دوست فرما رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے خود ہی فرمایا

کہ میرے الدستغیاث کے لشکر کی طرف سے جیب کے لوگوں

کی آواز سنی تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے کفار کے لشکر پر

عقب سے حملہ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد چند مجاہد حضرت حبیب کی لاش اٹھا لائے۔

ان کا بدن زخموں سے چھلنی ہو رہا تھا۔ وہ خدا کی راہ میں

شہید ہو چکے تھے۔ کچھ دیر بعد جب حضرت حبیب کا جنازہ اٹھایا

گیا۔ تو حضور تا جدارِ مدینہ بھی ساتھ تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضور

چلتے چلتے اپنا پاؤں اس طرح بچا لیتے تھے۔ جیسے کسی کے پاؤں

کے نیچے کچلے جانے کا ڈر ہو۔ جب لوگ حضرت حبیب کو

قبر میں اتار رہے تھے۔ تو اکثر رقیق القلب لوگوں کی آنکھوں

سے آنسو گر رہے تھے۔ لیکن حضور اکرمؐ نے چہرہ مبارک پر

مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ یہ دیکھ لوگوں نے ایک بڑی عجیب بات

تھی۔ اس واقعے کے دو ایک روز بعد۔ کچھ صحابہ مسجد میں بیٹھے

حضرت جبیبؓ کی شہادت اور حضور اکرمؐ کے جنازہ کے ہمراہ جانے

کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ کبھی حضور کی طرف بھی کنکھیوں

سے دیکھ لیتے تھے۔ حضور اقدس سمجھ گئے۔ کہ وہ لوگ کچھ پوچھنا

چاہتے ہیں۔ حضور کے پوچھنے پر صحابہ کرامؓ میں سے ایک

نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ

پر فدا ہوں۔ حضور جبیب کے جنازے کے ساتھ تشریف لے

جا رہے تھے۔ تو غلاموں نے دیکھا۔ حضور چلتے چلتے اپنا پاؤں

مبارک کبھی کھینچ لیتے تھے۔ پھر جب جبیب کی میت قبر میں

اتاری جا رہی تھی۔ تو حضور مسکرا رہے تھے۔ یہ دونوں

باتیں ہم غلاموں کے لئے کچھ عجیب سی تھیں۔ حضور نے ارشاد

ہوتا تھا۔ ہم لوگ جب حبیب کا جنازہ اٹھائے لئے جا رہے

تھے۔ تو جنازے میں اتنے فرشتے شامل تھے کہ چلتے چلتے میرا

پاؤں ان کے پاؤں پر اور ان کا پاؤں میرے پاؤں پر پڑ جاتا تھا۔

اس لیے میں قدم کھینچ لیتا تھا۔ جب ہم لوگ میت قبر میں اتار

رہے تھے۔ تو حورانِ جنت شہید کے استقبال کو اس کثرت سے موجود

تھیں کہ میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ کہ یہ اس حبیب کا

جنازہ ہے جس کا اس بڑھیا جیسی شہید پسندیدہ تھا۔ اس کا

مرتبہ دیکھ کر میں خوش ہو رہا تھا۔ اللہ کے حضور میں امیر غریب

خوبصورت اور بدصورت کی کوئی تمیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ

میں اگر کوئی چیز مقبول ہے۔ تو وہ بندہ کے نیک اعمال ہیں

30/3/93